سلسلۂ نصابات تعلیمیہ جامعۂ عثمانیہ

تاریخ انگلستان

حصۂ دوم

تالیف

کیرل رینسم - ایم - اے

ترجمہ

مولوی سید ہاشمی صاحب فرید آبادی

سابق رکن شعبۂ تالیف و ترجمہ جامعۂ عثمانیہ

١٣٥٩ھ م ١٣٥٠ف م ١٩٤١ء

دار الطبع جامعۂ عثمانیہ سرکار عالی حیدرآباد دکن

یہ کتاب مسرز ریونگٹنس وپبلشرز (لندن) کی
اجازت سے جن کو حق اشاعت حاصل ہے
اُردو میں ترجمہ کرکے طبع وشایع کی گئی ہے۔

فہرست مضامین

تاریخ انگلستان حصۂ دوم

(ریپرنٹ)

باب	مضمون	صفحات
	جزو ششم	
	خاندان ٹیوڈر	
اول	شجرۂ خاندان ٹیوڈر۔ شجرۂ شاہان اسکاٹ لینڈ (سنہ ۱۴۶۰ء تا ۱۶۰۳ء)۔ شجرہ شاہان فرانس (سنہ ۱۴۸۳ء تا ۱۶۰۳ء)	۱ تا ۴
	ہینری ہفتم (سنہ ۱۴۸۵ء تا سنہ ۱۵۰۹ء) ہینری کی تاجپوشی اور پہلی پارلیمنٹ۔ ہینری کی	۵ تا ۲۶

باب	مضمون	صفحات
سوم	**جزو دوم: چارلس اول**	۲۲۷ تا ۲۸۰

فہرست شجرہ ہائے شاہان انگلستان

فہرست نقشہ جات

جزو ششم

خاندان ٹیوڈر

شجرۂ خاندان ٹیوڈر

ہنیری ہفتم زوج الزبیتھ (یارکی)

(شہزادہ جان گونٹی کی پوتی مارگریٹ بوفرٹ کا بیٹا) سنہ ۱۴۸۵ء تا ۱۵۰۹ء — بنت ایڈورڈ چہارم

آرتھر (المتوفی سنہ ۱۵۰۲ء)

ہینری ہشتم سنہ ۱۵۰۹ء تا ۱۵۴۷ء

مارگریٹ (زوجہ جیمس شاہ اسکاٹ لینڈ)

میری ۱۔ زوجہ لوی شاہ فرانس
۲۔ ،، چارلس برنیڈن شہزادہ سفک۔

میری سنہ ۱۵۵۳ء تا ۱۵۵۸ء

ایڈورڈ ششم سنہ ۱۵۴۷ء تا ۱۵۵۳ء

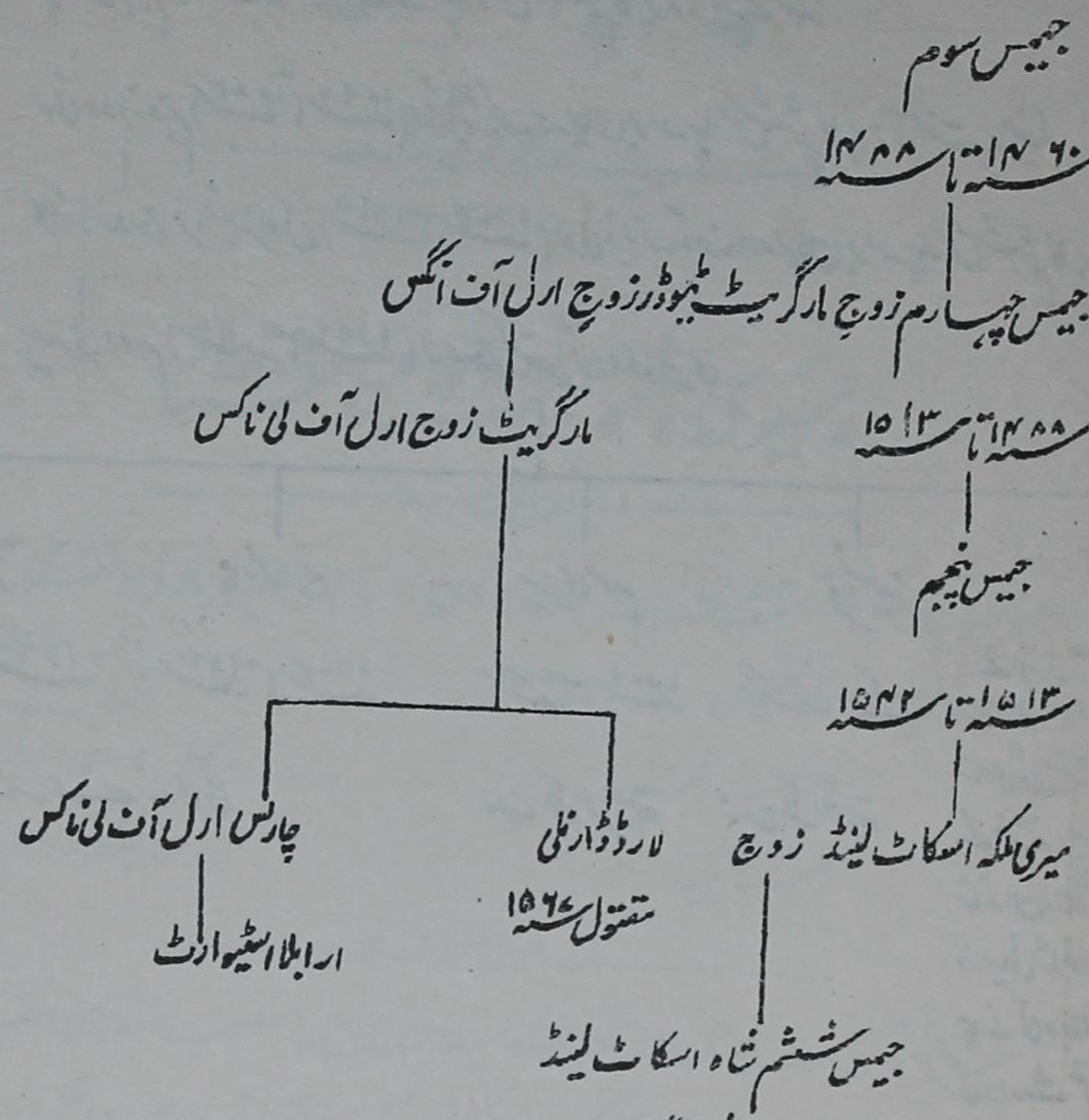
الزبیتھ سنہ ۱۵۵۸ء تا ۱۶۰۳ء

فرانسیز زوجۂ ہنیری گرے (الزبیتھ وُڈویل کا پوتا، پہلے شوہر سے، المخاطب بہ شہزادۂ سفک)

لیڈی جین گرے (زوجۂ گلڈفرڈ ڈوڈلی)

کیتھرائن

شجرۂ شاہان اسکاٹ لینڈ (سنہ ۱۴۶۰ تا سنہ ۱۶۰۳)



شجرۂ شاہان فرانس (۱۴۸۳ء تا ۱۶۰۳ء)

چارلس ہشتم (۱۴۸۳ء تا ۱۴۹۸ء چارلس ششم کا پروتا) کے بعد

لوئی دوازدہم (۱۴۹۸ء تا ۱۵۱۵ء) لوئی ڈیوک آف اورلیان برادر چارلس ششم کا پروتا تخت پر بیٹھا

کلاؤڈ زوج فرانسیز اول (۱۵۱۵ء تا ۱۵۴۷ء) لوئی ڈیوک آف اورلیان برادر چارلس ششم کا پروتا

ہینری دوم (۱۵۴۷ء تا ۱۵۵۹ء) زوج کیتھرائن دی مدیسی

- فرانسیز دوم (۱۵۵۹ء تا ۱۵۶۰ء) نے میری ملکہ اسکاٹ لینڈ سے شادی کی
- چارلس نہم ۱۵۶۰ء تا ۱۵۷۴ء
- ہینری سوم ۱۵۷۴ء تا ۱۵۸۹ء زوج ملکہ الزبیتھ
- فرانسیز ڈیوک آف الن کن زوج ملکہ الزبیتھ
- مارگریٹ نے ہینری چہارم (۱۵۸۹ء تا ۱۶۱۰ء) سے شادی کی سینٹ لوئی کے کے فرزند رابرٹ کے خاندان سے تھی اور تمام درمیانی شاخوں کے ختم ہونے کی وجہ سے تخت فرانس کی وارث تھی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بابِ اوّل

ہنیری ہفتم ۱۴۸۵ء تا ۱۵۰۹ء

ولادت۔ ۱۴۵۶ء۔ ازدواج با الزبتھ (یارک) ۱۴۸۶ء

معاصرین۔ فرانس............ چارلس ہشتم
لوئی دوازدہم

اسکاٹ لینڈ............ جیمس سوم و چہارم

ہسپانیہ　　فرڈی نینڈ و ازابلا

ہینری ٹیوڈر نے بوس ورتھ کے میدان ہی میں منصب شاہی اختیار کر لیا اور چھوٹی چھوٹی منزلیں کرتا ہوا شاہانہ تزک و احتشام کے ساتھ لندن میں داخل ہوا۔ جنگ کے بعد یہ دوسرے ہفتے کا دن اور ستمبر کی تیسری تاریخ تھی۔ دعاوی کو باضابطہ بیان کرنے

ہینری کی تاجپوشی اور پہلی پارلیمنٹ

میں بعض دقتیں اور قباحتیں واقع ہوتیں لہٰذا ہینری نے واقعات مسلمہ کی خاموش منطق سے کام لیا اور ۳۰ر اکتوبر کا دن تاجپوشی کے واسطے مقرر کر کے، بہ حیثیت بادشاہ پارلیمنٹ کے ارکان منتخب کرنے کے احکام بھیج دیئے۔ پھر ۷ر نومبر کو، پارلیمنٹ منعقد ہوئی تو ہینری نے

مبہم الفاظ میں اعلان کیا کہ وراثت کے جائز حق اور میدانِ جنگ میں خدائی فیصلے نے مجھے تاج شاہی کا مالک بنا دیا ہے اور پارلیمنٹ کے ارکان نے بھی اسی رنگ میں باضابطہ قانون کے ذریعے اعلان کر دیا کہ انگلستان و فرانس کے تاجوں کی وراثت ہمارے نئے ولی نعمت فرماں روا، شاہ ہینری ہفتم اور اس کی اولادِ صلبی کا حق ہے، اسی کو حاصل ہوا اور اسی کو حاصل رہے گا۔ اسی کے ساتھ رچرڈ ثالث کو غاصب اور جو لوگ اس کی طرف سے بوس ورتھ میں لڑے، انھیں غدّار قرار دیا گیا۔ بایں ہمہ قتل و خون کی نوبت نہ آئی کیونکہ ہینری ان خونی سزاؤں کو جو کچھ مدّت سے معمول بن گئی تھیں، روکنا مناسب سمجھتا تھا اور عفو عام نے ملک میں بہت جلد امن و اطمینان بحال کر دیا۔ شروع میں الزبیتھ کی موعود شادی کا جس پر بادشاہ کے یار کی خیر خواہ بھروسہ کئے ہوئے تھے، کوئی ذکر نہ آیا لیکن اجلاس ختم ہوتے وقت پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں نے بالاتفاق درخواست کی کہ بادشاہ اس رشتے کو شرفِ قبول بخشے اور ہینری نے اسے بے تامل منظور کر لیا۔ جنوری ۱۴۸۶ء میں شادی ہوئی اور اسی سال بہت سے بہن بھائیوں میں سب سے بڑا بیٹا، آرتھر پیدا ہوا اور عیّار اسقف مورٹن کی تدبیر کہ ان دو خاندانوں کو ملا دیا جائے، پوری طرح کامیاب ہو گئی۔ مگر ہینری تُلا ہوا تھا کہ بادشاہی اس کے ذاتی حق پر مبنی رہے گی نہ کہ بیوی کے۔ اور اسی لئے کچھ عرصے تک ملکہ ملکی معاملات میں پسِ پشت رہی اگرچہ خانگی طور پر بادشاہ اس سے محبت آمیز برتاو کرتا رہا۔

ہینری کے انھی کاموں سے اس کی خو خصلت ظاہر ہو گئی۔ وہ مزاج کا ٹھنڈا، محتاط، مستقل۔ اچھا خاصہ سپاہی اور خلقی سیاست داں تھا۔ اس کے علاوہ اس میں اور بھی بعض باتیں ایسی تھیں جو شاہانِ ماسبق سے اسے ممتاز کرتی اور صحیح معنی میں عصرِ جدید کا پہلا انگریز بادشاہ کہلانے کا مستحق بناتی ہیں۔ اس کی شبیہیں دیکھ کر ظاہر ہوتا ہے کہ وہ بدرجۂ اولیٰ متفکر اور حقیقی آدمی تھا اور یہی خال و خط بتاتے ہیں کہ اس کے چہرے میں جو "پادری پن" بیان کیا گیا ہے اس کا کیا مطلب ہے۔ بخلاف اس کے ملکہ خاص یار کی نمونے کی تھی۔ چہرہ بھرا ہوا جذبات نفساتی کا مرقع دکھاتا تھا

جیساکہ ایڈورڈ چہارم کی بیٹی کو ہونا چاہیئے تھا۔

ہینری کی حکمتِ عملی

اپنے مزاج کے موافق ہینری تمام عہد میں جبر وجور کی بجائے زیادہ تر سیاسی جوڑ توڑ سے کام نکالتا رہا۔ ضرورت کے وقت جنگ کی قابلیت دکھانے میں اس نے کمی نہیں کی لیکن ترجیح اسی کو دی کہ کھلے میدان میں لڑنے کی بجائے دشمن کو اپنی چالوں سے دنگ کر مارے۔ اس کی حکمت عملی کے دو بڑے مقصد تھے: ایک تو یہ کہ تختِ سلطنت اپنے اور اپنی اولاد کے لئے محفوظ اور تمام حریفوں کا قلع قمع ہو جائے۔ اور دوسرے یہ کہ اُمرا کی طاقت توڑ کر بادشاہی اقتدار کو مضبوط کیا جائے۔ آخر میں ایک تیسرا مقصد یہ بھی اُس نے بڑھا لیا تھا کہ ممالک یورپ کے معاملات میں عملی حصہ لیا جائے اور ازدواجی تعلقات سے اپنی قوت بڑھائی جائے۔ ہینری نے یہی تین بنیادی مقاصد اپنی اولاد میں ورثہ چھوڑے اور اُس زمانے کے حالات ایسے تھے کہ تھوڑے سے تغیّر وتبدّل کے ساتھ تمام ٹیوڈر بادشاہوں کی حکمتِ عملی انھی پر مبنی رہی۔ لیکن واضح رہے کہ ایسی حکمتِ عملی سے صرف ہر دلعزیز بادشاہ کام لے سکتے تھے کیونکہ بادشاہ کے پاس مستقل فوج نوکر نہ ہونے کی صورت میں، اگر بغاوت ہو تو قانون پسند رعایا ہی کے حسنِ عقیدت پہ بھروسہ ہو سکتا تھا۔ یہی سبب ہے کہ ہینری اور اس کے جانشینوں نے شہر فا اور طبقۂ متوسّط کا دل ہاتھ میں لینے کی غرض سے جان ومال کے حفاظتی قوانین پر سختی سے عمل کرایا۔ انھوں نے ایک طرف تو بڑے امرا کے خدم وحشم کو دبایا کہ انھی کے وجود سے خانہ جنگی بپا ہو سکتی تھی اور دوسری طرف قزّاقی اور ظلم کی ہر صورت کا سختی سے سدّباب کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ملک میں جان ومال کی حفاظت کا ایسا اطمینان پیدا ہو گیا کہ پہلے کبھی دیکھنے میں نہ آیا تھا۔ لوگوں میں اسلحہ باندھنے کا عام رواج موقوف ہو گیا۔ اہل حرفہ کو تجارت کی نئی سہولتوں سے فائدہ پہنچا تو وہ حکومت کے مستقل طور پر ممد ومعاون بن گئے۔

اپنے باقاعدہ منصوبے کے مطابق، سب سے پہلی فکر تو ہینری نے یہ کی کہ حریفوں کو قابو میں لایا جائے۔ رچرڈ ثالث نے مختلف موقعوں پہ ایڈورڈ (پلان ٹاجنیٹ)، جان دی لاپول (امیر لنکن) اور جان دی لاپول (امیر سفک) کو اپنا

جانشین بنانے کا خیال ظاہر کیا تھا۔ ایڈورڈ، شہزادۂ کلیرنس کا بڑا بیٹا اور دادی کے بعد امارت وارک کا وارث ہونے والا تھا۔ اسے تو ضلعدار ہٹن نے یارک شر میں گرفتار کر کے قلعۂ لنڈن کے زنداں میں بھیجدیا اور امیر لنکلن کو، جو بادشاہ کی بہن الزبتھ کا بڑا بیٹا تھا، قبولِ اطاعت اور دربار میں رہنے کی اجازت دیدی گئی۔

بغاوتیں۔ سمنیل کا مفسدہ

مگر ان سب احتیاطوں کے باوجود شورش و فساد بپا ہوئے بغیر نہ رہا۔ ۱۴۸۶ء میں ہینری نے شمالی اضلاع کا دورہ کیا تو یارک شر اور ورسٹر شر میں سخت ہنگامے ہوئے اور مقدم الذکر علاقے میں تو وہ شورہ پشتوں کے ہاتھ میں پڑنے سے بال بال بچا۔ ان یارکی باغیوں کا سرغنہ امیر لول تھا اسی سال رچرڈ سائمن نامے پادری نے ایک لڑکے مسمی لیمبرٹ سمنیل کو ایڈورڈ دپلان ٹاجینٹ) کا روپ دھارنا سکھایا اور اس سے آئرستان میں خروج کیا جہاں خاندانِ یارک ہمیشہ سے مقبول عام و خاص تھا۔ چنانچہ یہ مدعی وہاں بلامزاحمت بادشاہ بن بیٹھا اور اس فریب کو مزید قوت اس لیے پہنچ گئی کہ امیر لنکن دربار سے یکایک فرار ہو کے فلینڈرس چلا گیا اور یہ خبر مشتہر کی کہ خود میں نے ایڈورڈ کو نکل بھاگنے میں مدد دی تھی اور آئرستان جاتے وقت اس سے ملاقات کر چکا ہوں۔ فلینڈرس میں لوویل بھی اسے آملا اور چارلس دلیر کی بیوہ مارگریٹ نے انھیں بہت کچھ مدد دی۔ اسی کی اعانت سے دو ہزار قواعد داں جرمن سپاہی مارٹن شوارز کی قیادت میں، اجرت پر رکھے گئے اور یہ فوج مئی ۱۴۸۷ء میں آئرستان پہنچ گئی۔ پھر سمنیل اور ایک آئرستانی جمعیت کو لیکر لنکن ساحل انگلستان پر بارڈسی ان فرنس میں لنگر انداز اور یارک شر میں داخل ہو گیا۔ مگر یہاں ان کی زیادہ آؤبھگت نہ ہوئی اور جنوب کی طرف واپسی میں خود بادشاہ سے نیووارک کے قریب اسٹوک (اپان ٹرنیٹ) پر مقابلہ ہو گیا۔ یہ لڑائی بوس ورتھ سے زیادہ خونریز ہوئی۔ لنکن اور شوارز مارے گئے۔ لول مفقود الخبر ہو گیا۔ سمنیل اور سائمن اسیر کر لئے گئے اور سائمن کو تو پھانسی ملی اور سمنیل شاہی باورچی خانے کے برتن دھونے پر رکھ لیا گیا۔ غرض ساری باغی فوج کا تار و پود بکھر گیا۔ ورنہ، اگر یہ بغاوت کامیاب ہو جاتی تو غالباً لنکن خود بادشاہ بن بیٹھتا۔ بہرحال، اب تو ایسی زبردست فوج کو شکست دینے سے بادشاہ کی شہرت

بڑھ گئی اور یارک کی فریق کو خوش کرنے کی غرض سے اس نے ملکہ کی تاجپوشی کی رسم ادا کرنی بھی مصلحت سمجھی جسے اب تک ٹالتا رہا تھا۔

آیندہ پانچ سال تک یارک کی فریق خاموش رہا۔ مگر ۱۴۹۲ء میں پھر ایک فریبی نے خروج کیا جس کا نام بہت جلد ثابت ہوگیا کہ پرکن اوس بیک یا واربیک تھا مگر اُس نے دعویٰ کیا کہ میں رچرڈ (امیر کبیر یارک) ہوں اور اپنے بڑے بھائی کے قتل کے وقت قلعۂ لندن سے نکل بھاگا تھا۔ اس فریب نے بھی آئرستان میں فروغ حاصل کیا بلکہ حق یہ ہے کہ کورک کے لوگوں نے نووارد اور خوش لباس پرکن سے یہ کہہ کر کے وہ ہو نہ ہو کوئی شہزادہ ہے، گویا اُسے یہ بہروپ بھرنے پر مجبور کر دیا۔ پھر، اگرچہ پرکن کی اصلیت بہت کچھ ظاہر ہوگئی تاہم اُس کا فریب ہینری کے حق میں کافی زحمت کا موجب ہوا۔ وہ اصلی شہزادوں کی موت کو ٹھیک طور پر ثابت نہ کر سکا کیونکہ اس سے پہلے عام طور پر لوگوں کو اُن کے مرنے کا یقین ہی نہ تھا۔ آئرستان سے پرکن، ستمبر ۱۴۹۱ء میں فرانس آیا اور وہاں چارلس ہشتم نے، جس کا ہینری سے اختلاف ہوگیا تھا۔ اُس کی خوب آؤ بھگت کی پھر فرانس وانگلستان میں صلح ہوئی اور پرکن کو فلینڈرس جانا پڑا تو وہاں بھی مارگریٹ (یارک کی) نے اسے ہاتھوں ہاتھ لیا اور فریب سے بیان کیا کہ یہی میرا اصلی بھانجا ہے۔ تین سال تک وہ مارگریٹ کے پاس رہا لیکن ہینری نے انگریزی اُون کی برآمد بند کر دی جس پر وہاں کے شہریوں کی ساری تجارت مبنی تھی اور ہینری خوب جانتا تھا کہ یہی شہری فلینڈرس کی حکومت کے رہنما ہیں چنانچہ وہاں کے نوجوان والی فلپ (حسین) نے انگلستان سے ایک تجارتی معاہدہ کیا اور پرکن کو نکالنے کے عوض میں بہت سی مراعات حاصل کرلیں جس سے فلینڈرس والوں کی تجارت کو بڑا دیرپا فائدہ حاصل ہوا۔ یہ معاہدہ جس سے فلینڈرس کے شہری بہت خوش ہوئے دار نباط کبیر) کہلاتا ہے پرکن نے فلینڈرس سے نکل کے کنیٹ میں اُتر جانے کی کوشش کی تھی مگر کامیاب نہ ہوا اور آئرستان واپس آکر اسکاٹ لینڈ چلا گیا جہاں کے بادشاہ نے ہینری پر اپنا رُعب جمانے کے لئے اس کی خاصی خاطرداری کی۔ حتیٰ کہ دو سال تک مہمان رکھا اور اپنی ایک رشتہ دار سے شادی کی بھی اجازت

دے دی، اگرچہ یہ معلوم نہیں کہ وہ واقع میں اُس کی شہزادگی کا یقین رکھتا تھا یا نہیں۔ ایک مرتبہ شاہ اسکاٹ لینڈ (جیمس چہارم) اسے اپنے ساتھ لیکر انگلستان کی سرحدیں بھی داخل ہو گیا تھا مگر نارتھمبر لینڈ کے کسانوں کا ستانا پرکن کو خوش نہ آیا اور یہ مہم بہت جلد واپس ہو گئی۔ آخر جیمس اکتا گیا اور پرکن اپنی بیوی سمیت آئرستان واپس آیا۔ اس سفر میں مشہور جہازی اینڈرو اور روبرٹ بارٹن بطور بدرقہ اس کے ساتھ تھے۔ مگر آئرستان میں جہاں ہینری کی دانشمندانہ حکومت سے امن و رفاہ پیدا ہو رہے تھے، پرکن کو زیادہ مدد نہ ملی اور ادھر کورنوال کے واقعات سنکر اسے امید ہوئی کہ شاید وہاں وہ کچھ کر سکے گا۔

لیکن پرکن کے فلینڈرس چھوڑنے سے قبل ہی ہینری نے لوگوں کو یہ دکھا دینے کا فیصلہ کر لیا تھا کہ غداری اور بے وفائی کا وہ ذرا بھی روادار نہ ہوگا۔ اس امر کی شہادتیں جمع ہو رہی تھیں کہ حاجب شاہی سر ولیم اسٹینلی پھر وہی دورنگی کی حرکتیں کر رہا ہے جیسی رچرڈ ثالث سے کیں اور اسے فریب دیا تھا۔ ہینری نے

اسٹینلی کا قتل

فوراً اسے گرفتار کرا لیا اور عدالتی تحقیقات کے بعد جان سے مروا ڈالا۔ یہ وہی شخص تھا جس نے اوس ورتھ میں ہینری کو تاج پہنایا تھا۔ اور اس کا یہ حشر دیکھکر سب کو کان ہو گئے کہ بادشاہ کا تقرب بھی کسی کو بیوفائی کی سخت ترین سزا سے نہیں بچا سکتا اور پرکن کو اپنی حمایت میں کوئی جتھا تیار کرنے کی امید تھی بھی تو وہ خاک میں مل گئی۔

۱۴۹۷ء میں اسکوٹوں کی ایک اور یورش روکنے کے لئے، پارلیمنٹ نے ایک لاکھ بیس ہزار پونڈ کی امداد منظور کی اور چالیس ہزار پونڈ کا قرضہ بھی فراہم کیا گیا۔ ابھی وصولیوں پر کارنول کے لوگ بگڑے کہ اسکوٹوں کی معمولی اور چند روزہ

کارنول کی شورش

اچھل کود پر ہم سے اتنا روپیہ کھینچا جا رہا ہے۔ اس ناراضی نے ایک قانون پیشہ آدمی، ٹامس فلیمک، اور ایک لُہار مائیکل جوزف کی سرگروہی میں باقاعدہ شورش کی صورت اختیار کی اور اہل شورش جمع ہو کر لندن کی طرف روانہ ہوئے۔ ویلز میں لارڈ آوڈلے ان میں آملا اور اس کے ماتحت یہ لوگ کینٹ پہنچے۔ وہ ابھی بلیک ہیتھ تک آئے تھے کہ خود ہینری نے

سوار و پیادہ اور توپ خانے سے اُن پر حملہ کیا۔ ہزاروں کو سزائے قتل دی گئی مگر ان کے ساتھیوں سے اتنی نرمی کا برتاو ہوا کہ لوگ سمجھے ہینری سختی کرنے سے ڈرتا ہے۔ اور پرکن کو بھی یہی پیام پہنچے کہ اگر وہ کارنول آجائے تو بہت سے ساتھی مل جائیں گے۔ چنانچہ پرکن، وھٹسنڈ بے پر لنگر انداز ہوا اور تین ہزار آدمیوں نے اس کی رفاقت کی۔ انھیں لے کر اس نے اکزیٹر پر ناکام حملہ کیا اور پھر ٹانٹن کی طرف بڑھ گیا۔ اس عرصے میں ہینری کے خیر خواہ بھی مسلح ہو چکے تھے۔ پرکن کو نظر آگیا کہ کسی بڑی بغاوت بپا ہونے کی توقع نہیں رہی لہذا فوج کو چھوڑ کر وہ بولیو کی خانقاہ میں پناہ گزیں ہو گیا اور جان بخشی کے وعدے پر از خود بادشاہی حراست میں آگیا۔ ہینری کو بڑ خوشی ہوئی کہ اُس نے اپنی جعلسازی کا تفصیلی اقبال کیا اور لندن کے بازاروں میں تشہیر کرا کے اُسے نگرانی میں رہنے دیا۔ اس کی بیوی کیتھرائن ملکہ کی ملازمت میں لے لی گئی۔ ساتھ والوں نے پرکن کی فراری کے بعد ہی ہتھیار ڈال دیئے تھے۔ صرف چند کو سولی دی گئی لیکن ہینری نے بہت سے لوگوں پر حسب حیثیت جرمانے ضرور کیئے کہ مغربی اضلاع والوں کو معلوم ہو جائے کہ وہ سزا دینے سے خوف نہیں کرتا۔ پرکن پہلے دربار میں تھا مگر بھاگنے کی بے سود کوشش کی سزا میں قلعۂ لندن میں محبوس کر دیا گیا۔ وہاں اُس نے اپنے ساتھی قیدی بد نصیب امیر وارک سے پیام سلام کی راہ نکالی اور ۱۴۹۹ء میں ملک بھاگ جانے کا منصوبہ گانٹھا لیکن اس کا پتہ چل گیا اور بادشاہ کو وارک کا قصہ چکانے کا یہ موقع ہاتھ آیا کہ غداری کے جرم پر اس بد قسمت امیر کا سر قلم کرا دیا جس کی عمر کے ۲۸ میں سے ۱۴ سال قید میں گزرے تھے۔ پرکن کو ٹائی برن میں سولی پر لٹکا دیا گیا۔

وارک کی موت سے یارک کی خاندان کے نرینہ وارثوں کا خاتمہ ہو گیا۔

باوجود اس کے ہینری کو امیر لنکن کے چھوٹے بھائیوں سے خطرہ رہا۔ ان میں ایک

برادران ڈی لاپول

رچرڈ اور دوسرا ایڈمنڈ ڈی لاپول (امیر سفک) تھا اور یہ دونوں ۱۵۰۱ء میں فرار ہو کر یورپ چلے آئے۔ اسی فراری کے سلسلے میں گینیز کا قلعدار، سر جیمس ٹیرل غداری کی علت میں ماخوذ ہوا اور سزائے موت کا مستوجب قرار پایا تو مرنے سے پہلے اُس نے اقبال کیا کہ رچرڈ ثالث کے

عہد میں وہ دونوں چھوٹے شہزادے۔ جو قلعۂ لندن میں محبوس تھے، ہیری شرکت سے قتل کرائے گئے۔ اور اسی بیان پر واقعۂ مذکور کی تمام بعد کی روایتیں مبنی ہیں۔ سفک ۱۵۰۶ء تک باہر رہا اور ۱۵۱۳ء میں جان بخشی کے وعدے پر فلپ والی برگنڈی نے اسے ہینری کے حوالے کر دیا۔ ہینری نے وعدے کی خلاف ورزی نہ کی مگر ہینری ہشتم کے زمانے (۱۵۱۳ء) میں وہ قتل کرا دیا گیا اور اس کا بھائی ممالک یورپ ہی میں رہا یہاں تک کہ معرکۂ پیویا (۱۵۲۵ء) میں کام آیا۔ وارک کی ایک ہی بہن (مارگریٹ) تھی جس کی شادی سر رچرڈ پول سے ہوی اور بہت سے بچے ہوئے جنھوں نے آیندہ تاریخ میں نمایاں حصہ لیا۔

سمنیل اور پرکن کو آئرستان میں طرفدار ملے تھے۔ اس واقعے نے ہینری کو خواہی نہ خواہی اس ملک کی جانب متوجہ کیا جہاں لوگوں میں بغاوت کا اتنا میلان تھا کہ ہینری نے وہاں کے بعض باشندوں سے کہا کہ آقایانِ آئرستان، آپ لوگ تو بادشاہوں کی بجائے بندروں کے سر پر تاج رکھنے میں تامّل نہ کریں گے۔ آئرستان کی حالت انگریزوں کی نام نہاد فتح کے وقت سے ہینری کے عہد تک تقریباً یکساں رہی تھی۔ ملک بڑے بڑے رئیسوں میں بٹا ہوا تھا اور ان میں سے اونیل، اوبرائن وغیرہ بعض بڑے بڑے خاندانوں کے سرگروہ تھے۔ اور بعض جیسے کلدیر کے جیرالڈین، کاناٹ کے بورک اور آرمنڈ کے بٹلر بڑے نارمن خاندانوں کے وارث تھے انگریزی حکومت کے عام آئین یہاں بھی جاری کر دئے گئے تھے اور آئرستان میں پارلیمنٹ، مجلس شوریٰ، شاہی عدالتیں، میر عدل وغیرہ سب محکمے موجود تھے لیکن ڈبلن شہر یا کلدیر، ڈبلن، میتھ اور لاؤتھ کے پرگنوں کے باہر ان عہدہ داروں کو کوئی نہ پوچھتا تھا اور مذکورۂ بالا چار پرگنے مجموعی طور پر علاقہ (یعنی انگریزی علاقہ) یا حدود (The Pale) کہلاتے تھے۔ سبب یہ کہ نارمن رئیس اپنے اپنے علاقوں میں موروثی اور خود مختار ہوتے اور آئرستانی خاندانوں میں خود اُن کا مقامی قانون چلتا تھا۔ اس طرح ایک قسم کا جاگیرداری تمدن پیدا ہو گیا تھا جو انگلستان میں کبھی وجود میں نہ آیا اور فرانس و جرمانیہ کے جاگیرداری تمدن سے نسبتہً بہت مماثل تھا۔ حکومت کی بڑی کوشش یہ رہی کہ نارمن آباد کاروں کو آئرستانی باشندوں میں ملکر ان جیسا جنگلی اور وحشی نہ بننے دے ورنہ

کہا جاتا تھا کہ وہ آئرستانیوں سے بڑھ کر آئرستانی ہو جائیں گے۔ ملک کے حالات کا اندازہ دو نمونے کے آئین سے ہوتا ہے۔ ایک تو ۱۳۶۷ء میں آئین کل کینی کے نام سے نافذ ہوا اور اس کی رو سے کسی انگریز متوطن کا آئرستان کی رسم و رواج اختیار کرنا، وہاں کی زبان بولنا یا وہاں کی عورت سے شادی کرنا غداری قرار پایا۔ اور دوسرا سو برس بعد ۱۴۶ء کا قانون ہے جس میں پارلیمنٹ نے (انگریز) احرار کے لئے کسی چور یا جس پر چور ہونے کا شبہ ہو اسے قتل کرنا اور اس کا سر حکومت کے حوالے کرنا، جائز قرار دیا۔ ایک ایسے ملک میں سیاسی اور تمدنی زندگی کی ابجد بھی لوگ نہ جانتے تھے لہذا ہینری نے قصد کیا کہ اس کا خاطر خواہ بند و بست کیا جائے۔

قوانین پوئی ننگز

مگر چند سال تک وہ ناظم آئرستان ایرل کلدیر ہی سے نجات نہ پا سکا۔ یہ شخص طرح طرح کی دغابازیوں کے باوجود اتنا طاقتور تھا کہ اُسے عہدے سے ہٹانا غیر ممکن تھا اور لوگ کہا کرتے تھے کہ تمام آئرستان بھی اسے قابو میں نہیں لاسکتا۔ نتیجہ یہ کہ بقول ہینری کے "وہ تمام آئرستان کو قابو میں رکھتا تھا"۔ بالآخر ۱۴۹۴ء میں بادشاہ میں اتنی قوت آگئی کہ اپنے معتمد علیہ سر ایڈورڈ پوئی ننگز کو ناظم آئرستان مقرر کرے جو زمانۂ جلاوطنی میں اس کا رفیق تھا۔ پوئی ننگز نے کلدیر کو گرفتار کیا اور ڈروگ ہڈا میں پارلیمنٹ منعقد کی جس میں بہت سے یادگار قوانین مرتب ہوئے جو پوئی ننگز کے نام سے منسوب ہیں۔ ان کا مختلف مسائل سے تعلق تھا مگر تین سب سے اہم قانون یہ تھے:۔ (۱) آئرستان میں کوئی پارلیمنٹ شاہ انگلستان اور اس کی مجلس شوریٰ کی رضامندی کے بغیر منعقد نہ کی جائے۔ (۲) جب تک انگریزی مجلس مسودۂ قانون کو منظور نہ کرے، وہ آئرستان کی پارلیمنٹ میں پیش نہ ہو۔ اور (۳) انگلستان کی پارلیمنٹ نے جو قوانین زمانۂ قریب میں منظور رکھے ہیں وہ سب آئرستان میں بھی واجب العمل ہوں گے۔

اس قانون سازی کا مطلب یہ تھا کہ آئرستان میں گویا از سر نو حکومت شروع کی جائے مگر ان کا منشا بڑے بڑے انگریز آباد کاروں کو قابو میں لانا تھا۔ آئرستان کے اصلی باشندوں پر ان کا بمشکل کوئی اثر پڑا۔ ان سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ نیابتی حکومت جیسی ہونی چاہیئے، اس سے کس قدر دُور تھی اگرچہ خود انگلستان کی پارلیمنٹ بھی

آئرستانی پارلیمنٹ سے کچھ زیادہ بہتر حالت میں نہ تھی اور ہینری ہفتم کے زمانے میں یہاں بھی کسی نئے قانون کی تحریک کرنا بادشاہ اور اس کی مجلس ہی کے اختیار میں تھا۔

فرہبی مدعیوں سے ہینری کو بڑی زحمت اٹھانی پڑی۔ لیکن اس خلفشار میں بھی وہ اپنے نصب العین یعنی شاہی اقتدار کو مضبوط کرنے کی برابر کوشش کرتا رہا۔ اس کام میں اُس کا دست راست جان مورٹن تھا۔ یہ شخص پہلے ایلی کا اُسقف اور وقائع دار رہا پھر بورشئے کے مرنے پر صدر اسقف کینٹربری کے عہدے پر سرفراز کیا گیا۔ وہ بہت قابل، تجربہ کار اور اپنے زمانے کے پادری عہدہ داروں کا نمایندہ تھا اور دل وجان سے بادشاہ کی خدمت انجام دینے میں شغف رکھتا تھا۔ اپنی وفات واقعہ ۱۵۰۰ء تک اس کو ہم بادشاہ کا سب سے ممتاز وزیر اور آئینی معاملات میں سب سے معتمد علیہ مشیر کہہ سکتے ہیں۔ ہینری خوب سمجھتا تھا کہ امرا کے خدم کو موقوف کرنا امن کی اصلی ضمانت ہے اور پارلیمنٹ سے وردی یا معاش دینے کو مجرمانہ قرار دلوانے کے بعد اس نے عمل کرانے کی تدبیریں سوچیں تاکہ یہ قانون سابقہ قوانین کی مثل طاق نسیاں پر دھرا نہ رہ جائے بلکہ فی الواقع ملک میں نافذ ہو۔ اس غرض سے اُس نے ایک نئی عدالت قائم کی جو عوام کے اثر سے آزاد تھی اور جس میں نہ تو جُوری کی ہمدردی ملزم کو بیجا فائدہ پہنچا سکتی تھی اور نہ دولتمند یا مقتدر امیروں کی تہدید ورشوت کا اس پر اثر پڑتا تھا۔ یہ نئی عدالت پارلیمنٹ کے قانون سے مرتب ہوی اس میں چنسیلر، وزیر خزانہ، شاہی مُہر بردار، ایک اُسقف، مجلس شاہی کا ایک رُکن اور دو میر عدل شامل ہوتے تھے اور ان کا کام اس قسم کے جرایم کی سماعت کرنا تھا جیسے جنگی خدم ومعاشداری جُوری میں اپنے آدمی بھر دینا، بلوے کا اشتعال دلانا وغیرہ جن کی تحقیقات معمولی عدالتوں میں دشوار ہوتی تھی۔ ان میں سب سے اہم جنگی خدم اور معاشداری کے مقدمات تھے کہ عہد وسطی میں ہر امیر انھی کو اپنے اقتدار ونمود کا ذریعہ سمجھتا تھا اور خدمتگاروں کی

جان مورٹن

نئی عدالت

زیادہ سے زیادہ تعداد فراہم کرتا کہ جنگ میں اس کی طرف سے لڑیں اور امن کے
زمانے میں اسی کے طرفدار ہوں اور یہ طرفداری بھی اکثر جبر و جدال کی صورت
اختیار کر لیتی تھی۔ معاشداری کی خصوصیت یہ تھی کہ بڑے بڑے لوگ اپنے
کمزور رفیقوں کی پشت پناہی کرتے، جیسے شہزادہ جان (گونٹی) نے وکلف
کی کی اور عدالت میں اپنے جنگی خدم لے کر پہنچ جاتے کہ جوری اور حاکم عدالت کو
خوفزدہ کر کے اُن سے اپنے حسبِ مراد فیصلہ حاصل کر لیتے۔ اس طریقے کی خرابیاں
ظاہر ہیں۔ بارہا ایسا ہوتا کہ معاشدار اور اُن کے ولی نعمت اس طرح بہت سا ناجائز
روپیہ حاصل کر کے اسے آپس میں تقسیم کر لیتے تھے۔ اور چونکہ یہی جنگی خدم اور
معاشداری کے طریقے پندرھویں صدی کے جاگیرداروں کے اقتدار کی اصلی بنیاد
تھے، لہذا ہینری نے تہیہ کر لیا کہ ان کا پورا استیصال کر دیا جائے۔ نئی عدالت
مقرر کرنے میں بڑی چال یہ تھی کہ یہ عدالت خاطی پر اتنا سخت جرمانہ کرتی کہ وہ پھر
ایسا جرم کرنے کے قابل ہی نہ رہتا تھا۔ اس بارے میں ہینری کے بڑے سے
بڑے دوستوں کے ساتھ بھی رعایت نہیں کی گئی۔ جس طرح اُس نے سر ولیم اسٹینلی
کا سر قلم کرا کے ثابت کر دیا تھا کہ گذشتہ خدمات آیندہ غداری کا جواز نہیں ہو سکتیں
اسی طرح اپنے پرانے سپہ سالار امیر اکسفرڈ کے معاملے میں اُس نے ایک نظیر
قائم کر دی کہ جنگی خدم کی آیندہ کسی کو اجازت نہیں مل سکتی۔ ایک دن ہینری اِس
امیر کے مکان پر آیا اور واپس جاتے وقت شرفا اور سپاہیوں کی
دو قطاروں سے گزرا جو امیر اکسفرڈ کی وردی پہنے ہوئے

امیر اکسفرڈ

تھے۔ بادشاہ نے دریافت کیا کہ کیا یہ تمھارے نوکر ہیں؟ اکسفرڈ نے جواب دیا
"نہیں، میرے پاس اتنی دولت کہاں۔ البتہ یہ میرے جلو کے لوگ ہیں جو آپ کے
اعزاز میں جمع ہوئے ہیں۔" بادشاہ نے کہا "اس مہمان نوازی کا شکریہ۔ لیکن میں اپنے
سامنے اپنے قوانین کی خلاف ورزی گوارا نہیں کر سکتا۔" چنانچہ اکسفرڈ نئی عدالت
کے روبرو طلب کیا گیا اور اس پر پندرہ ہزار اشرفی جرمانہ ہوا جسے ہمارے زمانے کے
ڈیڑھ لاکھ پونڈ کے برابر سمجھنا چاہیے۔ یہ نظیر بے اثر نہ رہ سکتی تھی اور تھوڑے ہی
دن میں شکایتیں سُنی جانے لگیں کہ خدم کے لوگ جو اپنی خدمت سے الگ ہوئے

چوری اور ڈکیتی کرنے لگے ہیں۔

مجلس خاص ہرچند یہ عدالت جو اسی قسم کے جرائم کے واسطے مرتب ہوئی تھی مگر حقیقت میں یہ مجلس خاص کے تعزیری اختیارات کی ایک تجدید تھی۔ ہنری ثالث کے زمانے سے مجلس کے عدالتی فرائض خاص عدالتیں انجام دینے لگی تھیں اور خود وہ محض مشیروں کی جماعت رہ گئی تھی۔ اگرچہ کمزور بادشاہوں کے وقت میں پارلیمنٹ اسی جماعت کو شاہی اختیارات کی روک تھام کا کام سپرد کردیتی تھی لیکن طاقتور بادشاہوں کے عہد میں اس کا نام بھی بہ مشکل سننے میں آتا تھا۔ مگر ہنری چہارم اور لینکاسٹری خاندان کے بادشاہوں کے وقت میں مجلس خاص مستقل رتبہ اختیار کرنے لگی اور اس سے مشورے کے علاوہ عاملانہ خدمات بھی لی جانے لگیں۔ ہنری ششم کی خرد سالی میں اس کی قدر و منزلت سُرعت سے بڑھی اور "بادشاہ اور مجلس خاص" کے جملے نے رفتہ رفتہ دلنشیں کرادیا کہ یہ جماعت بادشاہی اختیارات میں ایک حد تک شریک وسہیم ہے۔ ایڈورڈ چہارم نے دارالعوام کے ارکان شامل کرکے اس کی نیابتی حیثیت کو اور ترقی دی اور خواہ اسے محض پارلیمنٹ کی کمزوری سمجھا جائے۔ یا عمداً کوشش کا نتیجہ ملوک ٹیوڈر نے اسے حکمرانی کا خاص آلہ بنالیا۔

پارلیمنٹ کی کمزوری پارلیمنٹ کی جس کمزوری کا اوپر اشارہ کیا گیا۔ یہ ایڈورڈ چہارم ہنری ہفتم اور اوائل عہد ہنری ہشتم کی نمایاں خصوصیت ہے۔ اس کے اسباب مختلف تھے۔ جن میں سب سے بڑا سبب اُمرا کے انحطاط کو سمجھنا چاہیے۔ کیونکہ بادشاہ کے کسی مقرب یا نامقبول محکم کی مخالفت اسی وقت کارگر ہوسکتی تھی جب کہ دارالعوام کو امیروں کی فوجی اعانت میسر آئے۔ دوسرے، آبادی کے جن طبقات پر پارلیمنٹ مشتمل ہوتی، ان کی رائے کے مطابق ملوکِ ٹیوڈر از خود چلتے رہے اور اس نے بھی پارلیمنٹ کی قوت کو کمزور کیا۔ بہرحال، ایڈورڈ چہارم اور ہنری ہفتم کے عہد میں پارلیمنٹ زیادہ تر یہی کرتی رہی کہ بادشاہ اور مجلس خاص جن تجاویز کو مرتب کرتے اُن کو چپ چاپ منظور کرلیتی اور روپے کی منظوریاں دے دیتی تھی۔

ہینری ہفتم کی ہدایت سے جو اہم قوانین منظور ہوئے، انھی میں ایک کا منشا یہ تھا کہ ایسے عہدہ دار جو کسی مشتبہ حق کے بادشاہ کے وقت میں برسرِ خدمت رہے ہوں، اُن کے حقوقِ خدمت محفوظ ہوجائیں۔ یہ قانون ۱۴۹۵ء میں منظور ہوا اور اس کا مفاد یہ تھا کہ "ملک کے کسی بادشاہ اور فرماں روائے وقت کے تحت میں جو شخص وفاداری اور سچائی سے خدمت انجام دے گا، وہ کسی قانون یا پارلیمنٹ کے حکم سے غدّاری کا مرتکب قرار نہ پائے گا اور نہ اس کے مال کی ضبطی یا اور کوئی سزا دی جائے گی۔ اور اس کے خلاف جو کوئی قانون یا ضابطہ مرتب ہو، وہ باطل و بے اثر ہوگا"۔ اس طرح فرماں روائے اصلی اور فرماں روائے وقتی میں ایک امتیاز قائم ہوا مگر اسی کے ساتھ جو لوگ یارک کی خاندان کے واسطے محض اس بنا پر سازشیں کرنے پر آمادہ ہوتے تھے کہ کہیں آئندہ مستوجب سزا نہ قرار دے دیئے جائیں، ان کے دلوں سے یہ خوف زائل ہوگیا۔

ایک اور اہم قانون جرمانوں کا آئین تھا جو رچرڈ ثالث کے ایک حکم کی تقلید میں نافذ ہوا۔ اس کا مقدّم مقصد یہ تھا کہ جاگیروں کی ملکیت کی سہل راہ نکل آئے۔ گذشتہ جنگ کی گڑبڑ میں متعدد قضئے پیدا ہوگئے اور بہت سی ضبطیاں عمل میں آئیں۔ اسی کو پیش نظر رکھکر یہ قانون وضع کیا گیا کہ کسی زمین کے مقدمے میں سرکاری عدالت میں جُرمانے کا اعلان کردیا جائے تو پھر خاص خاص صورتوں کے سوا پانچ سال بعد زمین پر کسی قسم کا دعویٰ نہ کیا جاسکے گا۔ اس قانون کے بالواسطہ نتائج ظاہری مقاصد سے کہیں زیادہ وسیع تھے کیونکہ وکیلوں کو اس میں موقوفہ جائیدادوں کی تنسیخ کے عجیب عجیب پہلو نظر آئے اور بہت سے قدیم زمیندار جو اسراف یا جنگ کی وجہ سے مفلس رہ گئے تھے، انھیں زمینوں کے بیچنے کا موقع مل گیا چنانچہ بہت سی موقوفہ جائدادیں منڈی میں آئیں اور شہروں کے دولت مند سوداگروں نے انھیں خریدنا شروع کیا جو پہلے ممکن نہ تھا۔

ہینری ہفتم کے زمانے میں پارلیمنٹ نے براہ راست زیادہ محصول عائد نہیں کئے اور یہ بادشاہ خوب جانتا تھا کہ ایسے محاصل کس قدر نامقبول ہوتے ہیں۔ نکارنول کی شورش کا اوپر ذکر آچکا ہے۔ یارک شہر میں بمقام ٹوپ کلف محاصل کی

وصولی ہی کے سلسلے میں سخت بلوہ ہو گیا۔ اور اسی طرح مواضع پرسی میں ہنگامہ ہوا اور اسی میں ایرنار تھمبر لینڈ کو خود اس کے کاشتکاروں نے قتل کر دیا جو بریٹانی کی مہم کے لئے مالیت کا مزید ایک عشر اور اثاث البیت کا ایک سدس دینا نہ چاہتے تھے۔ نظر بر این حالات ہینری نے خزانہ بھرنے کے لئے بالواسطہ محاصل پر حصر کیا۔ انھی میں نذرانوں کی وصولیابی تھی۔ پہلی دفعہ ایسے نذرانے ۱۴۹۱ء میں وصول کئے گئے اور عمائد کی ایک بڑی مجلس نے اسے منظور کیا۔ اس قسم کی مجلسیں ہینری کو بہت پسند تھیں اور وہ پارلیمنٹ کی بجائے کام دیتی تھیں پادری مورٹن نے محصلوں کے نام جو ہدایات تحریر کیں ان میں لکھا کہ "اگر وہ پس انداز کرنے والوں سے ملیں تو کہیں کہ تمھیں نذرانہ دینا چاہئے کیونکہ تمھارے پاس جمع ہے اور اگر مسرفوں سے ملاقی ہوں تو کہیں تمھاری وضع قطع سے ظاہر ہے کہ خوب خرچ کرتے ہو، پھر نذرانہ دینے میں کیا عذر ہے" کہا جاتا ہے کہ اسی چالاکی کی بدولت یہ طریق تحصیل "مورٹن کی جھاڑو" (Morton's Fork) مشہور ہو گیا تھا۔ بعد میں پارلیمنٹ نے بھی اس کی منظوری دی اور لوگوں کو حکماً باقیات ادا کرنی پڑیں۔

ان وصولیابیوں نے بھی ہینری کو اتنا غیر ہر دلعزیز نہیں بنایا جتنا اس زر کشی نے جس کے بانی سر رچرڈ امپسن اور سر ایڈمنڈ ڈڈلی سمجھے جاتے تھے۔ یہ مالگزاری کے عہدہ دار قدیم جاگیرداری رسوم و قواعد کو ڈھونڈ ڈھونڈ کے نکالتے جو نئے تمدن میں متروک ہو گئے یا ہوتے جاتے تھے۔ اور پھر جس شخص کی نسبت معلوم ہوتا کہ عمداً یا سہواً کسی شاہی قاعدے کی خلاف ورزی کا مرتکب ہوا ہے اسے عدالت میں بلا کے سخت ترین جرمانہ کر دیتے تھے۔ قانون کے اس بیجا اور جابرانہ استعمال کی بدولت لوگ ایسے ناراض ہوئے اور ان دونوں امیروں کی وہ بدنامی ہوئی کہ آج تک بادشاہ کے فائدے کے لئے جو قانون میں کھینچ تان کرتے ہیں وہ بطور ضرب المثل انھی ناموں سے پکارے جاتے ہیں۔ لیکن لوگوں کی شکوہ شکایت کے باوجود ہینری روپیہ جمع کرتا رہا۔ اپنی ذات پر اس نے زیادہ خرچ نہیں کیا اور مرا تو بہت کچھ مال متاع چھوڑ گیا جن میں سب سے زیادہ قیمتی زیورات تھے اور ان کی قیمت کا زمانہ حال کے حساب سے ایک کرور اسی لاکھ پونڈ تخمینہ کیا گیا ہے۔

معاملات خارجہ

اب ہم کو معاملات خارجہ کی طرف متوجہ ہونا چاہیئے۔ ہینری کو خوشی سے نہیں بلکہ ضرورۃً ممالک یورپ کی سیاسیات میں اپنے اسلاف سے کہیں زیادہ حصہ لینا مناسب نظر آیا اور اس اعتبار سے اس کا عہد انگریزی تاریخ میں ایک نئی فصل کا آغاز کرتا ہے۔ ابتدائی عہد میں ہینری کو بریتانی کی جنگ میں الجھنا پڑا۔ یہ فرانس کی وہ ریاست تھی جو سب سے آخر میں بادشاہ فرانس کا مقبوضہ بنی۔ سنہ ۱۴۹۰ء میں جب یہاں کا والی مرا تو اس کی وارث ایک یازدہ سالہ لڑکی این ہوی۔ انگریزوں کو بریتانی کا فرانس میں ضم ہونا، اور اس کی بندرگاہوں اور ملاحوں کا شاہ فرانس کے تحت میں آنا کسی طرح پسند نہ آسکتا تھا۔ خود ہینری متوفی والی بریتانی کا بہت کچھ زیر بار احسان تھا اور اُس نے خردسال والیہ کی حمایت کا بیڑا اٹھایا تو اپنی رعایا کی تائید بھی اُسے حاصل تھی۔ اس حمایت میں اسے فرڈی نینڈ (شاہِ اراگون) اور میکسی می لین (شاہ آسٹریا) سے بھی مدد ملنے کی امید تھی کیونکہ میکسی می لیں سے شہزادی این کی شادی کرنے کا خیال تھا۔ لیکن فرڈی نینڈ کو اپنے جھگڑوں سے فرصت نہ ملی اور میکسی می لین کے پاس کافی دولت نہ تھی کہ وطن سے اتنی دُور کوئی مدد بھیج سکتا۔ پس ہینری نے جو تھوڑی بہت فوج روانہ کی وہ مستقل طور پر بریتانی کو فرانس کے ہاتھ سے نہ بچا سکتی تھی تا وقتیکہ اتنی زیادہ قربانیاں نہ کی جائیں جن کے لئے ہینری یا اس کی رعایا تیار نہ تھی نتیجہ یہ ہوا کہ فرانسیسیوں نے بریتانی پر حملہ کیا اور این نوجوان شاہِ فرانس چارلس ہشتم سے شادی پر رضامند ہوگئی جس کے بعد سے بریتانی کا علاقہ سلطنتِ فرانس کا جزو بن گیا۔

اس معاملے میں ہینری جس طرح بیوقوف بنا، اُس نے فرانس کے ساتھ جنگ کی نوبت پہنچادی۔ اور فرڈی نینڈ و میکسی می لین سے اتحاد کا عہد نامہ کر کے وہ سنہ ۱۴۹۱ء کے موسم خزاں میں انگریزی فوج لے کر آیا اور بولون کا محاصرہ کر لیا۔ اس مہم کا انجام بھی وہی ہوا جیسا سنہ ۱۴۷۵ء کی مہم کا ہوا تھا۔ چارلس کو اپنے باپ کی طرح بڑی فکر یہ تھی کہ انگریزوں سے لڑے بھڑے بغیر مخلصی حاصل کی جائے چنانچہ فوراً نامہ و پیام کر کے بذریعہ معاہدہ ایتاپل وہ بریتانی میں انگریزی امدادی فوج پر جو خرچ ہوا تھا، اُسے ادا کرنے پر آمادہ ہوگیا اور پکینی کے معاہدے کی رو سے جو سالانہ رقم انگریزوں کو

ملنی چاہیئے تھی، اس کی دو سال باقیات بھی بھر دیں یہ کل رقم کم سے کم تیس اور زیادہ سے زیادہ چھیالیس لاکھ پونڈ (رائج الوقت) ہوتی تھی۔ اور قرار پایا کہ ڈیڑھ لاکھ پونڈ سالانہ کی اقساط میں ادا کی جائے۔ یہ صلح بے شبہ دونوں ملکوں کے حق میں بہتر تھی لیکن بہت سے انگریز اُمرا اور شرفا نے اس کی تیاری میں اپنے آپ کو تقریباً تباہ کر لیا تھا لہذا انگلستان میں لوگوں نے اسے سخت ناپسند کیا۔

ہینری کا دوسرا اتحاد ممالک یورپ کی ایک وسیع پیچیدگی کا نتیجہ تھا۔ واضح رہے کہ اقطاع فرانس کی وحدت کا سنگ بنیاد لوی یازدہم نے رکھا اور بریتانی کے الحاق نے اس عمارت کی تکمیل کر دی۔ اسی کے ساتھ فرانس کی تاریخ کا نیا دور شروع ہوا۔ اس سے پہلے شاہانِ فرانس عموماً اپنے مُلک ہی کے معاملات میں منہمک رہتے تھے۔ اب انھیں حدودِ فرانس کے باہر ہمّت آزمائی کا موقع میسر آیا اور اہل فرانس کی وہ قوتیں جو اب تک خانہ جنگی یا انگریزوں سے لڑنے جھگڑنے میں خرچ ہوتی تھیں، دوسرے ملکوں میں اپنے کرشمے دکھانے کے لئے بیتاب نظر آنے لگیں۔ چارلس ہشتم کو اس اشتیاق سے کام لینے کا موقع یہ ملا کہ آخری امیر آنژو کی وراثت کی بنا پر اس نے نیپلز و صقلیہ کی حکومت کا دعوٰی تازہ کیا۔ اس کی تکمیل کے لئے ایک طرف تو میلان کے صغیر سن والی کا چچا اور ولی سفورزا شاہ فرانس کا حلیف بن گیا اور اور دوسری طرف اہل جنوا و فلورنس، نیز پاپا نے چارلس ہشتم کی تائید کی۔ چنانچہ ۱۴۹۴ء میں وہ فوج لے کر اطالیہ میں داخل ہوا اور معمولی یا بالکل بغیر کسی مزاحمت کے، ریاستِ نیپلز پر قابض ہو گیا۔ لیکن اس کے وہاں آجمنے سے بہت جلد اطالیہ والوں میں قومی جذبات مشتعل ہوئے اور اہل وینس کی سرگروہی ایک جتھا تیار کیا گیا کہ چارلس کو جاتے وقت راستے میں روکا جائے۔ لیکن چارلس کے سپاہی اطالیہ والوں سے کہیں بہتر لڑنے والے تھے انھوں نے جتھے کی فوج کو فورنوو کے مقام پر مار بھگایا اور سلامت فرانس پہنچ گئے۔ اطالوی حلیفوں کی تدبیر ناکام رہی، مگر فرانس کی اس فوج کشی نے یورپ کی دوسری طاقتوں میں بڑی پریشانی پھیلا دی۔ خصوصاً میکسی می لین کے دربار میں جو بہ حیثیت شہنشاہ خود کو اطالیہ کا فرماں روا سمجھتا تھا۔ نیز ازابلا اور فرڈی نینڈ کے

دربار میں جنھوں نے ۱۴۹۲ء میں عربوں سے غرناطہ خالی کرایا اور اب یورپ کے معاملات میں پہلے سے زیادہ حصہ لینے پر آمادہ تھے نتیجہ یہ ہوا کہ فرانس کو قابو میں رکھنے کی غرض سے ممالک یورپ کی ایک بڑی جمعیت بندی کا منصوبہ بنایا گیا جس کا منشا یہ بیان کیا گیا تھا کہ "وہ باہم ہر ریاست یا ملک کی حفاظت کریں گی تاکہ کوئی قوی تر طاقت، کمزور کو نہ ستائے اور ہر ملک اپنے جائز مقبوضات پر قابض رہے۔" فرانسیسیوں کے اطالیہ میں وست درازی کو روکنے کی ایک نہایت کارگر صورت یہ تھی کہ انگریز پھر فرانس پر حملہ شروع کریں، لہذا شاہ انگلستان کی اعانت و شرکت کو خاص وقعت حاصل ہو گئی تھی۔

اتحاد دریائے یورپ

لیکن ہنری صفت میں مدد دینے پر آمادہ نہ تھا اور چونکہ میکسی می لین کچھ مدت سے پرکن کی پشت پناہی کر رہا تھا اس واسطے جب تک اس کا سدِ باب نہ ہو جائے وہ اتحاد میں شرکت پر مطلق تیار نہ ہوا۔ فردی نینڈ اور ازابلا شاہ انگلستان کی مدد کو بہت ضروری سمجھتے تھے اور انھوں نے میکسی می لین پر دباؤ ڈال کر پرکن کو نکلوا دیا۔ ہنری کے بیٹے آرتھر کی ازابلا و فرڈی نینڈ کی تیسری بیٹی کیتھرائن سے شادی کے متعلق بھی نامہ و پیام شروع ہوئے۔ تب ہنری جتھے میں داخل ہوا اور تحکم آمیز لہجے میں چارلس کو خط لکھا کہ ممالک یورپ کے امن میں خلل نہ ڈالے۔ اب فرانس اکیلا رہ گیا تھا اور چارلس نے بھی ۱۴۹۸ء میں وفات پائی لیکن چونکہ اس کا جانشین لوئی دوازدہم، نیپلز کی وراثت کے علاوہ خود اپنا دعوی میلان کی ریاست پر رکھتا تھا، لہذا فرانس کے خلاف ایک بڑے جتھے کی ضرورت علی حالہ باقی رہی۔

جتھے کو زیادہ مضبوط و پائیدار بنانے کی غرض سے باہم کئی رشتے اور پیوند کئے گئے۔ آسٹریہ کے میکسی می لین کی شادی پہلے ہی چارلس (دلیر) کی وارثہ میری دریئیسہ برگنڈی) سے ہو چکی تھی اور ندرلینڈز کے علاقے شاہان آسٹریا کی عملداری میں آگئے تھے۔ ازابلا اور فرڈی نینڈ نے پرتگال، و نوار کے سوا، تمام اقطاع ہسپانیہ کو ایک ملک و سلطنت میں ضم کر دیا ۱۴۹۶ء میں ان کی دوسری بیٹی جوآنا جو آگے چل کے اپنے والدین کے ملک کی

وارث ہوئی، میکسی می لین کے اکلوتے بیٹے فلپ (حسین) کو بیاہی اور اسی سے (۱۵۰۰ء میں) یورپ کا مشہور تاجدار چارلس پنجم[1] پیدا ہوا جو ماں کی طرف سے ہسپانیہ کا وارث تھا۔ ۱۵۰۱ء میں جوآنا کی بہن سے ہینری کے پانزدہ سالہ فرزند آرتھر کی شادی ہوئی لیکن وہ اگلے ہی سال اپریل میں فوت ہوگیا اور ہینری نے فوراً اس کے چھوٹے بھائی ہینری سے جو ۱۴۹۱ء کی پیدائش تھا، شادی کے نامہ وپیام شروع کئے اور اسپین کی خرد سال بیوہ شہزادی، شاہ انگلستان ہی کی زیر تربیت رہی؛ یورپ کا ایک ملک یعنی اسکاٹ لینڈ ابھی تک فرانس کا حلیف تھا لیکن فرڈی نینڈ اور ہینری دونوں نے پوری کوشش کی کہ اُسے اپنے پشتینی اتحاد سے جدا کردیں۔ اور ہینری کی بڑی لڑکی مارگریٹ کا شاہِ اسکاٹ لینڈ جیمس چہارم سے عقد ہوا تو عام طور پر یہ سمجھا گیا کہ مذکورہ بالا مقصد میں کامیابی ہوگئی؛

ہینری کی وفات

ہینری کی ملکہ کا ۱۵۰۳ء میں انتقال ہوا اور مختلف تجویزیں کی گئیں کہ یورپ کے اتحادِ کبیر کو تقویت پہنچانے کی غرض سے اُس کی دوسری شادی کسی شاہی خاندان میں کی جائے لیکن کوئی خیال حیز عمل میں نہ آیا اور ۱۵۰۹ء میں خود ہینری نے ملک بقا کی راہ لی اور اپنے ملک کو امن وخوشحالی کے علاوہ ممالکِ یورپ میں ایک ایسے رتبے پر چھوڑ گیا کہ ہینری پنجم کے بعد کبھی اُسے حاصل نہ ہوا تھا۔

اطالیہ کی نشاۃ الثانیہ

ہینری ہفتم کا عہد حکومت مختلف اعتبار سے تاریخ انگلستان میں

۱۔ چارلس کا مختصر شجرہ یہ ہے:۔

فرڈی نینڈ (شاہِ اراگون) + ازابلا (رئیسۂ کاسٹیل)

کیتھرائن (زوجۂ آرتھر و ہینری ہشتم)

جوآنا (زوجۂ فلپ)

میکسی می لین ہیری

فلپ (حسین)

(زوجِ جوآنا ہسپانوی)

چارلس پنجم

(وارث آسٹریہ، نذرلینڈز، ارگون وکاسٹیل)

ایک عہد فاصل کی حیثیت رکھتا ہے اور اُسے پرانے دَور کا خاتمہ چاہیں تو نئے دَور کا سرِ آغاز کہہ سکتے ہیں ۔ اس کا ایک سبب تو وہ مُلکی اصلاحات ہیں جن کی بدولت ہینری نے انگلستان کو امرا کے غَدَر سے نجات دلائی اور امن و قانون کا بلند تر معیار قائم کر کے تمدّن کی بڑی بھاری خدمت انجام دی اور دوسرا سبب وہ عام اور خارجی اثرات ہیں جن سے کم و بیش تمام متمدن (مغربی) دنیا، متاثر ہوئی ۔ یہ تحریکِ عظیم جو کبھی نشاۃ الثانیہ یعنی "نئے جنم" کے نام سے یاد کی جاتی ہے اور کبھی بہ تخصیص احیائے علم کے نام سے، اتنی پیچیدہ اور کثیر الفروع تھی کہ یہاں صرف اس کے اہم واقعات پر ایک اجمالی نظر ڈالی جا سکتی ہے ۔ اس کا مَولد ملک اطالیہ ہے جہاں مختلف اسباب سے یورپ کے دوسرے ممالک کی نسبت تہذیب و تمدن کا معیار بلند تر ہو سکا تھا ۔ نقّاشی اور بُت تراشی پر پہلے ہی بہت کچھ توجہ کی گئی تھی ۱۴۵۳ء میں ترکوں نے قسطنطنیہ کو تسخیر کیا تو یونانی زبان کے بہت سے علما یورپ میں منتشر ہو گئے اور عہد قدیم کے ہزاروں بیش بہا مخطوطات جو اب تک بای زنطی خانقاہوں میں پڑے سڑ رہے تھے اور پڑھنے والا نہ ملتا تھا، وہ طلبہ کے ہاتھوں تک پہنچ گئے اور ادبیات عالیہ کے درس و تدریس کا عام رواج ہو گیا ۔ خصوصاً اطالیہ کے اہل علم اِن نو یافت علوم کے ایسے گرویدہ ہوئے کہ افلاطون و ارسطو کے خیالات کی نئے معتقدوں میں قریب قریب پرستش ہونے لگی ۔

اطالیہ سے یہ تحریک دوسرے ملکوں میں پھیلی ٹپ ٹوفٹ (امیر ورسٹر) لاطینی کا یہ جوش عالم تھا ۔ ۱۴۹۲ء میں گرو ؤکیں اور کچھ دن بعد لی نیکر اکسفرڈ میں یونانی زبان کی تعلیم دیتے تھے ۔ ۱۴۹۶ء میں جان کولیٹ (جو آگے چل کے سینٹ پال میں صدرِ صومعہ مقرر ہوا) یونانی توراۃ کا اکسفرڈ میں درس دیتا تھا اور آئندہ بھی جدید خیالات کی تعلیم و ترویج میں اپنا اثر صرف کرتا رہا ۔ ارازمس کا بھی انگلستان میں کچھ کم اثر نہیں پڑا ۔ یہ فلیمنگی عالم ۱۴۹۸ء میں انگلستان آیا وہاں کے تمام اہل علم سے دوستی پیدا کی اور اپنی ظرافت اور چبھتے ہوئے مطائبات سے اہل انگلستان کے خیالات پر بہت کچھ اثر ڈالا ۔ نقّاشی بھی آہستہ آہستہ شمال تک آ گئی اور نئے طور طریق کو انگریزوں میں ہولبین نے روشناس کیا جو ۱۵۲۶ء کے

کچھ سال بعد انگلستان میں آبسا تھا۔

مگر علوم وفنون لطیفہ اس تحریک کا صرف ایک پہلو تھے۔ جغرافی اکتشافات میں حیرت انگیز ترقیاں ہوئیں۔ پندرھویں صدی کے آغاز ہی میں انگلستان کے ہینری چہارم کے بھانجے ہینری (الجہازی) نے پرتگیزوں کو افریقہ کے مغربی سواحل کی دیکھ بھال اور تجارت کے نئے ذرائع تلاش کرنے کے فوائد سمجھائے تھے۔ قسطنطنیہ پر ترکوں کا قبضہ ہوا تو ممالک ترکی اور ایشیا کے درمیان تجارت کے راستے بھی (یورپ والوں کے لئے) بند ہوگئے اور یورپی سوداگروں کو ہندوستان کا کوئی اور راستہ نکالنے کی فکر ہوئی۔ اسی تگ ودو اور قسمت آزمائی کی بدولت ۱۴۹۲ء میں نئی دنیا کا سراغ ملا اور پرتگیزوں کو مزید سعی وکوشش کا حوصلہ ہوا چنانچہ ۱۴۹۷ء میں واسکوڈی گاما، راس امید کا چکّر کھا کے کالی کٹ کی بندرگاہ تک پہنچ گیا۔ اس کوشش میں انگلستان کچھ پیچھے نہ تھا۔ ہینری ہفتم نے تخت نشینی کے پہلے ہی سال برسٹل کے سوداگروں کو اپنی اعانت اور ہمدردی کا یقین دلایا تھا۔ ۱۴۹۷ء میں وہاں کے حوصلہ مند سوداگروں نے خود اپنا جہاز اور انگریز ملّاح مہیا کرکے اُسے نئی زمینیں اور راستے دریافت کرنے کی غرض سے روانہ کیا اس کا ناخدا جان کیبوٹ (باشندۂ وینس) اور اس کا بیٹا سباسٹین تھے۔ یہ پہلا یورپی جہاز تھا جو شمالی امریکہ کے اصل برّ اعظم تک پہنچا۔

ان اکتشافات نے جہاں لوگوں کے جغرافی علم میں تغیّر پیدا کیا، وہیں مختلف قوموں کی سیاسی اہمیت میں بھی بہت کچھ اضافی فرق ہوگیا۔ پہلے تمدن اور تجارت کی سرگرمیوں میں وہ قومیں پیش پیش تھیں جن کی رسائی بحر رُوم تک تھی لیکن اب کھُلے سمندروں کی طرف لوگ متوجّہ ہوگئے اور قادِص، لزبن، بورڈو، برسٹل، لندن اور اینٹ ورپ کی بندرگاہیں دُنیا کی تجارتی گہما گہمی کا قدرتی مرکز بن گئیں۔

نئی ایجادیں ان دریافتوں کے پہلو بہ پہلو، چھاپے اور بارود کی دو عظیم الشان ایجادیں قابل ذکر ہیں۔ طباعت یا ڈھلے ہوئے حروف سے چھاپنے کا فن گوٹن برگ کی ۱۴۵۴ء کی ایجاد بتایا جاتا ہے۔

علم کی روز افزوں تشنگی نے کتابوں کی مانگ بڑھا دی تھی اور اسی بنا پر یہ خواہش پیدا ہوئی کہ ہاتھ کی بنسبت جلد تر کتابوں کے نقل کرنے کی کوئی صورت نکالی جائے اسی کا نتیجہ جدید فنِ طباعت تھا جس کے وجود میں آنے سے خود علم کی اشاعت کو حیرت انگیز تحریک پہنچی۔ انگلستان طباعت کو ولیم کیکسٹن نے ۱۴۷۱ء میں روشناس کیا اور سب سے پہلی کتاب جو ۱۴۷۴ء میں چھپکر نکلی وہ "شطرنج بازی" پر تھی۔ توپ خانے میں باروت کا استعمال جنگ کریسی کے وقت سے شروع ہو گیا تھا لیکن اس کے رواج میں دیر لگی کیونکہ برّاعظم کی دستی اور انگلستان کی بڑی کمان اتنی کارگر، اور آلات قلعہ شکن اس قدر تباہ کُن تھے کہ نئی توپوں اور دستی بندوقوں کو اُن پر بازی لے جانے میں کافی مدت درکار ہوئی۔ البتہ جب یہ آتشیں اسلحہ بھی اسی قدر کارگر بننے لگے تو پرانے ہتھیار بہت جلد متروک ہو گئے کہ ان کی مشق و ممارست میں بڑی دیر لگتی تھی۔ دوسرے توپوں کو لانا لے جانا اتنا دشوار نہ تھا جتنا بڑی منجنیقوں، دبابوں وغیرہ کو۔ مگر یاد رکھنے کے قابل بات یہ ہے کہ نئے آلات کا فن جنگ پر اتنا اثر نہ پڑا ہوگا جتنا عام تمدن پر۔ اس لئے کہ ان آتشیں اسلحہ نے پرانے زرہ بکتر کو بیکار کر دیا اور ساتھ ہی زرہ پوش تلواریوں کی وہ جماعت قصۂ ماضی ہو گئی جو ہر جگہ ممتاز نظر آتی تھی اور زرہ بکتر کا رواج اُٹھ گیا جس نے جنگ وجدال کو دولتمندوں کے حق میں خاصی بے ضرر تفریح کا سامان بنا رکھا تھا۔ اب دولتمند اور عام سپاہی دونوں کے لئے لڑائی یکساں خطرناک تھی۔ علاوہ ازیں باروت کے رواج نے نئی دنیا کی فتح میں بڑا کام دیا اور اگر اس کی وجہ سے یورپ والے جیت میں نہ ہوتے تو کورٹیز اور پزارو کے کارنامے ممکن نہ تھے اور نہ مٹھی بھر فرنگی جو سمندر پار جا سکے تھے، وسیع ملک کے ملک اس قدر جلد فتح کر سکتے تھے جن میں نیم متمدن لیکن بہادر باشندے آباد تھے۔

مختصر یہ کہ امریکہ کی اور ہندوستان کے بحری راستے کی دریافت، ترکوں کی تسخیر قسطنطنیہ، علوم کا احیا اور طباعت و باروت کی ایجاد وہ عظیم الشان واقعات ہیں جن سے ازمنہ وسطیٰ کا دور ختم ہوا اور یورپ کے دور جدید کی ابتدا ہوئی اور جن کے اثرات ہنری ہفتم کے زمانے میں ظاہر ہونے لگے تھے۔

مشہور واقعات

معرکہ اسٹوک	۱۴۸۷ء
پرکن کا پہلا خروج	۱۴۹۲ء
غرب الہند کی دریافت	۱۴۹۴ء
چارلس ہشتم کی اطالیہ پر فوج کشی	۱۴۹۴ء
کیبوٹ کا براعظم امریکہ کو معلوم کرنا	۱۴۹۷ء
واسکوڈی گاما کا کالی کٹ پہنچنا	۱۴۹۷ء
پرکن کی گرفتاری	۱۴۹۸ء
شہزادہ آرتھر کی وفات	۱۵۰۲ء

باب دوم

ہنری ہشتم سنہ ۱۵۰۹ء تا سنہ ۱۵۴۷ء

ولادت سنہ ۱۴۹۱ء۔ ازدواج با کیتھرائن سنہ ۱۵۰۹ء مطلقہ سنہ ۱۵۳۳ء
این بولین سنہ ۱۵۳۲ء مقتولہ سنہ ۱۵۳۶ء
جین سیمور سنہ ۱۵۳۶ء متوفیہ سنہ ۱۵۳۷ء
این کلیوز سنہ ۱۵۳۷ء مطلقہ سنہ ۱۵۴۰ء
کیتھرائن ہاورڈ سنہ ۱۵۴۰ء مقتولہ سنہ ۱۵۴۲ء
کیتھرائن پار سنہ ۱۵۴۳ء

معاصرین: اسکاٹ لینڈ .... جیمس چہارم و پنجم۔ میری۔
فرانس .... لوئی دوازدہم۔ فرانسس اول
ہسپانیہ .... چارلس اول
شہنشاہ .... میکسی می لین۔ چارلس پنجم
پاپا .... جولیس (ثانی)۔ لیو (دہم)
کلیمینٹ (ہفتم)

ہینری ہفتم کی وفات سے اس کا ہیجدہ سالہ بیٹا ہینری تخت و تاج کا وارث ہوگیا۔ وہ صورت میں اپنے باپ سے بشکل کوئی مشابہت رکھتا تھا۔ گویا اس کی ساخت یار کی قالب میں ہوئی تھی اور وہ باپ کے برخلاف بلند قامت، مضبوط دُہرے جسم کا آدمی تھا۔ بھورا رنگ، گول چہرہ اور سُرخی مائل بھورے اور گھنے بال تھے۔ مزاج ظریفانہ اور ہر قسم کے کھیل کود کا شوقین تھا جن میں اُس کی جرأت اور پھرتی ہمیشہ اُسے فائق رکھتی تھی۔ مگر ان شوقوں سے یہ سمجھنا درست نہ ہوگا کہ اُس کے بادشاہی کاروبار میں خلل پڑتا تھا۔ ابتدائے تخت نشینی سے ہینری نے ثابت کر دیا کہ وہ اپنے باپ کی طرح نہ صرف بادشاہ کہلانے بلکہ حکومت کرنے کا عزمِ مصمّم رکھتا ہے۔ سفیروں کے مراسلات براہِ راست اُس کے پاس آتے اور وہ روزانہ بہت سا کام کرنے کا وقت نکال لیتا تھا، اور اس کے اپنے لکھے ہوئے اور نیز اُس کے نام کے خطوں سے پوری طرح ثابت ہے کہ حکومت کی کسی جزئی شئے کو بھی نظر انداز کرنے کے قابل نہ سمجھتا تھا۔ باپ کی طرح وہ بہت اچھا مردم شناس تھا اور غالباً عوام کے خیالات کا اندازہ کرنے میں اس سے بھی بڑھ کر ملکہ رکھتا تھا۔ دوسرے برجستہ گوئی اور حُسنِ اخلاق نے شروع سے اُسے اتنا ہر دلعزیز بنا دیا تھا کہ معلوم ہوتا ہے بعد کے کسی فعل نے خواہ وہ کیسا ہی ظالمانہ یا خودرائی کا کیوں نہ ہو، اس ہر دلعزیزی میں کوئی نمایاں کمی نہ آنے دی۔

وزرا

مجلس خاص کے ارکان میں کوئی خاص تغیّر نہیں ہوا اور اس کے ممتاز اعضا حسب ذیل ہی رہے:۔ رچرڈ فوکس، اسقف ونچسٹر جو بہت جفاکش اور قابل پادری، اور بہت کچھ مورٹن کے رسوخ کا وارث تھا۔ ٹامس ہاورڈ، امیر سرے دخلف شہزادہ نارفک) جو پختہ ارادے اور ہمت کا آدمی تھا اور امرا کے خیالات کی ترجمانی کرتا تھا۔ صدر اسقف وارہم جو زیادہ قوت کا آدمی نہ تھا؛ ان کے علاوہ ایک نوجوان اور لائق پادری ٹامس وُلزے نامی، فوکس کے دبیر یا معتمد کی خدمت انجام دیتا تھا۔ ان لوگوں کے تحت میں شاہ متوفی کے باقرینہ انتظامات خاموشی سے جاری رہے

اور کوئی رخنہ پڑا تو امپسن اور ڈڈلی کے شرمناک قتل سے، جنھیں نئے بادشاہ نے محض عوام کو رضامند کرنے کی غرض سے بھینٹ چڑھا دیا۔ ان پر قانونی گرفت کرنا آسان نہ تھا کیونکہ ان کے جابرانہ افعال، الفاظِ قانون سے تجاوز نہ تھے اور اس بات کی انھوں نے پوری پوری پابندی کی تھی۔ پس یوں بس نہ چلا تو زبردستی غداری کا یہ الزام اُن پر عائد کیا گیا کہ وہ نوعمر بادشاہ کو اپنے قابو میں رکھنے اور حکومت غصب کرنے کا ساز باز کرتے ہیں۔ اسی الزام پر ڈڈلی کو لندن میں اور امپسن کو نارتھمپٹن میں مجرم قرار دیا اور اس نامنصفانہ فیصلے کی خرابیٔ خوُن کا فتوٰی دے کے تکمیل و توثیق کر دی گئی۔ چند سال تک اُن کی جان بچی رہی لیکن آخر ہینری اُن کی زیادہ ستانی کی پیہم شکایتوں سے اتنا تنگ آیا کہ انھیں قتل کرنے کا حکم دیدیا اور جن لوگوں کا خون انھوں نے نچوڑا تھا انھیں کچھ معاوضہ وغیرہ دینے کی بھی کارروائی ہوئی۔

معاملاتِ خارجہ میں بادشاہ نے کیتھرائن سے شادی کر کے ثابت کیا کہ وہ اپنے باپ کے طریق عمل کی اتباع کرے گا۔ اور بعد شادی کے بھی اتنا خوش تھا کہ کہتا تھا کہ اگر دوبارہ انتخاب کا موقع دیا جائے تو بھی میں کیتھرائن ہی کو پسند کروں گا۔ یہ شہزادی اُس وقت چوبیس سال کی تھی اور حسین نہ ہونے کے باوجود دلکشی کی شان رکھتی تھی اور بہت زندہ دل اور فیاضانہ مزاج کی ملکہ بتائی جاتی ہے۔ وہ اچھی موسیقی داں، اور خوب ناچتی تھی۔ نہایت عمدہ انگریزی بولتی اور لکھتی اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اپنے شوہر کی دل سے چاہنے والی تھی۔

ہینری ہفتم فرانس کے خلاف جتھے میں شریک تو ہوا لیکن اس نے کوئی عملی حصہ نہیں لیا اور اس معاملے میں زیادہ تر اسپین کا تابع رہا۔ چارلس ہشتم کی وفات کے بعد سے اطالیہ امورِ سیاسی کا مرکز بن گئی تھی۔ ۱۴۹۹ء میں لوی دوازدہم نے وینس والوں کی مدد سے میلان پر قبضہ کر لیا اور طرفہ تر یہ کہ جتھے کی حکمت عملی کے خلاف خود فرڈیننڈ نے اس سے دوستی کر لی اور نیپلز پر حملہ کیا جہاں فرانسیسیوں کے جانے کے بعد سے دوبارہ خاندان اراگون کی ایک شاخ حاکم ہو گئی تھی۔ مگر دوسرے ہی سال لوی اور فرڈیننڈ میں مالِ غنیمت پر جھگڑا ہو گیا اور فرانسیسی دوبارہ نیپلز سے نکالے گئے۔ ۱۵۰۵ء میں انھوں نے باہم پھر مصالحت کر لی

اور اس مرتبہ پاپا جولیس ثانی کی رائے نام سرداری میں اتحادِ کال برے کی بنیاد
ڈالی جس کا مقصد یہ تھا کہ وینس کے مقبوضات کی تکا بوٹی کر لی جائے کیونکہ اطالیہ
میں لے دے کے یہی ایک ریاست ایسی تھی جو چھوٹی ریاستوں کو ملا کر اہلِ فرانس
و اسپین دونوں کو اطالیہ سے باہر رکھ سکتی تھی۔ لیکن جنگ شروع ہو تو فرانسیسیوں
نے وینس کا بہت سا بڑی علاقہ چھین لیا اور اس قوت سے کام کیا کہ خود پاپا
گھبرا گیا اور اس نے فوراً ایک حزبِ مقدس کی بنیاد رکھی کہ پاپا کی حفاظت
کرے اور فرانسیسیوں کو اطالیہ سے نکال دے۔ ۱۵۱۱ء میں ہینری ہشتم سے بھی
شرکت کی درخواست کی اور چونکہ اُس کا خسر، فرڈی نینڈ اس نئے جتھے کا ممتاز
شریک تھا، لہذا ہینری کو کچھ تامل نہ ہوا اور جنوبی فرانس میں معرکہ آرائی کا منصوبہ
بنایا گیا جس کے ذریعے امید تھی کہ گیئن کا علاقہ پھر انگلستان کے اور نوار کا اسپین
کے ہاتھ آ جائے گا۔ گیئن پر حملہ کرنے میں ایک بڑا لالچ یہ تھا کہ وہاں تجارت بہت
رونق پر تھی، دوسرے وہ فرانس و اسپین کے درمیان ایک کیلی کی طرح واقع تھی
اور اس پر قبضہ ہو جانے سے شاہ انگلستان ان دونوں ملکوں پر اثر ڈال سکتا تھا۔
لیکن جس وقت انگریز سپاہی امیر ڈورسیٹ کے تحت میں گیئن پر اُترے تو
فرڈی نینڈ کی تیاریاں بالکل نامکمل نظر آئیں اور ۵ ہفتے تک بیکار پڑے رہنے
کے بعد انگریز سپہ سالار یہ سمجھ کر کہ فرڈی نینڈ کا منشا اپنے سپاہیوں سے صرف
نوار میں کام لینے کا ہے، واپس چلا آیا۔ ہینری کو اس ناکامی کا بہت قلق ہوا اور
۱۵۱۳ء میں اور بھی وسیع پیمانہ پر فوج کشی کی تیاریاں کی گئیں۔ اسی موقع پر ولزے
نے بادشاہ کے ساتھ پہلی مرتبہ ناموری حاصل کی۔

ولزے

لین فرانک سے لاڈ تک کلیسائی عہدہ داروں کا جو سلسلہ
انگلستان کے اربابِ بست وکشاد میں شامل ہے، اُن میں غالباً
ٹامس ولزے کا مرتبہ سب سے فائق ہے۔ وہ ۱۴۷۱ء میں بمقام اپسوچ
پیدا ہوا۔ باپ اچھا دولتمند اور معزز شہری تھا۔ اس نے اپنے ذہین فرزند کو
تا مقدور بہترین تعلیم دلوائی اور وہ بالکل لڑکپن میں اکسفرڈ آیا، پندرہ سال کی
عمر میں بی۔ اے کی ڈگری اور موڈلین کالج کا رفیق و منتظم مقرر ہوا۔ کالج کا خوبصورت

برج اسی زمانے میں تعمیر ہوا ہے گو یہ ثابت نہیں کہ اس میں وُلزے نے بھی کوئی حصہ لیا۔ پھر وہ کالج کے مدرسۂ فوقانیہ کا صدر مدرس ہوگیا اور اسی زمانے میں امیر ڈورسیٹ سے شناسائی ہوئی، جس کے بچے وُلزے کے شاگرد تھے۔ ڈورسیٹ نے اسے لمینگٹن کی خانقاہ میں شریک کرایا اور اس کے بعد وہ مورٹن کے جانشین ڈین (صدر اسقف کینٹربری) کا ہیٹیں امام مقرر ہوا۔ انتظامی زندگی کی واقفیت اسے سر رچرڈ نائب حاکم۔ کالے کی مددگاری میں حاصل ہوئی اور اسی کی سفارش سے ہینری ہفتم نے ۱۵۰۶ء کے قریب اسے اپنا امام بنالیا۔ دربار شاہی میں وُلزے نے فوکس سے تعلق رکھا اور ممکن ہے اُس کا معتمد رہا ہو۔ خود بادشاہ کی طرف سے بھی کئی موقعوں پر سفارتی کام لئے گئے ہینری ہشتم کی تخت نشینی اُس کی ترقی کے ممد تھی کیونکہ نوجوان وُلزے بڑا جوش اور وہ حوصلے رکھتا تھا جو نوخیز بادشاہ کے مزاج سے، شاہ متوفی کے اہلکاروں کی دقیانوسی روایات اور پھونک پھونک کے قدم رکھنے کے اصولوں کی نسبت زیادہ موافقت رکھتے تھے۔ تاہم کچھ مدت تک اسے اپنی گرمجوشی دکھانے کا موقع نہیں ملا۔ تا آنکہ جنگ فرانس کی تیاریاں شروع ہوئیں اور وُلزے دل وجان سے اس دھن میں لگ گیا کہ نہایت مستعد فوج مہیا ہو جائے۔ انھی عرقریزیوں نے اسے بادشاہ کا مورد توجہ بنالیا۔

فرانس کی معرکہ آرائی کامیاب ثابت ہوئی۔ امیر البحر ہاورڈ نے کھلی کشتیوں میں فرانس کے بیڑے پر اس شدت سے حملہ کیا کہ گو اُس کی جان گئی اور اس کے سپاہی پسپا کر دئے گئے، تاہم فرانسیسیوں کو یہ ہمت نہ رہی کہ انگریزی بیڑے کا کالے جانا روکتے۔ کالے سے ہینری، تھیروئن کے محاصرے کو بڑھا اور اسی قصبے کے سامنے شہنشاہ میکسی می لین اُس کی فوج میں ایک رضا کار کی حیثیت سے آکر شریک ہوگیا۔ محاصرے کے زمانے میں فرانسیسی امدادی فوج سے جو قلعے میں رسد پہنچانا چاہتی تھی، ایک جھڑپ ہوئی جس میں صرف رسالوں نے حصہ لیا اور فرانسیسی اتنی جلد بھاگ کھڑے ہوئے کہ مذاقیہ طور پر اسے "جنگ مہمیز" کہنے لگے۔ تھیروئن اور تھوڑے ہی دن بعد تورنے کا اہم قصبہ فتح ہوگئے مگر ہینری نے جو غلبہ حاصل کیا تھا، اُس سے مزید کام نہ لیا بلکہ یہ دیکھکر کہ میکسی می لین اور

فرڈی ینینڈ چاہتے ہیں کہ مصیبت تو وہ جھیلے اور فائدہ خود اُٹھائیں وطنی ضرورتوں کے عذر پر وہ واپس انگلستان چلا آیا۔ یہاں اُس کی عدم موجودگی میں کئی اہم واقعات پیش آئے۔

اسکاٹ لینڈ پر حملہ

مارگریٹ اور شاہ اسکاٹ لینڈ (جیمس چہارم) کی شادی سے جو امیدیں ہوئی تھیں اُن کے خلاف اسکاٹ لینڈ والے اپنے پشتینی حلیف فرانس کا ساتھ دئیے بغیر نہ رہے۔ اور ہینری کے فرانس جانے کے بعد جیمس کی غیرت و شرافت بیوی کی مروت پر غالب آئی اور اس نے بڑی بھاری فوج سے نارتھمبر لینڈ پر حملہ کر دیا۔ ہینری اپنی بیوی کو نائب بنا گیا تھا اور عجب نہیں کہ ہینول کی فلیپا کی مثال پر، اس نے پوری تن دہی سے مدافعت کی تدبیریں کیں۔ مجلس خاص میں برابر موجود رہتی، لڑائی کے جھنڈے خود تیار کرتی اور شمال کی طرف جانے والے سرداروں کا تقریروں سے دل بڑھاتی تھی۔ انگریزی فوج کی سپہ سالاری امیر سرے اور اس کے فرزند ٹامس ہاورڈ کے تفویض ہوی۔ جو اپنے متوفی بھائی کی بجائے امیر البحر مقرر ہوا تھا۔ ان سپہ سالاروں نے نیوکاسل میں فوجیں جمع کیں. اور آگے بڑھے تو معلوم ہوا کہ ٹویڈ کی معاون ندی ٹل سے (جو وہاں انگلستان و اسکاٹ لینڈ کی حدِ فاصل تھی) خط مستقیم پر فلوڈن کی پہاڑی واقع ہے اسی کے اوپر جیمس بہت مضبوط مورچے بنائے پڑا ہے۔ اتوار، ۴ ستمبر کو سرے نے آئین سپہ گری کے مطابق جیمس کو دعوت دی کہ آیندہ جمعے کو میدان میں جم کر مقابلہ کرے جیمس نے قبول کیا مگر جب سرے نے تجویز کی کہ وہ اپنے مورچے چھوڑ کر ہموار زمین پر آجائے تو جیمس نے با اخلاق لیکن قطعی انکاریں جواب دے دیا۔

یہ کیفیت دیکھی تو سرے نے بیٹے کے مشورے پر عمل کیا اور جیمس کی اسکاٹ لینڈ کو مراجعت کا راستہ روکنے کی تدبیر کی۔ ڈولہ کے مقام سے ٹل کو عبور کرکے وہ ندی کے متوازی، اتنی دور رہ کر کہ کنارے کے کراڑے فوج کو نظر نہ آنے دیں، ٹل اور ٹویڈ کے سنگم کی طرف بڑھا اور اس شام (شب جمعہ) وہیں مقیم رہا۔ صبح ہوتے ہی وہ پھر ٹل کے پار آگیا اور سیدھا کولڈاسٹریم کی جانب بڑھا گویا اسکاٹ لینڈ پر چڑھائی کر رہا ہے

سرے کی تدبیر معرکۂ فلوڈن

یہ داؤں پورا چل گیا اور جیمس نے سرے کو اسکاٹ لینڈ کی طرف جاتے دیکھ کر پڑاؤ

اٹھا لیا اور خیمے جلائے تیزی سے تعقب میں روانہ ہو گیا اب سرے مقابلے کے لئے پلٹا اور جلتے خیمے کے دھوئیں میں ایک دوسرے کی نظر سے اوجھل فریقین بڑھتے بڑھتے برنکیس ٹن مُور پر باہم دوچار ہو گئے۔ اسکوٹوں کو اُس وقت بھی یہ فائدہ حاصل تھا کہ بلند تر زمین پر تھے اور اندازہ کیا گیا ہے کہ ان کی تعداد تیس ہزار تھی۔ ان کی گنجان صفوں میں دائیں طرف پہاڑی دستے دو دھاری تیغے اور سپر سے مسلح تھے۔ ان کے عقب میں خود بادشاہ سات ہزار نیزہ برداروں کے غول میں قیادت کر رہا تھا۔ میسرے پر سرحدی سپاہ ہنٹلی اور ہوم کے زیر علم تھی، اور سترہ توپیں بھی ہمراہ تھیں انگریزوں نے بھی تین حصوں میں فوج جمائی تھی۔ میسرہ سر ایڈورڈ اسٹینلی کی، میمنہ امیر البحر اور سر ایڈمنڈ ہاورڈ کی اور قلب خود سرے کی قیادت میں تھا۔ انگریزی سپاہ شمالی پرگنوں کے جملہ اقطاع سے جمع ہوئی تھی اور اسے سب سے بڑھ کر لمبی کمانوں پر بھروسہ تھا لیکن دست بدست لڑائی میں انھوں نے ایک خوفناک ہتیار یعنی تبر نیزے (ہیلبرڈ) سے کام لیا۔ یہ دوسری کہاڑی ہوتی جس کے بیچ میں برچھی کی طرح انی نکلی رہتی اور قریب دو گز کے لمبا اور اچھا موٹا ڈانڈ ہوتا جس سے کہاڑی یا برچھے، دونوں کی طرح کام لے سکتے تھے۔ ان اسلحہ کے علاوہ سرے کے پاس توپ خانہ بھی تھا۔

لڑائی شروع ہوئی تو انگریزی توپوں نے اسکوٹی توپ خانے کو بند کر دیا اور نیزہ برداروں میں وہ تہلکہ ڈالا کہ جیمس کو بھڑ جانے کی جلدی پڑ گئی اور عام حملے کا حکم دیدیا۔ اس کے میسرے پر ہنٹلی اور ہوم نے ایڈمنڈ کے انگریزی لشکر کو مار ہٹایا لیکن وسط میمنہ ٹامس ہاورڈ کی سرداری میں سخت دباو پڑنے کے باوجود جما رہا۔ سرے نے بھی شاہ اسکاٹ لینڈ کا خوب مقابلہ کیا اور اسٹینلی کے لینکاشر والے جوان خونخوار اسکوٹی پہاڑیوں کی نہ صرف یورشیں روکتے رہے اور اپنی صفیں نہ توڑنے دیں بلکہ اپنی نوبت پر خود آگے بڑھے اور ان قبائل کوہی کو میدان سے دھکیل دیا۔

ٹامس ہاورڈ کو وقت پر کمک مل گئی اور اس عرصے میں وہ بھی اپنے مقابل کی قطاروں پر غالب آگیا اور یہ دونوں انگریز سردار آگے بڑھتے بڑھتے شاہ جیمس کی طرف مڑے اور خاجی نیز عقبی حملہ کیا جب کہ وہ اور اس کے نیزہ بردار سامنے والی دستے کی، انگریزی سپاہ سے الجھے ہوئے تھے۔ یہ حرکت فیصلہ کن ثابت ہوئی۔ خود جیمس کو

ایک تیر نے چھید دیا اور سر پر انگریزی تبر کی مہلک ضرب لگی۔ پھر اُس کے ہموطن لاش کے گرد دیوانہ وار لڑتے رہے اور صرف رات کی تاریکی نے از خود رفتہ حریفوں کو جُدا کیا۔ جیمس کی لاش کشتوں کے ڈھیر میں ملی اور پوری طرح پہچان لی گئی۔ اُس کا خون آلودہ اونی رومال ملکہ کیتھرائن نے یادگار فتح کے طور پر اپنے شوہر کو بھیجا۔ جیمس کے ساتھ اسکاٹ لینڈ کے چیدہ ترین جوان کھیت رہے تھے۔ صرف مقتول امرا کی تعداد بارہ سے کم نہ تھی اور اسکاٹ لینڈ کے طبقہ اعلیٰ میں بمشکل کوئی خاندان ایسا ہوگا جو اپنے کسی عزیز کی موت پر سوگوار نہ ہوا ہو۔

جنگ کے نتائج

اس معرکے میں جیسے طرفہ کرشمے نظر آئے، اس کے ایسے ہی طرفہ سیاسی نتائج بھی برآمد ہوئے۔ ممالک یورپ نے دیکھ لیا کہ سرحدی حملوں سے انگلستان خوفزدہ نہیں ہو سکتا۔ اور جہاں تک اسکاٹ لینڈ کا تعلق ہے، فلوڈن نے سالہا سال کے لئے اُدھر سے حملے کے خطرے کا ازالہ کر دیا۔ جیمس کا جانشین اس کا مابعد الوفات بیٹا جیمس پنجم ہوا اور نظم ونسق اس کی بیوہ مارگریٹ کے ہاتھ میں آگیا۔ چند ماہ بعد مارگریٹ نے غلطی سے امیر انگس کے ساتھ شادی کر لی۔ اس رشتے نے اسکاٹ لینڈ کے امرا میں نفاق وشقاق کی اور ایک وجہ پیدا کر دی اور مُلک کو کمزور تر کر دیا۔

تھیروئن اور فلوڈن کی کامیابیوں کے باوجود ہنری محض میکسی می لین یا فرڈی نینڈ کی اسامی بن کر لڑائی جاری رکھنی نہ چاہتا تھا اور اس ارادے میں وُلزے کے عاقلانہ مشورے سے اور قوت پہنچی۔ معلوم ہوتا ہے فرانس سے واپس آنے کے وقت سے وُلزے کا اثر سب پر غالب آگیا تھا۔ سیاسی داد وستد جو فوکس کے مذاق کی شے نہ تھی، وہ اُس نے خوشی سے وُلزے کے سپرد کر دی جو اس فن میں بڑی مہارت رکھتا تھا۔ ممالک یورپ میں انگلستان کی خاص منزلت قائم ہونے کے بارے میں بھی اس کے خیالات وطن پرستی سے معمور تھے اور ہنری کی طرح وہ اُسے بالکل آزاد وخود مختار طاقت بنانا چاہتا تھا۔ اس غرض سے شاہ و وزیر نے تہیّہ کر لیا کہ فرانس کے ساتھ اتحاد کر لیا جائے تاکہ میکسی می لین اور فرڈی نینڈ کو جن کے منصوبوں کے حق میں یہ اتحاد نہایت خطرناک تھا، معلوم ہو جائے کہ انگلستان

کے ساتھ شایان شان سلوک ہونا چاہئے۔ بہت خفیہ طور پر پیام سلام شروع ہوئے اور قرار پایا کہ ہینری کی بہن میری جو سترہ سال کی حسین لڑکی تھی، چارلس (والی برگنڈی) سے اپنی نسبت توڑ دے اور لوی دوازدہم سے جو این (والیہ برٹانی) کے مرنے سے رنڈوا رہ گیا تھا، عقد کرلے اگرچہ اس بادشاہ کی عمر اُس وقت باون سال کی تھی۔ وقت کے وقت تو اس پیوند نے وہ سب کام کر دیئے جس کی ہینری اور ولزے کو توقع تھی لیکن سوء اتفاق سے ۱۵۱۵ء میں لوی مرگیا اور اس کے جانشین فرانسس اول نے خود لوی کی بیٹی کلاڈ سے شادی کی جو برٹانی کی وارثہ تھی۔ میری (بنت ہینری) نے بلا تاخیر باپ کے عزیز رفیق چارلس برینڈن سے عقد کرلیا جو سفک کا امیر کبیر بنا دیا گیا۔ انھی کی پوتی لیڈی جین گرے تھی۔

ولزے کی ترقی اور حکمت عملی۔

ہینری ولزے کا بے حد احسان مند تھا فرانس میں اُس نے جو نمایاں خدمات انجام دیں ان کے صلے میں وہ اسقف تورنے، ۱۵۱۴ء میں اسقف لنکن اور اگلے سال صدر اسقف یارک کے عہدے پر سرفراز ہوا اور پیشکاری کا عہدہ اس کا ضمیمہ بنا دیا گیا۔ ہینری کی خوشی تھی کہ اسے مشیر پاپا یا "کارڈنیل" کا مرتبہ مل جائے مگر پاپا نے تامل کیا اور ۱۵۱۷ء میں ہینری کو پاپائی سرکار میں اتنا رسوخ حاصل ہوا کہ یہ آرزو پوری ہوی اور ولزے انگلستان میں وکیل پاپا کی خدمت سے مشرّف ہوا دنیوی خدمات کے عوض میں کلیسائی عہدے دینا بادشاہ کے لئے تو کفایت کا موجب تھا لیکن کلیسا کے حق میں نہایت مضر ہوا کہ ان برائے نام مذہبی پیشواؤں کے محض عہدہ دار رہ جانے سے کلیسا ہی کی وقعت جاتی رہی اور پیش نظر زمانے میں بہت کم کوئی ممتاز اسقف ایسا ملتا ہے جس میں مذہبیت کی شان یا پابندی پائی جاتی ہو۔

مگر خود ولزے برائے نام اسقف رہنے پر قانع نہ ہو سکتا تھا اور نہ اتنا تیز بین اور عملی آدمی کلیسا کی بے شمار بے ربطیوں سے غافل و بے حس رہ سکتا تھا۔ نشاۃ الثانیہ کی بدولت لوگوں کے خیالات میں جو تلاطم پیدا ہوا اس نے

کلیسا کی اصلاح کو خواہ از خود ہو یا خارجی، ضروری کر دیا تھا اور یہ نکتہ وُلزے کی نگاہ سے چھپ نہ سکتا تھا۔ اصلاح طلب امور میں سب سے مقدم خانقاہوں کی درستی تھی۔ تیرھویں صدی کے آغاز میں درویشوں کے گروہ انگلستان آئے۔ اس کے بعد سے انگلستان میں بہت کم خانقاہیں تعمیر ہوئیں تاہم ان کی تعداد کچھ کم نہ تھی اور وہ زمانے کے مذاق سے روز بروز زیادہ مغائر ہوتی جاتی تھیں۔ خانہ جنگیاں بند ہوئیں تو امن جُویوں کے خانقاہوں میں پناہ لینے کا سلسلہ بھی رُک گیا۔ مطابع نے ہاتھ کی کتابت کی جگہ لے لی۔ کلیات کے فروغ نے خانقاہوں کا یہ دعوٰی کہ ہمیں تعلیم کا مرکز ہیں، باطل کر دیا حالانکہ ایک زمانے میں ان کی یہ نازش بجا تھی۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ نئے علوم جو طلبہ کو اپنی طرف کھینچتے اور یورپ کے خیالات کو نئی نئی راہیں دکھا رہے تھے، خانقاہوں کی چار دیواری میں ان علوم پر ذرا التفات نہ ہوی۔ ان حالات میں خانقاہوں کی ضرورت بقا پر عام ولائل کا بہم پہنچانا دشوار ہوا جاتا تھا۔ بظاہر وہ صرف ایسے دولتمند جاگیرداروں کی جماعتیں رہ گئی تھیں جو بزرگوں کی کمائی کھاتے تھے اور ہر چند غریب ہمسایوں سے ضرور خیرات کا سلوک کرتے رہتے تھے لیکن ایسے بہت شاذ تھے جو بانیان خانقاہ کے معیار کے مطابق زندگی بسر کرتے ہوں۔ ادھر بدگوئی کا بیان تھا کہ راہبوں کے متعلق اور بھی کچھ باتیں کہنے کے قابل موجود ہیں۔ ہینری ہفتم کے زمانے میں تحقیقات کی گئی اور پاپائی معاینوں سے بھی ثابت ہوا کہ چھوٹی خانقاہوں کی حالت واقعی سخت اصلاح کی محتاج تھی۔

مگر ولزے نے ان خرابیوں کو دُور کرنے کی جو تجویز سوچی وہ فی الواقع نہایت مناسب اور قابل عمل تھی۔ وہ یہ کہ جن خانقاہوں میں بدعنوانی پائی جائے اُسے توڑ کر اُن اوقاف کی آمدنی سے ملک میں جا بجا مدارس بنا دیئے جائیں جیسے ولیم (وکھمی) نے بنائے تھے، اور وہاں کے طلبہ تکمیل کے لئے جامعات میں بھیجے جایا کریں۔ اس کی نظیر میں خود اس نے اجازت لے کر چند چھوٹے اور زبون حالی اوقاف کو توڑ دیا اور ان کی مجموعی آمدنی سے ایپس وِچ میں ایک مدرسہ اور آکسفرڈ میں ایک کلیہ قائم کیا جس کا نام کارڈِنل کالج رکھا اور

جو آج کل کرائسٹ چرچ کالج کے نام سے خوب چل رہا ہے یہ بھی معلوم ہے کہ ایک زمانے میں ولزے کو خیال تھا کہ اس کا پاپائی پر انتخاب ہو جائے اور اگر ایسا ہوتا تو عجب نہیں کہ اپنی اصلاحات کو وہ زیادہ وسیع پیمانے پر نافذ کرتا لیکن یہ منصوبہ عمل میں نہ آیا اور سیاسی کاموں میں سخت مصروفیت نے اتنی مہلت نہ دی کہ وہ اس بارے میں مزید غور و توجہ کر سکتا۔

فرانسس اول شاہ فرانس

فرانس میں نئے بادشاہ کی ہوس کشور کشائی اپنے پیشرو سے کم نہ تھی بلکہ اکیس سال کا نوجوان ہونے کے باعث وہ اپنی تدابیر کو زیادہ محنت و مستعدی سے عمل میں لا سکتا تھا۔ اس کی تخت نشینی کے وقت فرانسیسی اطالیہ سے بالکل نکال دیئے گئے تھے۔ لہٰذا سب سے اول اس نے ریاست میلان پر دوبارہ ہاتھ مارا۔ فرڈی نینڈ اور میکسی می لین کو یقین تھا کہ امیر کبیر میلان کے سوئیتان اجیر سپاہی فرانسیسیوں کو پسپا کرنے کے لئے کافی ہیں۔ لیکن مارینیانو پر ستمبر ۱۵۱۵ء میں مقابلہ ہوا تو فرانسیسی سواروں نے وہ جانبازی دکھائی جسے ازمنۂ وسطیٰ کی مردانگی کی آخری یادگار کہنا غلط نہ ہوگا۔ اسی بہادری نے سوئیتانی سپاہ کا شیرازہ بکھیر دیا اور فرانس کو یورپ بھر میں مشہور کر دیا۔ ساتھ ہی ممالکِ یورپ میں ہرکارے دوڑنے لگے کہ اس نئے خطرے کا تدارک کیا جائے اور اس تحریک میں ولزے نے پورا حصّہ لیا۔ مگر ۱۵۱۶ء میں فرڈی نینڈ مر گیا اور اسپین غرب الہند، صقلیہ، نیپلز اور ندرلینڈز (نشیبستان) کی حکومت چارلس (والیٔ برگنڈی) کی واحد وراثت میں آئی مزید برآں ولایت آسٹریہ اور جرمانیہ میں آسٹریہ کے شاہی حقوق کا بھی آیندہ وہی وارث رہ گیا۔ اس تغیّر نے بالکل نئی صورتِ حالات پیدا کر دی اور ولزے کو مسائل یورپ کا بہترین حل اسی میں نظر آیا کہ پھر انگلستان و فرانس میں رشتۂ اتحاد تازہ کیا جائے۔ چنانچہ قرار پایا کہ ہینری کی اکلوتی بیٹی میری، شیر خوار ولی عہد فرانس سے منسوب ہو اور تورنے کو انگریز چھ لاکھ کراؤن کے عوض میں واپس کر دیں۔ اسکاٹ لینڈ کو بھی اس اتحاد میں شریک کیا گیا اور جب شاہ اسپین پایا اور شہنشاہ نے بھی شرکت پر آمادگی ظاہر کی تو

ولزے کو بڑی بھاری کامیابی حاصل ہوی کہ ایک ایسے امن عام کے قیام کا سہرا انگلستان کے سر بندھا جس میں پاپا اور شہنشاہ تک ثانوی حیثیت سے شریک اتحاد ہوے حالانکہ مدت دراز سے یہی لوگ یورپ کے جتھوں کی سرگروہی کیا کرتے تھے۔

اتحاد کا یہ نقشہ تو بہت اچھا تھا مگر پائداری اس کے نصیب میں نہ تھی کیونکہ جنوری ۱۵۱۹ء میں شہنشاہ "میکسی می لین" نے وفات پائی اور اس کے جانشین کے انتخاب کا سوال پیدا ہوا۔ اس منصب کے تین امیدواروں میں سے کوئی بھی کامیاب ہو سکتا تھا۔ پہلا امیدوار تو سیکسنی کا امیر تھا جو اس خیال کا کہ "جرمانیہ جرمنوں کے لئے ہے" موید تھا مگر ترکوں سے سلطنت کو بچانے کی ضرورت پڑی تو کمزوری کے باعث کوئی فوجی اعانت نہ کر سکا۔ دوسرے چارلس شاہ اسپین، صقلیہ وغیرہ کہ خاندان آسٹریہ کا سردار ہونے اور ترکوں کو روکنے کی قابلیت کی بنا پر شہنشاہی کے معقول حقوق رکھتا تھا لیکن اس کے انتخاب کو پاپا اور فرانسس پسند نہ کرتے تھے۔ تیسرے خود فرانسس جس کا کوئی خاص حق تو نہ تھا مگر اس نے دلیل پیش کی کہ اگر اقطاعِ جرمانیہ اسپین یا نِدرلینڈ کا ضمیمہ بن سکتے ہیں تو کیوں نہ فرانس کے ساتھ ملا دیئے جائیں۔ ان امیدواروں میں ولزے کی خواہش تھی کہ انگلستان بالکل غیر جانبدار رہ کر سب کے فائدے کی صورت نکالے۔ لیکن ہینری کی خود پسندی نے اسے خود امیدوار بننے پر آمادہ کیا حالانکہ اس میں کامیابی کی مطلق امید نہ تھی۔ آخر کار چارلس کا انتخاب ہوا اور وہ چارلس پنجم کے نام سے شہنشاہ مان لیا گیا۔ انتخاب کرنے والے سات اشخاص یہ تھے "منٹس، کولن (کولون) اور تریو کے صدر اسقف، اور بوہیمیہ، سیکسنی، برین ڈن برگ اور پیلے ٹی نیٹ کے والیان ریاست۔ یہ جسے منتخب کرتے اُسے حق ہو جاتا تھا کہ پاپا سے تاج پوشانی کا مطالبہ کرے اور اس رسم کے ادا ہونے پر وہ رومۃ الکبریٰ مغربی کے قیاصرہ کا جانشین سمجھا جاتا تھا۔

ولزے کو اب تین کی بجائے، دو بادشاہوں یعنی چارلس اور فرانسس سے

معاملہ کرنا تھا اور اس نے فیصلہ کیا کہ دونوں کے ساتھ صرف غیر جانب دارانہ دوستی قائم
رکھی جائے۔ اسی غرض سے شاہ انگلستان اور ان دونوں فرماں رواؤں کی ملاقات کا انتظام
کیا۔ مئی میں غیر سرکاری طور پر چارلس، ہینری سے ملنے کینٹربری آیا اس کے جانے
کے بعد ہینری رود بار اتر کے کیلے گیا اور وہاں فرانسس کے ساتھ ایسے شاہانہ
تزک و احتشام کے ساتھ ملاقات کی کہ مقام ملاقات "میدان زرباف" کہلانے لگا۔ انگلستان
کو مراجعت کے وقت چارلس نے دوبارہ اس سے کیلے میں ملاقات کی اور "براعظم
کے دو قوی ترین بادشاہوں کو انگلستان کی چشم التفات کے لئے مسابقت کرتے
دیکھ کر انگریز بہت خوش ہوئے۔ لیکن اس حالت کو قائم رکھنا وولزے کی ذہانت
سے بھی ممکن نہ تھا۔ چارلس و فرانسس کے درمیان جنگ ناگزیر ہوگئی اور پھر انگلستان زیادہ
عرصے تک الگ تھلگ نہ رہ سکا۔ ابتدا میں کچھ تو رشتے کا پاس تھا اور کچھ انگلستان
اور فلیمنگز کے تجارتی تعلقات کی بنا پر، ہینری، چارلس کی جانب مائل رہا اور وولزے
کو بھی چار و ناچار اسی کی خواہش پر عمل کرنا پڑا۔ لیکن دو دفعہ کی ناکام لشکر کشی سے
انگریزوں کے ہوش درست ہوگئے اور وولزے کو موقع ملا کہ پھر سیاسی توڑ جوڑ سے
کام لے۔ چارلس کے ساتھ اسی اتحاد کے زمانے میں یہ امکان بہت صحیح نظر آنے لگا
تھا کہ وولزے پاپائی کے مرتبے پر فائز ہوجائے۔ کئی سال پہلے سے فرانسس اور
چارلس دونوں وعدے کرتے تھے کہ مشیران پاپا پر اثر ڈالیں گے، مطلب یہ تھا کہ
وولزے ان کا شکر گذار اور دوست ہوجائے۔ لیکن وہ ایسا معمولی آدمی نہ تھا کہ ذاتی
اغراض کی خاطر اپنے فرائض میں قصور کرتا۔ اس کو سب سے پہلے انگلستان اور ہینری کی
خدمت بجالانے کا خیال تھا اور اگر پاپا بن کر یہ خدمت بہتر طریق پر انجام پاسکے تو وہ
اس منصب کے لئے آمادہ تھا مگر یہ سب امور اس نے ہینری کی مرضی پر منحصر کر دئے
تھے اور واقعہ یہ ہے کہ چارلس کی ہمدردیاں صرف زبانی تھیں۔ غرض ۱۵۲۳ء کی مہم
کے بعد انگلستان جنگ میں عملی حصہ لینے سے الگ ہوگیا اور ۱۵۲۵ء میں فرانسس کو
پاویا کی جنگ میں شکست اور قید نصیب ہوئی تو وولزے کو موقع ملا کہ پھر فرانس
کے ساتھ (تیسری بار) اتحاد کی گفتگو کرے کیونکہ وہ اپنے ملک کی سب سے اچھی حکمت عملی
اسی اتحاد کو سمجھتا تھا انگلستان کے اغراض سے قطع نظر، یوں بھی اس کے نزدیک

چارلس پنجم جیسے بادشاہ کا یورپ بھر پہ چھا جانا، خطرے سے خالی نہ تھا اور آخر میں اس نے ہینری کو بھی بہ وقت اپنا ہم خیال بنا کر فرانس سے عہد و پیمان پر رضامند کر لیا۔ ۱۵۲۷ء میں چارلس نے اپنی فوج کو اجازت دے دی کہ بوربون کے نا خلف شہزادے کے زیر علم روما پر حملہ کر کے پاپا کو قید کر لے یہ ایسا وحشیانہ فعل تھا کہ یورپ بھر کو صدمہ پہنچا اور ہینری جو ابھی تک کلیسا کا دلی احترام کرتا تھا، نئے اتحاد کے لئے اور بھی پختگی سے تیار ہو گیا۔ بایں ہمہ وُلزے خوب جانتا تھا کہ فرانس کے ساتھ دوستی کی حکمت عملی خود اُس کے حق میں بہت مخدوش ہوگی۔ پرانے امیروں کو بادشاہ کے ہر نوخیز مشیر سے نفرت ہو جاتی تھی اور وُلزے کو بھی ابتدائے ملازمت سے اس نفرت و حسد سے سابقہ رہا تھا۔ دوسرے فرانس سے پشتینی عداوت کے سب سے بڑے حامی اُمرا تھے، انھیں اس امن و اتحاد کی حکمت عملی ناگوار گزری اور یہ بھی نظر آ گیا کہ بادشاہ کے شوقِ جنگ جوئی میں وُلزے ہی کی حکمت عملی حائل ہے۔ اُنھی دنوں جو مہمیں بھیجی گئیں اُن پر کافی خرچ ہوا اور کوئی فائدہ حاصل نہ ہوا جس سے عوام بھی ولزے سے ناخوش ہو گئے۔ کیونکہ گو یہ فوج کشی وُلزے کی رائے کے سراسر خلاف تھی لیکن قرضے ادا کرنے کی غرض سے محصول اسی کو عائد کرنے پڑے اور ۱۵۲۳ء میں دار العوام اور لندن کے شہریوں سے محاصل کے بارے میں جیسا تحکم اُس نے برتا، اس سے یہ لوگ سخت نعل در آتش ہوئے۔ مختصر یہ کہ وہ بخوبی واقف تھا کہ جس دن پادشاہ کی نگاہِ التفات پھری اسی دن دشمنوں کا گروہ کثیر اس پہ جھپٹ پڑے گا۔

مسئلہ طلاق

اس قسم کے حالات تھے جب کہ وُلزے کی قابلیت کی انتہائی آزمائش کا ایک نیا موقع پیدا ہوا ہینری اور کیتھرائن کی شادی کو اٹھارہ سال گزر چکے تھے مگر ان کے سب بچے، سوائے میری کے، شیر خوارگی ہی میں فوت ہو گئے میری کی گذشتہ معاہدے کی رو سے شہزادہ اورلیان سے نسبت کر دی گئی تھی اگرچہ اس لڑکی کی بھی صحت کچھ اچھی نہ تھی۔ بہر حال اب وراثت کے مسئلے میں طرح طرح کی پیچیدگیاں نظر آنے لگیں۔ ہینری کی (بلا اولادِ نرینہ) وفات کی صورت میں تخت کا وارث اول تو مارگریٹ کا بیٹا جیمس شاہ اسکاٹ لینڈ ہوتا تھا

جس کی عمر ۱۳ سال سے زیادہ نہ تھی اور اس کے بعد (امیر انگس سے) اسی مارگریٹ کی بیٹی کو وراثت پہنچتی تھی۔ اور یہ امر مشتبہ تھا کہ انگلستان میں ان دو میں سے کوئی بھی بغیر مزاحمت کے بادشاہ تسلیم کرلیا جائے گا۔ ہینری کی دوسری بہن میری کی اولادیں سب لڑکیاں تھیں۔ غرض آیندہ جانشینی کے متعلق ہینری بھی اسی قدر متردد ہو گیا جس قدر اس کا باپ تھا۔ سنہ ۱۵۱۳ئہ میں اس نے سفک کے اور سنہ ۱۵۲۱ئہ میں بکنگھم کے شہزادے کو بھی قتل کرا دیا جو ٹامس (شہزادہ گلوسٹر) کی شاخ میں ایڈورڈ ثالث کی اولاد سے تھا اور تخت کا دعویٰ کر سکتا تھا۔ معلوم ہوتا ہے اس نے اپنے شاہی نسب کا ذکر کچھ ایسی بے احتیاطی سے کیا تھا کہ ہینری نے فوراً اسے قید کر کے غداری کا مقدمہ چلایا اور قتل کی سزا دی ڈی لاپول کی شاخ میں آخری آدمی رچرڈ باقی تھا، وہ پاویا کی لڑائی (سنہ ۱۵۲۵ئہ) میں کام آگیا اور اس طرح ٹیوڈر خاندان کے باہر تو ہینری کو کسی حریف کا اندیشہ نہیں رہا لیکن فکر تھی تو یہ کہ کہیں خود اس کی شادی ناجائز قرار پائی تو پھر کیسی دشواری کا سامنا ہوگا۔ شادی کے وقت پاپائی فتوی حاصل کیا گیا تو آیندہ کی سب احتیاطیں بھی کرلی گئی تھیں مگر اب ہینری نے اعتراف کرنا شروع کیا کہ خود میرے دل میں شبہات پیدا ہو رہے ہیں۔ ان شبہات کی ایک وجہ تو یقیناً اس کے بچوں کا فوت ہو جانا، تھی مگر اصلی سبب جس نے سنہ ۱۵۲۶ئہ میں اسے ابھارا، وہ یہ تھا کہ ایک نوجوان خاتون کی محبت اس کے دل میں گھر کر گئی تھی۔ اس کا نام این بولین تھا اور وہ اس امیر سرے کی نواسی تھی جس نے فلوڈن میں اسکوٹوں کو شکست دی۔ بادشاہ پہلے اسے داشتہ بنانا چاہتا تھا مگر اس نے قبول نہ کیا تو بیوی بنانے پر تل گیا اور محرم راز ولزے سے دل کی بات کہی۔ ولزے کو سوائے اس کے کوئی چارۂ کار نظر نہ آیا کہ اپنے آقا کے دلی مقاصد پورے کرنے میں اپنی ساری ہمت و قابلیت صرف کردے۔

(دیکھو صفحہ ۴۲۲)

ان معاملات میں پاپاؤں نے کامل اقتدار حاصل کر رکھا تھا اور گذشتہ سنین میں کئی بادشاہوں کو محض تخت نشینی کے مصالح کی بناء پر طلاقیں بھی دلوائی تھیں مثلاً لوی دوازدہم ہی نے چارلس ہشتم کی بیوہ، این دوالیہ بری تانی سے شادی کرنے کے لئے اپنی پہلی منکوحہ کو چھوڑ دیا تھا۔ انگلستان کے شاہی خاندان میں جان کے

اپنی بدنصیب بیوی (ڈایوس گلوسٹر) کو طلاق دینے کے بعد سے کوئی ایسا معاملہ پیش نہیں آیا اور یہ بات یقینی سی نظر آتی تھی کہ اگر بادشاہ نے طلاق دے کر دوسری شادی کی تو اہل انگلستان کی مذہبی حسیات کو ضرور صدمہ پہنچے گا۔ دوسرے ہر چند معمولی حالات میں پاپا سے طلاق کا فتوی ملنے میں چنداں دشواری نہ ہوتی مگر اس موقع پر بعض اسباب ایسے جمع ہوئے کہ پاپا کے لئے ایسا کرنے میں بہت قباحت پیدا ہوگئی پاپائے وقت کلیمینٹ ہفتم، لیو دہم کا بھتیجا تھا اور اسے پاپائی اغراض کے ساتھ خاندانی مصالح کو بھی دیکھنا پڑتا تھا۔ جب سے وُلزے نے سیاسی عہد و پیمان کا آغاز کیا اور ان اتحاد ناموں میں پاپا بجائے صدر کے معمولی ارکان کی حیثیت سے شریک ہوا، اس وقت سے پاپائی اقتدار بہت کچھ کم ہوگیا تھا اور ادھر لوتھر کی تعلیم نے جرمانیہ میں پاپائیت کو بڑی طرح صدمہ پہنچایا اور وہاں کے بعض علاقوں میں علانیہ تفرقہ ہوگیا اور یہ اثر سویڈن و ناروے اور ڈینمارک میں بھی سرایت کرنے لگا۔ ان حالات میں پاپا کو بہت پھونک پھونک کے چلنے کی ضرورت تھی اور چونکہ کیتھرائن، شہنشاہ چارلس کی خالہ تھی اس لئے اندیشہ تھا کہ کہیں اُس کی تذلیل سے چارلس آپے سے باہر نہ ہو جائے۔ ان سب وقتوں کے باوجود ہنیری کو شادی کی لو لگی ہوئی تھی اور ان رکاوٹوں سے شعلۂ عشق اور زیادہ بھڑک رہا تھا۔ مزید برآں ملکہ سے اس کی کشیدگی فرانسیسی اتحاد کے باعث اور بڑھی کیونکہ کیتھرائن ہمیشہ سے اپنے بھانجے چارلس کی سرگرم حامی تھی

پاپا کے پاس کئی سفارتیں بھیجی گئیں کہ وہ کسی طرح اس مقدمے کو وکیل پاپا یعنی وُلزے کی عدالت میں طے کرنے کی اجازت اور فیصلے کی پہلے سے منظوری دیدے۔ مگر کلیمینٹ نے اس طرح پابند ہو جانے سے انکار کیا اور ۱۵۲۸ء میں ایک اطالوی کاردنیال کامپیجیو کو جو دربار انگلستان میں روشناس تھا، روانہ کیا کہ اسقف سالسبری کے ساتھ مل کر وُلزے کو شرعی مشورہ دے۔ کامپیجیو آہستہ آہستہ منزلیں طے کرتا ہوا انگلستان آیا اور اسی تاخیر کے باعث جولائی ۱۵۲۹ء میں باقاعدہ عدالت کے اجلاس کی نوبت آئی۔ اور پہلی مرتبہ انگریزوں نے یہ تماشا دیکھا کہ اُن کا بادشاہ اور ملکہ نام بہ نام کاردنیالی عدالت میں طلب کئے گئے حالانکہ اِن شہروں کو جس

پاپا نے مقرر کیا خود اسی کی مدت سے اُن کے دل میں کوئی وقعت نہ رہی تھی۔ کیتھرائن نے استدعا کی مقدمہ براہ راست رومہ میں سماعت کیا جائے مگر عدالت نے اُسے منظور نہیں کیا اور شہادتیں یعنی شروع کی تھیں کہ اتنے میں کامپیجیو نے اعلان کیا کہ رومہ کی عدالتوں کی مثل، یہاں بھی اکتوبر تک اجلاس ملتوی رہے گا۔

وُلزے کا زوال اور خاتمہ

یہ ایسی تاخیر تھی جسے ہینری برداشت نہ کر سکا اور واقع میں اُس کے معنی یہ تھے کہ مقدمے میں غیر معیّن طوالت ہوگی اُس نے اپنا سارا غصہ وُلزے پر نکالا حالانکہ وہ تاخیر کا ذمہ وار نہ تھا۔

بہر نوع، بادشاہ نے اکتوبر ۱۵۲۹ء میں وکیلِ سرکار کو حکم دیا کہ وُلزے پر "قانون انتفاع" (دیکھو صفحہ ۲۶۸) کے مطابق مقدمہ چلایا جائے کیونکہ اُس نے وکیل پاپا کا عہدہ قبول کر کے قانون مذکور کی خلاف ورزی کی ہے۔ یہ انتہائی ناانصافی کی بات تھی۔ خود ہینری کے بطورِ خاص استدعا کرنے پر وُلزے نے یہ عہدہ حاصل کیا تھا۔ لیکن ہینری پاپا سے لڑنے پر تلا ہوا تھا اور پاپائی اقتدار پر پہلی ضرب لگانے کی تدبیر یہی سوچی تھی کہ وکیل پاپا کا تقرّر ناجائز قرار دیا جائے۔ وُلزے کو اپنی تباہی سر پر نظر آنے لگی بایں ہمہ وہ اپنے ولی نعمت کی رضاجوئی میں ثابت قدم رہا اور مذکورہ بالا قانون کی خلاف ورزی کے جُرم کا خود تحریری اقبال کر لیا اور صاف لکھدیا کہ میرا تمام اثاث البیت قابلِ ضبطی اور خود میں حبسِ دوام کا مستوجب ہوں۔ یہ اطاعت کیشی دیکھکر ہینری نرم پڑا اور وُلزے کو کہلا بھیجا کہ عنقریب ضرور معافی مل جائے گی۔ وُلزے کے سب سے اچھے ملازم دو تھے۔ ایک اسٹیفن گارڈنر جو پاپا کے پاس پیام لے کے جایا کرتا تھا اور دوسرا ٹامس کروم ویل جس نے معزولی کے وقت سے اُس کی بیش بہا خدمت (اگرچہ وہ بے غرضانہ نہ تھی) انجام دی تھی۔ ان دونوں کو شاہی ملازمت میں منتقل کر لیا گیا۔

معزولی کے بعد وُلزے زیادہ دن زندہ نہ رہا۔ ۱۲ر فروری ۱۵۳۰ء کو بادشاہ کی طرف سے کامل معافی کا پروانہ تو ملا مگر حکم ملا کہ ونچسٹر کی اسقفی اور سینٹ آلبنس کی تولیت سے استعفےٰ داخل کرے اور یارک کی صدر اسقفی کے اندر، دربار شاہی سے الگ، زندگی بسر کرے۔ یہاں چند ماہ تک وہ معمولی

کلیسائی فرائض ادا کرتا اور آیند و روند کی خاطر تواضع میں مصروف رہا۔ لیکن جس شخص نے دنیا کے معاملات میں اتنا حصہ لیا ہو، اُس سے بالکل خاموش بیٹھا رہنا آسان نہیں ہے۔ فرانسس سے خفیہ خط و کتابت جاری رہی اور یہ خدمت اس کا طبیب ڈاکٹر اوگسٹائن انجام دیتا رہا لیکن اسی نے تمام خط وُلزے کے دشمن امیر نارفک کو دکھا دئے اور نارفک نے بادشاہ کو اطلاع دے دی۔ اس پر ۴ ہر نومبر ۱۵۳۰ء کو وُلزے گرفتار کر لیا گیا اور امیر نارتھمبرلینڈ کی حراست میں لندن لایا جا رہا تھا کہ راستے میں بمقام لیسٹر قضا کی (۳۰ ہر نومبر) لندن پہنچنے تک زندہ رہتا تو اس پر غدّاری کا مقدمہ چلایا جاتا۔

وُلزے کے زوال سے انگلستان میں اہل کلیسا کی حکومت کا زمانہ عملاً ختم ہو گیا۔ ورنہ جب سے پیشکاری یا صدارت عظمیٰ کا عہدہ بنا، اس پر، بہ استثنائے چند، ہمیشہ کوئی اُسقف ہی مامور رہا۔ لیکن ۱۵۲۹ء سے لے کے آج تک صرف پانچ کلیسائی اس خدمت تک پہنچ سکے۔ ہینری ہشتم کے زمانے میں جو تغیر عظیم ہوا اس کا یہ ایک نہایت ممتاز نتیجہ ہے اور اس سے تجدید دین یا اصلاح کلیسا کے ایک پہلو کا مطلب بخوبی روشن ہو جاتا ہے اور وہ یہ کہ حقیقت میں اس تجدید دین کی تہ میں دنیا داروں کا یہ جذبہ بھی مشتعل تھا کہ مقتدایان دین کو ملکی معاملات میں اتنا زیادہ دخل دینے سے روکا جائے۔

نیا پیشکار ایک غیر کلیسائی آدمی، سر ٹامس مور مقرر ہوا جو اپنے عہد کے لوگوں کا بہت عمدہ نمونہ ہے۔ وہ ایک حاکم عدالت کا بیٹا تھا۔ ۱۴۷۸ء میں پیدا ہوا۔

سر ٹامس مور

اکسفرڈ میں کولیٹ اور ارازمس سے شناسائی حاصل کی اور عہد احیا کے ناقدانہ جذبے سے سرشار ہو گیا۔ وہ شائستہ خوش گفتار، خوش طبع، اپنے زمانے کی خرابیوں سے خوب واقف تھا اور ان پر ادبی انداز میں زجر و توبیخ کرتا۔ زمانۂ حال میں اس کی شہرت کا مدار زیادہ تر اس کی ایک لاطینی تصنیف یوٹوپیا پر ہے جس کے پہلے حصے میں اپنے زمانے کی خرابیاں اور دوسرے میں ایک خیالی سلطنت کا نقشہ دکھایا ہے۔ کتاب سے خود مصنف کی خوبیاں اور کمزوریاں عیاں ہیں۔ پہلے حصے میں ساری خرابیوں کی جڑ رقابت

واسراف کو قرار دیا ہے۔ دوسرے میں اصلاح کا گر یہ تجویز کیا ہے کہ ان
دونوں کا استیصال کر دیا جائے حالانکہ یہ انسانی فطرت کو بالکل بدلے بغیر
ممکن نہیں۔ مگر خود اپنے زمانے میں مور کی ناموری قانون دانی کی بنا پر تھی اور
دارالعوام کے صدر کی حیثیت سے اس نے وُلزے کا بڑی دلیری سے مقابلہ
کیا تھا۔ عمل سیاسیات میں وہ اتنا کامیاب نہیں نظر آتا افتتاح پارلیمنٹ کے
وقت کی ایک تقریر محفوظ ہے جس میں مور نے وُلزے پر حملہ کیا تھا اور یہ اس
بات کی دائمی یادگار ہے کہ ایک ادبی آدمی اپنے محاورے کو سیاسی معیار پر لانا چاہتا
ہے تو کیسی کیسی ٹھوکریں کھاتا ہے

القصہ اب ہینری کی پاپا سے جنگ ٹھن گئی اگرچہ ابتدا میں اُس کا یہ
ہرگز منشا نہ تھا۔ بلکہ وہ ایک تو یہ چاہتا تھا کہ این بولین سے قانونی طور پر شادی
ہو اور دوسرے یہ کہ اس کا باقاعدہ پاپائی فتویٰ حاصل ہو جائے۔ ان دونوں
باتوں میں تبائن واقع ہوا تو اسے بڑی حیرانی ہوی اور آخر وہ پہلے مقصد کے
حصول کے درپے ہوا خواہ اس میں پاپای قوت سے قطع تعلق کی نوبت کیوں
نہ آجائے۔ یہ بڑی جبارت کا کام تھا اور ہینری اس کی مشکل سے جرأت کرتا
لیکن وُلزے نے یہ خیال اُس کے دلنشین کر دیا تھا کہ انگلستان بھی ایک اوّل درجے کی
طاقت ہے اور اس کی قدر و منزلت شہنشاہی اور پاپائی کے بوسیدہ دعاوی سے
تو بہرحال کم نہیں سمجھنی چاہیئے۔ اس سلسلے میں یہ بھی ہینری خوب سمجھتا تھا کہ
پاپا سے کامیابی کے ساتھ مقابلہ صرف اسی صورت میں ممکن ہے جب کہ
قوم پشت پناہی کرے چنانچہ وُلزے کی معزولی کے بعد سب سے پہلا کام
یہ کیا کہ امرا اور لندن کے باشندوں کی ایک بڑی مجلس منعقد کی اور طلاق کے
بارے میں اپنے طرز عمل کی تصریح کی۔ رائے عامہ سے استعانت کی یہ تدبیر
کرنے کے بعد ۳ر نومبر ۱۵۲۹ء کو باقاعدہ پارلیمنٹ کا اجلاس مقرر کیا گیا۔

عہد اصلاح کی پارلیمنٹ

یہ پارلیمنٹ کئی اعتبار سے انگلستان میں عہد جدید کی پہلی پارلیمنٹ سمجھی جا سکتی
ہے اور اکثر سابقہ پارلیمنٹوں کی طرح اس کا اجلاس بھی صرف
چند ہفتے میں ختم نہیں ہوا بلکہ پے درپے اجلاسوں کی صورت میں

یہ سات سال تک قائم رہی۔ اسی چیز نے مبعوثین میں وحدت کا احساس پیدا کیا اور انھوں نے ایسے جدید قوانین نافذ کرائے جن سے خاصی طرح ایک مذہبی انقلاب واقع ہوگیا۔ رکنیت کی کیفیت یہ تھی کہ شعبۂ اعلیٰ میں چالیس امیر اور اڑتالیس علما یا حکام کلیسا شامل ہوتے تھے۔ مقتدایان مذہبی کی یہ اکثریت بادشاہ کے عین مفید مطلب تھی۔ شعبۂ ادنیٰ یعنی دارالعوام تقریباً تین سو مبعوثین سے مرکب ہوتا جن میں ۷۴ پرگنوں سے اور باقی ماندہ شہروں اور قصبوں سے منتخب ہوکر آتے۔ شہروں میں زیادہ تعداد جنوبی انگلستان کے شہروں کی تھی۔ ویلز، چیسٹر اور ڈرہم سے ہنوز کوئی مبعوث منتخب نہ ہوتا تھا۔ مبعوثین میں اکثر متوسط طبقے کے شرفا، شہری اور قانون پیشہ اشخاص ہوتے تھے۔ بے شبہ انتخابات میں پوری باقاعدگی نہ آئی تھی مگر اس میں بھی شک نہیں کہ دونوں شعبے مل کر انگلستان کی ملکی زندگی اور سیاسی معاملات میں حصہ لینے والے طبقات کے خیالات کا اچھا خاصا مرقع پیش کرتے تھے۔ ان لوگوں سے پاپا کے قضیئے میں مدد طلب کرتے وقت ہینری بخوبی جانتا تھا کہ مخالفت کا مطلق اندیشہ نہیں ہے۔ عام طور سے اہل انگلستان کو پاپائی اقتدار کی ذرا پروا نہ تھی بلکہ وہ اسے نفرت سے دیکھتے تھے اور یوں بھی موقع ڈھونڈتے تھے کہ مذہبی طبقے کی بدعنوانیوں کا پردہ فاش اور کلیسائی اوقاف میں تخفیف کی جائے جس کی وکلف اور چاسر کے زمانے سے انھیں آرزو تھی۔ اگر بادشاہ اور طبقۂ اعلیٰ کے پادریوں کا اتحاد کلیسا کے آڑے نہ آتا تو کچھ شک نہیں کہ اہل ملک بہت دن پہلے یہ اصلاح کر چکے ہوتے۔ اصلاح کلیسا کی تحریک کا ذکر ہوتے وقت یہ بات بخوبی ذہن نشین رکھنی چاہیے کہ اس کے متعدد پہلو تھے اور اسے محدود معنی میں استعمال کرنا مناسب نہیں ہے۔

اصلاح کلیسا یا تجدید دین (ریفارمیشن)

جہاں تک انگلستان کا تعلق ہے اس تحریک نے تین راستے اختیار کیے (۱) کلیسائے انگلستان کا قطع تعلق کلیسائے رومہ سے یہ در اصل ہینری کا معاملہ تھا جو طلاق کے قضیئے سے پیدا ہوا اور جس نے لازم کر دیا کہ نئے حالات کے مطابق

کلیسا کی تنظیم کی جائے۔ (۲) کلیسائے انگلستان کی خصوصاً ان خرابیوں کی اصلاح جن کا دنیاداروں پر اثر پڑتا تھا۔ اور جس میں خانقاہیوں کا توڑنا بھی شامل تھا (۳) عقائد کی ترمیم جن سے آخر میں کلیسائے انگلستان اور کلیسائے رومہ کے مابین نمایاں فرق ہوگیا۔ ان میں سے پہلے اور دوسرے مسئلے پر قوم کی توجہ ہنیری ہشتم کے زمانے میں مبذول رہی مگر تیسرے پر کچھ غور نہیں ہوا۔ بخلاف اس کے ایڈورڈ چہارم اور الزبیتھ کے عہد حکومت میں سب سے زیادہ محل غور بحث یہی مسئلہ رہا۔

واضح رہے کہ جنوبی انگلستان کا اسی دن سے کلیسائے رومہ سے تعلق ہوگیا تھا جب کہ سینٹ اوگسٹائن نے ۵۹۷ء میں یہاں لنگر ڈالا اور شمالی اضلاع ۶۶۴ء یعنی وہٹ بی کی مجلس کلیسا کے وقت سے پاپائی حلقۂ اقتدار میں داخل ہوئے۔ اس تعلق نے بتدریج باضابطہ شکل اختیار کی۔ اوّل تو پاپا ہر ملک میں کلیسائے مغربی کا جس کی ایک شاخ کلیسائے انگلستان بھی تھا، صدر مان لیا گیا پھر انگلستان کی کلیسائی عدالتوں سے پاپا کی عدالت میں مرافعے جانے کا طریقہ وجود میں آیا۔ مسیحی راہب بڑے مقدمہ باز ہوتے تھے۔ ہر چند کچھ مدت سے ملک کے روپے کا بے سُود باہر جانا لوگوں کو ناپسند ہونے لگا اور ایڈورڈ ثالث اور رچرڈ ثانی کے عہد میں قوانین امتناع سے بھی مذکورہ طریقے کی سخت قدغن کردی گئی پھر بھی یہ سلسلہ جاری رہا۔ تیسری بات یہ کہ پاپا کی طرف سے محاصل کی تحصیل عمل میں آئی۔ ایک آنہ فی کس کی رسم، جسے "پیٹرز پینس" کہتے تھے، زمانہ قدیم سے جاری تھی۔ ہنیری ثالث کے زمانے میں ہر جدید کلیسائی عہدے یا مشاہرے کی پہلی سال کی آمدنی اور بعد میں سالانہ آمدنی کا عشر بھی پاپائی خزانے کا حق قرار پایا۔ اگرچہ ۱۲۹۱ء میں اس محصول کی مجموعی مقدار مشخص کردی گئی اور وہ اصلی رقم سے اکثر کم ہوتی تھی۔ چوتھی بات یہ کہ ۱۲۱۵ء سے اُسقفی اور دوسرے عہدوں کے انتظام میں دخل حاصل کر لیا جس سے عام طور پر لوگ ناخوش ہوئے اور اس کے خلاف قانون تقررات بھی نافذ کیا گیا۔ پانچویں، خانقاہی درویشوں کے تمام سلسلے براہ راست پاپا کے تحت میں تھے اور اپنے حلقے کے اسقفوں کے بالکل پابند نہیں سمجھے جاتے تھے۔ چھٹے یہ کہ پاپائی اقتدار کی دلیل ایک وکیل مختار تھا جو کبھی خاص غرض سے بھیجا جاتا

ورنہ عموماً کسی انگریز اُسقف، جیسے مورٹن یا ولزے، کے یہ خدمت تفویض کردی جاتی تھی پاپا سے لڑائی ٹھنی تو ہینری نے ان سب تعلقات کو توڑ کر دھر دیا گو آخر تک اُس کی نیت یہ کبھی نہ تھی کہ کیتھولکی مذہب کے اصول سے ذرا بھی تجاوز ہو۔ ۱۵۲۳ء میں ولزے نے مجبوراً اقبال کر لیا تھا کہ پاپا کے وکیل کی خدمت قبول کر کے میں نے قانونِ امتناع کی خلاف ورزی کی ولزے کی وفات کے بعد ہینری نے ارادہ کر لیا کہ دوسرے علمائے دین کو دبا کے اسی قسم کا اقرار کرائے۔ چنانچہ کینٹربری اور یارک کی کلیسائی مجلسوں کو اس نے مجبور کیا کہ وہ نہ صرف مال کی ضبطی بلکہ سزائے قید کے مستوجب ہونے کا اقبال کریں اور پھر واقع میں ایک لاکھ اٹھارہ ہزار اشرفی جرمانہ وصول کیا جو اس زمانے سے دس لاکھ پونڈ سے بھی زیادہ ہے۔ آخر میں، ان مجالس کو پابند بنایا کہ آیندہ "جہاں تک شریعت مسیحی اجازت دیتی ہے" بادشاہ کو کلیسا اور علما کے حاکمِ اعلیٰ کے لقب سے خطاب کیا جائے۔ یہ کام ہو گیا تو ہینری نے کچھ مدت تک قطع تعلق کی کوئی مزید کارروائی نہیں کی بلکہ چند سال تک اور پاپا سے نامہ وپیام جاری رکھے۔

اصلاحات کلیسا

مگر اس عرصے میں پارلیمنٹ میں برابر کلیسا کی اندرونی اصلاحات اور اُن خرابیوں کو دُور کرتی رہی جن سے عام لوگ تنگ آ گئے تھے۔ ۱۵۲۹ء کے اجلاس میں انھوں نے بادشاہ کے نام ایک عرضی مرتب کی اور مذکورۂ بالا شکایات کی حسبِ ذیل تفصیل پیش کی:۔ لوگوں کو شرعی قانون کا جبراً پابند بنانا۔ کلیسا کی تکلیف دہ طلبیاں، جن سے غریبوں کو خصوصیت کے ساتھ زحمت پیش آتی تھی۔ وصیتوں کے صداقت نامے حاصل کرنے کے مصارف۔ حد سے زیادہ کلیسائی اُجرتیں اور خرد سالوں کی طرف سے معاش کا طلب کیا جانا چنانچہ پہلے ہی اجلاس میں صداقت ناموں کی اُجرت اور تاوانوں کے مناسب قاعدے مقرر ہوئے۔ یہ رسم کہ پادری مرنے والے کا بہترین برتن اور "سب سے بالائی" کپڑا جو وہ پہنے ہو، لے لیا کرتے تھے۔ موقوف ہوی۔ ایک اور ضابطہ بنایا گیا کہ کوئی پادری چار سے زیادہ رہ نہ رکھنے اور وہ بھی کم آمدنی کے، نہ پا سکے گا اور نہ اس قسم کی معاشوں کی نفع کمانے کے لئے بیع و شرٰی کا مجاز ہوگا۔

پھر ۱۵۳۲ء کے اجلاس میں مہتمم سے ادنیٰ درجے کے پادریوں کے نذرنذرانے موقوف کئے گئے اور صدر اسقف کی عدالت میں دستاویزوں کے لئے جو رقم بھرنی پڑتی تھی، وہ گھٹادی گئی۔ مرنے والوں کی زمینداری سے بیس سال سے زیادہ، دعاے مغفرت کے معاوضے وصول کرنے کا رواج موقوف ہوا۔ پادریوں کو حکم ملاکہ اپنے شرعی قوانین کو کلیسائی اور غیر کلیسائی اہل الرّاے کی ایک مخلوط جماعت میں پیش کریں اور بادشاہ کی منظوری کے بغیر کوئی نیا قانون نہ بنائیں۔ ان اصلاحات کو منظور کرنے میں دارالعوام قریب قریب متفق اللّسان تھا مگر دارالامرا میں کلیسائی اکثریت نے ان کو بدقت منظور کیا۔

اِن اصلاحات کے زمانے میں سر ٹامس مور پیشکار رہا اور طرفہ تر یہ کہ طالبانِ اصلاح پر جور و تعدّی کرنے میں بھی سب سے پیش پیش تھا۔ یہ امر متنازعہ فیہ ہے کہ پندرھویں صدی کے لالرڈ اور سولھویں صدی کے پراٹسٹنٹ فرقوں میں کس حدتک تعلّق تھا لیکن اجماعی راے یہی ہے کہ اگر ان میں کوئی تعلق تھا بھی تو بہت خفیف، اور یہ کہ انگلستان میں اصلاحِ کلیسا کی تحریک جرمانیہ ہی کے اثر سے شروع ہوئی تھی؛ اس تحریک کے سرگروہوں میں سب سے مشہور آدمی ولیم ٹن ڈول گزرا ہے

ولیم ٹنڈل

جو ۱۴۸۴ء میں پیدا ہوا اور آکسفرڈ وکیمبرج میں تعلیم پائی انجیل کے ترجمے کا اُسی کو خیال آیا اور لندن کے اُسقف ٹنس ٹال کے سامنے یہ تجویز پیش کی۔ لیکن یہاں کچھ تائید نہ ہوی تو برّاعظم جا کے لوتھر کا شریک ہوگیا اور صحائف اور کتاب مقدّس کا ترجمہ کر کے تین ہزار نسخے چھاپے اور انھیں انگلستان روانہ کیا۔ معلوم ہوتا ہے، لندن میں اسی سال ایک انجمن "برادران مسیحی" کی بنی تھی اور اسی نے یہ ترجمہ اور دوسری مذہبی کتابیں ملک میں ہر طرف شائع کیں اور اصلاح کلیسا کی بنیاد ڈالی۔ اُسقف یہ رنگ دیکھکر بہت پریشان ہوے۔ انھوں نے ٹنڈل کا ترجمہ ناپسند کیا لیکن جب تک وُلزے بر سر اقتدار رہا، اُس وقت تک برادران مسیحی کے ساتھ کوئی سختی عمل میں نہیں آئی۔ وُلزے ذاتی طور پر سختی کرنے کے خلاف تھا اور اس کے زمانے میں زیادہ سے زیادہ اتنا ہوا کہ لوگ جلوس بناکے ایندھن لے گئے اور ملحدانہ کتابوں کو جلوادیا گیا لیکن اُس کی معزولی کے بعد سر ٹامس مور نے

الحاد کی بیخ کنی کا بیڑا اٹھایا اور عجب نہیں کہ یہ ثابت کرنا چاہا ہو کہ الحاد کا قلع قمع کرنا اصلاحِ کلیسا کی خواہش سے کوئی تضاد نہیں رکھتا۔ یوں بھی مور پیشکار ہونے سے قبل نئے آزاد خیالوں سے مناظرہ کر چکا تھا اور ایک رسالے "دی سپلی کیشن آف بیگرز" نامی کا جس میں دوزخ کے عقیدے کا مضحکہ کیا گیا تھا، اس نے "دی سپلی کیشن آوف سولز" لکھکر جواب دیا اور ٹنڈل وغیرہ بعض پراٹسٹنٹوں سے بحث مباحثے کئے تھے۔ اب اُس نے قانون کی پوری قوت سے اپنے حریفوں کی بیخکنی کرنی چاہی اور اسمتھ فیلڈ میں کثرت سے ملاحدہ جلائے جانے لگے۔ مگر دوسرے ملکی معاملات کا رُخ دیکھ کر مور کچھ خوش نہ تھا، خاصکر بادشاہ کی مجوزہ طلاق اس کی رائے کے خلاف تھی، لہذا مئی ۱۵۳۲ء میں وہ عہدے سے مستعفی ہو گیا۔

کرینمر کی تجویز پارلیمنٹ تو کلیسا کی خرابیاں دور کرنے اور مور ملحدوں کو جلانے میں مصروف تھے، لیکن بادشاہ کے طلاق کے مسئلے میں پاپا سے نامہ وپیام برابر جاری رہے اور وہ ہر طریقے سے کوشش کرتا رہا کہ پاپا سے اپنے حسب منشا فیصلہ حاصل کر لے۔ اسی سلسلے میں کیمبرج کے ایک عالم، ٹامس کرینمر نے بھی ایک تدبیر بتائی۔ کرینمر، ناٹنگھم کے ایک شریف خاندان سے تھا اور جیزس کالج میں رفیقِ کلیہ رہا۔ لارڈ روشفرٹ کی امامت اور این بولین کی اتالیقی کی خدمات بھی اس نے انجام دیں ایک دن ونچسٹر کے اسقف، گارڈنر سے محض بہ سبیل تذکرہ اس نے کہا کہ بادشاہ کو جامعات کی رائے بھی حاصل کرنی چاہئے۔ ہنری کو خبر ہوئی تو کہنے لگا کہ اصلی سور یا کے کان اسی شخص نے پکڑے۔ ساتھ ہی یورپ کی تمام جامعات میں ناظروں کے ذریعے استفتا بھیجا گیا کہ آیا پاپا کسی شخص کو بھائی کی بیوہ سے شادی کی اجازت دینے کا مجاز بھی ہے؟ اگر جامعات کو ذرا بھی آزادئی رائے حاصل ہوتی تو ان کی رائیں کچھ قدر وقیمت کے قابل ہو سکتی تھیں۔ وہاں تو ہر بادشاہ اپنے اپنے ملک کی جامعات سے اپنی مرضی کے مطابق فتوے لینے پر زور ڈالتا تھا۔ لہذا یہ رائیں بالکل بے کار تھیں اور ان سے معاملے میں الٹی پیچیدگی پیدا ہوئی۔ "بادشاہ کا معاملہ برسوں تک یونہی اُلجھا رہا اور اس کے حل کی کوئی صورت نظر نہ آئی۔ لیکن جب چھ سال گزر گئے تو

ہینری اور اہل انگلستان زیادہ صبر نہ کر سکے۔ ۱۵۳۲ء میں بادشاہ نے پارلیمنٹ کو ایک قانون نافذ کرنے کی اجازت دی جس کا منشا یہ تھا کہ سالانہ اور پیٹرز پینس وغیرہ کے محاصل پاپا کو بھیجنے روک دیئے جائیں اگرچہ ہینری کو اختیار دیا گیا تھا کہ جب مناسب سمجھے دوبارہ انھیں جاری کر دے۔ قانون کا مطلب یہ تھا کہ پاپا کو انگلستان سے قطع تعلق کے مالی نقصانات کا

پاپائی محاصل کا التوا

اندازہ ہو جائے اور کلیسائے رومہ سے قطع تعلق کی یہ پہلی کارروائی تھی جو انگلستان کی پارلیمنٹ کی طرف سے عمل میں آئی۔ اسی سال ہینری، این بولین کو ساتھ لیکر فرانسس سے ملنے آیا اور غالباً اسی نے رائے دی کہ این سے شادی کر کے اس قضیئے کا خاتمہ کرے اور پاپا کو جو کچھ وہ کر سکتا ہے کر لینے دے۔ ہینری نے یہ مشورہ قبول کر لیا اور گو ٹھیک تاریخ کا علم نہیں لیکن یہ یقینی ہے کہ نومبر ۱۵۳۲ء اور جنوری ۱۵۳۳ء کے درمیان کسی تاریخ چپکے سے عقد ہو گیا۔ ہینری کی خوش قسمتی سے اسی سال صدر اسقف وارہم نے وفات پائی اور ہینری نے اس کی جگہ ٹامس کریمر کو مقرر کر دیا جس کی ارادت مندی پر پورا اعتماد ممکن تھا۔ پھر ۱۵۳۳ء کے اوائل میں پارلیمنٹ نے قانون وضع کیا کہ شادی بیاہ وغیرہ کے مقدمات جو کلیسائی عدالتوں میں پیش ہوتے تھے، اُن کا مرافعہ رومہ میں نہ ہو سکے گا۔ اس قانون نے صدر اُسقف کی عدالت کو سب سے اونچی عدالت بنا دیا اور بلا تاخیر کریمر کو ہدایت کی گئی کہ بادشاہ کی پہلی شادی کے جواز وعدم جواز کا فیصلہ کرے۔ یہ مقدمہ شروع ۱۵۳۳ء میں ڈنسٹیبل کی کچہری میں ہوا۔ کیتھرائن نے دلائل پیش کرنے سے انکار کیا اور کریمر نے جامعات کی رائے کی بنا پر شادی کو ناجائز قرار دے دیا۔ ساتھ ہی این سے بادشاہ کے عقد کا اعلان ہو گیا اور آیندہ وہٹ سنڈے کے دن کمال تزک و احتشام کے ساتھ اُس کی تاجپوشی کی رسم ادا ہوئی۔ ملکہ ہونے کے وقت اس کی عمر ۲۶ سال کی تھی۔ اس کی تصویریں آپس میں نہیں ملتیں مگر مجموعی طور پر یہ اندازہ ہوتا ہے کہ وہ مدھم رنگ کی عورت تھی اور اس کی آنکھوں میں بلا کی چمک اور معنویت بھری تھی۔ لمبے لمبے سیاہ بال حد درجہ نرم تھے۔ لیکن سیرت کے اعتبار سے این یقیناً بہت کم شائستہ تھی شادی کے قبل کئی سال تک اس کی حیثیت

ملکہ کے مقابلے میں بہت ہی ناگوار رہی اور کیتھرائن کو چھوڑ کر دوسروں کے ساتھ بھی اُس کے برتاؤ میں ایسی شوخ چشمی نظر آتی ہے جس نے بالآخر بہت لوگوں کو اس کا سخت دشمن بنا دیا۔ تاج پوشی کو اتنے دھوم دھام سے منانے میں ایک مصلحت یہ بھی تھی کہ عوام الناس کو نئی ملکہ سے حُسن عقیدت پیدا ہو جائے۔

قانون وراثت

ستمبر میں این بولین کے بیٹی پیدا ہوئی جسے آگے چل کے انگلستان کی نامور ملکہ الزبیتھ ہونا تھا۔ ساتھ ہی ایک قانون وراثت شاہی نافذ ہوا جس نے ہینری اور این کی اولاد کو بادشاہی کا وارث قرار دیا۔ اس کی عبارت میں یہ احتیاط ضرور کی گئی تھی کہ کیتھرائن کے خیر خواہوں کو حتی الامکان صدمہ نہ پہنچے۔ پھر بھی سرٹامس مور اور اسقف روچسٹر، فشر، نے اس کی پابندی کا حلف اٹھانے سے انکار کیا اور دونوں قلعۂ لندن میں محبوس کر دیئے گئے۔

قانون افضلیت

این کی تاجپوشی، الزبیتھ کی ولادت اور نئے قانون وراثت نے پاپا کو خواہی نخواہی کارروائی کرنے پر مجبور کیا۔ ہینری کو خارج از ملت کئے جانے کی دھمکی دی گئی اور شہنشاہ اگر خود اپنے جھگڑوں میں پھنسا ہوا نہ ہوتا تو عجب نہیں کہ اپنی خالہ (کیتھرائن) کی حمایت میں انگلستان سے لڑنے مرنے پر کمربستہ ہو جاتا۔ بہرحال آشتی کی اب کوئی امید نہ تھی اور اگلے ہی سال ہینری نے ایک اور "قانونِ افضلیت" نافذ کرایا جس میں ۱۵۳۰ء کی قرارداد کی شرطیں بھی اُڑا دیں اور بادشاہ آیندہ سے "کلیسائے انگلستان کا خلیفۃ اللہ فی الارض" مخاطب کیا جانے لگا اگرچہ اتنا اضافہ کر دیا گیا تھا کہ اس قانون سے بادشاہ اور پارلیمنٹ کا یہ منشا نہیں ہے کہ مسیحی کلیسا کے معاملات میں مذہب کیتھولک کے ارکان دین، یا دوسرے عقائد سے جن کی کتاب مقدس یا خدائی اقوال نے تعلیم دی ہے اختلاف یا انحراف کیا جائے گا۔

روما سے کامل قطع تعلق

اس مشہور قانون افضلیت نے کلیسائے انگلستان کو کلیسائے روما سے منقطع کرنے کی کارروائیوں کو مکمل کر دیا۔ وُلزے کی معزولی کے بعد سے "قانونِ امتناع" پر جس شدت سے عملدرآمد ہوا اس نے پاپا کے کلیسائے انگلستان کے اندرونی معاملات میں

دخل دینے کا سدِ باب کر دیا۔ ۱۵۳۳ء میں روم جو محاصل بھیجے جاتے تھے وہ موقوف ہوئے۔ ۱۵۳۳ء میں مرافعوں کو روک دیا گیا۔ ۱۵۳۴ء کا تازہ قانون اس سلسلے کی گویا تکمیل تھا۔ مگر قطع تعلق کے بعد نئے حالات کے مطابق بعض نئے قاعدے اور ضابطے بنانے ضروری تھے۔ چنانچہ پاپائی اختیارات بادشاہ اور کنٹربری کے صدر اسقف میں تقسیم کر کے ۱۵۳۵ء میں کروم ویل کو صدر ناظم کلیسا (Vicar general) بنانے کا اعلان کر دیا گیا۔ سالیانے وغیرہ پادریوں سے بدستور سابق وصول کئے جاتے رہے پہلے تو ممکن ہے ان کے دوبارہ پاپا کے پاس بھیجے جانے کا خیال ہو لیکن آگے چل کے یہ بادشاہ کے مداخل کی مستقل مد بن گئے۔ استقفوں کے انتخاب میں بھی پاپا کی رائے کو کوئی دخل نہ رہا۔ جیسا کہ ہم اوپر پڑھ آئے ہیں پندرھویں صدی میں یہ انتخابات بادشاہ اور پاپا دونوں کی متفقہ مرضی سے ہوتے رہے اور ان میں جو زیادہ با اثر ہوتا اسی کی رائے چل جاتی لیکن اب صرف بادشاہی کی مرضی قانون کے مرادف ہو گئی اور کوئی مجلس کلیسا اس کے خلاف رائے دیتی تو اس کے جملہ شرکا قانونِ امتناع کی سزاؤں کے مستوجب بن جاتے تھے۔ اگرچہ ایسی نوبت ہی کبھی نہ آئی "افضلیت" کا ٹھیک مطلب پوری طرح ذہن نشین کرنے کی غرض سے ہینری نے ۱۵۳۵ء میں تمام استقفوں کو پہلے معطل اور پھر اپنے حکم سے دوبارہ بحال کیا۔

اصلاحِ کلیسا کی تحریک کے ایک پہلو کا سب سے اہم جزو یہی قانونِ افضلیت تھا اور اہل ملک نے اس کا جس طرح استقبال کیا وہ بادشاہ کے ساتھ اُن کی وفاداری کا اندازہ دکھاتا تھا۔ جس زمانے میں وہ زیر غور و بحث تھا، اس وقت رائے عامہ پر اثر ڈالنے کی بڑے اہتمام سے کوشش کی گئی۔ اساقفہ اور درویشوں کو مجبور کیا گیا کہ یہ خیال لوگوں کے دلنشین کریں کہ ممالک غیر کے دوسرے استقفوں کی مثل روم کے اسقف (پاپا) کو بھی انگلستان میں کوئی اقتدار حاصل نہیں ہے۔ میرانِ بلد وغیرہ عمّال کو حکم ملا کہ سرکاری جلسوں اور جملہ عام تقریبات میں یہی خیال ظاہر کریں۔ یہاں تک کہ ایک گشتی مراسلہ حکامِ عدالت کے پاس بھیجا گیا جس میں پادریوں پر یہ نگرانی رکھنے کا حکم تھا کہ وہ رسمی اور بادلِ ناخواستہ

طور پر نہیں بلکہ دل سے پاپا کی یاد محو کرنے میں کوشاں ہیں۔ جب قانون مذکور نافذ ہوا تو مجموعی طور پر لوگوں نے اسے پسند کیا بلکہ بظاہر اُس کی مخالفت اتنی کم ہوئی کہ تعجب ہوتا ہے۔ اصل میں عام باشندوں کو تو کچھ اس سے سروکار نہ تھا کہ اہلِ کلیسا اپنا سرگروہ بادشاہ کو سمجھتے ہیں یا پاپا کو اور عمّالِ دینی نے بھی عموماً بغیر چون وچرا کے یہ تغیّر قبول کر لیا۔

مخالفین کا حشر

جن لوگوں نے مخالفت کی اُن میں تین صورتیں خاص طور پر حکومت کی توجّہ کی مستحق ثابت ہوئیں۔ یعنی "چارٹر ہوس" لندن کے راہب، فشر، اسقف روچسٹر اور سر ٹامس مور کی مخالفت۔ کہ یہ اپنے اپنے حلقوں میں خاص امتیاز رکھتے تھے اور ان کے اثر سے دوسروں میں بھی قانون کی مخالفت پھیلنے کا اندیشہ تھا۔ فشر، ہینری ہفتم کی ماں، مارگریٹ کا سامع اقرار تھا اور اسی کی ترغیب سے مارگریٹ نے کیمبرج میں سینٹ جان اور کرائسٹ کالج کی بنیاد رکھی اور علوم دینی کے اساتذہ مقرر کئے تھے خود روما میں فشر نہایت مقبول تھا اور اُس کی گرفتاری کی خبر وہاں پہنچی تو پاپا نے نادانی سے اسے کارڈینال منتخب کر لیا جس پر ہینری کو اور غصہ آیا کہنے کو تو فشر کا قصور صرف یہ تھا کہ بادشاہ کی دینی سرداری قبول کرنے میں اس نے تامّل کیا لیکن تحقیق ہوا ہے کہ وہ در پردہ پاپا کو یہ مشورے لکھ رہا تھا کہ انگلستان پر باقاعدہ فوج کشی کی جائے اور یہ قطعی غدّاری کا فعل تھا۔ اس میں شبہ نہیں کہ ہینری اِن سب مخالفین کو خوشی سے معاف کر دیتا لیکن ان کی استقامت میں کوئی فرق نہ آیا اور بالآخر دس راہبوں کو سولی دی گئی۔ فشر ۲۲ جون کو اور مور ۶ جولائی (سنہ ۱۵۳۵ء) کے دن قتل کرادئے گئے۔

ٹامس کروم ول

ان سب کارروائیوں میں ولزے کا پرانا نوکر کروم ول ہینری کا دستِ راست رہا۔ یہ انگلستان میں سب سے پہلا نامی معتمدِ مملکت گزرا ہے۔ پٹنی کے ایک معمولی آہن گر کے ہاں سنہ ۱۴۸۵ء کے قریب پیدا ہوا اور مختارکاری اور محاسبی کی تعلیم حاصل کی لیکن سنہ ۱۵۰۴ء میں انگلستان کے باہر گیا اور کچھ مدّت تک اطالیہ کی لڑائیوں میں شریک رہا۔

اینٹ ورپ میں کاروبار کرنے کے بعد وہ پھر وطن آیا اور لندن میں مختارکاری کے ساتھ ساہوکاری اور اُدن کا لین دین کرنے لگا۔ اسی کاروبار میں وُلزے سے شناسائی ہوئی اور اس نے یارک کے حلقے میں اسے محصل مقرر کرا دیا۔ خانقاہوں کے اوقاف توڑ کر کارڈنل کالج میں منتقل کرنے کی خدمت بھی اسی سے لی گئی۔ ۱۵۲۳ء کی پارلیمنٹ میں بھی اس نے نام پایا۔ وُلزے کی معزولی کے بعد وہ بادشاہ کی ملازمت میں داخل ہوا۔ ہینری نے اس کی لیاقت کی بڑی قدر کی اور آیندہ دس برس تک کلیسائی معاملات میں اتنا صاحب رسوخ کوئی غیر کلیسائی آدمی نہ ہو گا جتنا کروم ویل تھا۔

ہیوے لٹمر کروم ویل کے ساتھ ہیو الے ٹمر کا نام آتا ہے وہ لیسٹر کے زمیندار کا بیٹا تھا جو بلیک ہیتھ کی جنگ میں شریک ہوا۔ چودہ سال کی عمر میں لے ٹمر کیمبرج آیا۔ ۱۹ ویں سال کلیرہال کا رفیق کلیہ مقرر ہوا اور ملانک تھن کے خلاف مضمون لکھکر اپنی جنگجویانہ زندگی آغاز کی۔ ۱۵۲۰ء میں کلیسائی خرابیوں پر جیسی اسے نظر آتی تھیں لکھنا شروع کیا اور وعظ میں اپنی لیاقت و بیخوفی کے باعث بہت جلد مشہور ہونے لگا۔ ایلی کے اسقف نے اسے چپکا کر دینے کی کوشش کی تھی لیکن ولزے لے ٹمر کی دلیری سے خوش ہوا اور اسے وعظ کہنے کی آزادی دے دی۔ ولزے کی بساط اُلٹی تو خوش قسمتی سے خود بادشاہ نے ٹمر کا مربی بن گیا اور اس کی خوشگوئی اور بیباکی کی یہ قدر کی کہ اپنا امام مقرر کر لیا۔ ۱۵۳۲ء میں اسقفوں نے جل دے کے اُس سے الحاد کا اقبال کرانا چاہا تھا، اس وقت بھی بادشاہ نے جان بچائی اور ۱۵۳۵ء میں ورسٹر کا اُسقف بنا دیا۔

بادشاہ کی نئی بیویاں بادشاہ کی دوسری شادی کچھ سازگار نہ ثابت ہوئی۔ آرزو بیٹا ہونے کی تھی لیکن سوء اتفاق سے این کے دو بیٹے مردہ پیدا ہوے اور تیسرا ابھی جنوری ۱۵۳۶ء میں مر گیا۔ ہینری کو بڑی مایوسی ہوئی اور ادھر این کا ایک گروہ مخالف تیار ہو گیا۔ قدیم امرا تو اُس کی نخوت کی بنا پر متنفر تھے اور ہسپانیہ پسند گروہ اُسے اتحاد فرانس کا حامی جانتا تھا پروٹسٹنٹ

فرقے کی طرفداری نے راسخ العقیدہ کیتھولکوں کو اس سے بیزار کر دیا اور جنوری ۱۵۳۶ء میں ملکہ کیتھرائن مری تو شدّ و مد سے کہا جانے لگا کہ اُسے این نے زہر دلوا دیا ہے۔ مگر اپریل ۱۵۳۶ء میں یکایک افواہ اُڑی کہ ملکہ زنا کی مرتکب ہوی اور اسکے ساتھ پانچ اشخاص گرفتار کیئے گئے۔ این کی سماعت اُس کے ہمچشموں نے کی اور دوسرے ملزمین کا مقدمہ جوری میں پیش ہوا لیکن سب مجرم ثابت ہوے اور قتل کی سزا پائی۔ یہ سارا معاملہ کچھ ایسا گومگو میں رہا کہ یہ کہنا محال ہے کہ واقعی وہ اس جرم کبیرہ کی مجرم تھی یا محض دشمنوں کی سازش کا شکار ہوی مگر اس میں کلام نہیں کہ خود ہینری اس کے خلاف شہادت کو صحیح سمجھتا تھا۔ بہر حال، این کے عبرت آموز خاتمے نے وراثت کے مسئلے کو اور پیچیدہ کر دیا۔ اسی کے ساتھ کیتھرائن، و این کی موت سے یہ موقع ضرور نکل آیا کہ بادشاہ ایک اور شادی کرے جس کے جواز میں کوئی شک شبہ نہ ہو۔ چنانچہ تھوڑے ہی دن میں جین سے مور سے اس نے شادی کی اور ۱۵۳۷ء میں اس کے بطن سے ایڈورڈ پیدا ہوا۔ مگر افسوس ہے یہ ملکہ بھی اس ولادت کے بعد زیادہ نہ جی اور آیندہ دو سال تک ہینری رنڈوا رہا۔

خانقاہیں

ہم اوپر پڑھ چکے ہیں کہ ولزے خانقاہوں کی اصلاح ضروری سمجھتا تھا۔ پاپای اقتدار کے دُور ہونے سے یہ خانقاہیں بھی بادشاہ کے تحت انتظام آگئیں اور غالباً سب سے زیادہ انھی کے راہبوں کو یہ تغیر ناگوار گزرا اور مخالفت پر سب سے بڑھ کر کمربستہ نظر آنے لگے۔ یوں بھی ان کی اصلاح کی ضرورت سالہا سال سے مسلّم تھی اور مورٹن، وارہم اور وُلزے نے جو اپنی باری معاینے کیئے اُن سے بڑی بڑی خرابیوں کا راز فاش ہوا مگر اصلاح کی کوئی کارگر صورت نہ بن پڑی تھی۔ ان سب وجوہ کو پیش نظر رکھکے، ہینری نے ۱۵۳۵ء میں کروم ویل کی معرفت لے، لے ٹن اور اپ رائس کی ایک تحقیقاتی جماعت کو حکم دیا کہ خانقاہوں کا معاینہ کرے اہل معاینہ جوان عمر، مستعد اور بڑے بے جھجک لوگ تھے انھوں نے کار مفوضہ کو پوری پوری طرح انجام دیا اور ۱۵۳۶ء میں پارلیمنٹ کا اجلاس ہوا تو ان کی مرتبہ کیفیت

دار العوام کی میز پر رکھدی گئی اور "خانقاہوں کا نامۂ سیاہ" (دبلیک بک) موسوم ہوی ۔ ملکہ میری کے عہد میں اس کے جتنے نسخے مل سکے سب تلف کروئے گئے اس لئے اب اصل تحریر تو محفوظ نہیں ہے لیکن اہل تحقیقات کے خطوط سلامت رہ گئے ہیں اور پرانے معاینوں کے حالات کے ساتھ ملا کر پڑھا جائے تو ان عبادت خانوں کی اصلی حالت واضح ہو جاتی ہے ۔ بظاہر بڑی خانقاہوں کا انتظام فی الجملہ خاصا تھا ۔ اگرچہ مالی حالت عموماً خراب تھی ۔ لیکن چھوٹی خانقاہوں کی کیفیت ناگفتہ بہ تھی اور وہ شرمناک ترین بدکاریوں کے مسکن بن گئے تھے اہل تحقیقات نے خود بھی اصلاح کرنے میں کمی نہیں کی اور ۲۴ سال سے کم عمر کے راہبوں اور ۲۱ سال کم عمر کی کنواریوں کو اجازت دی کہ اگر وہ چاہیں تو خانقاہ چھوڑ کر چلی جائیں اور جو لوگ سکونت گزیں رہے ان کو بھی ہر جگہ تاکید کی کہ خانقاہوں کے اندر ہی رہیں اور اپنے طریقے کے اصول و قواعد کی پوری پابندی کریں ۔ بایں ہمہ پارلیمنٹ میں جو مفصل کیفیت پیش ہوی اور بداخلاقیوں کی ہمہ گیری کا لوگوں کو اندازہ ہوا ، تو ارکان مجلس نے یہی فیصلہ کیا کہ ان کی اصلاح و بہتری ناممکن ہے اور تیس خانقاہوں کو چھوڑ کر جن پر کوئی الزام نہ تھا ، باقی دو سو پونڈ سالانہ سے کم آمدنی کی تمام (یعنی ۳۷۶) خانقاہیں توڑ دی گئیں اور ان کی آمدنی مداخل شاہی کا جزو ہو گئی ۔ ان میں رہنے والوں کو اجازت مل گئی کہ یا تو کسی بڑی خانقاہ میں ورنہ جہاں جی چاہے چلے جائیں اور حلقے کے معمولی ملّا کی آمدنی کے برابر ان کا وظیفہ مقرر کر دیا گیا ۔ اس وقت تک بڑی خانقاہوں کو چھیڑنے کا کوئی ارادہ نہ تھا گو لنڈن کے اسقف اسٹوکس لی نے اسی زمانے میں کہہ دیا تھا کہ یہ کھوکلے درخت (= اوک) بھی اب زیادہ دن قائم نہیں رہ سکتے ۔ اس چکر میں زیادہ ترین ڈک ٹی ، کلیونی اور سسٹر سی فرقوں کی خانقاہیں آئیں اور انھی میں تکنئے بھی شامل تھی ۔

بادشاہ کی ان کارروائیوں پر مخالفت کا ہونا یقینی بات تھی ۔ قدیم ہسپانوی گروہ کو جو کیتھرائن اور شہنشاہی اتحاد کا طرفدار تھا ، پہلے ہی بہت صدمہ تھا اور کلیسائی اصلاح نے ادنیٰ درجے کے پادریوں میں ناراضی پھیلا دی تھی ۔

خانقاہوں کے توڑنے سے مخالفین کی تعداد میں تازہ اضافہ ہوا اور شہرۂ آفاق دوشیزۂ کینٹ کے معاملے میں علانیہ انحراف کی پہلی کوشش عمل میں آئی یہ لڑکی،

دوشیزۂ کینٹ

الزبیتھ بارٹن نامے، معمولی خادمہ تھی جس پر دورے پڑا کرتے تھے مگر بڑ میں بعض مذہبی باتیں کہنے کی بدولت اُسے لوگوں نے غیب داں سمجھ کر ایک خانقاہ میں داخل کرادیا تھا۔ اُس کی پیش گوئیوں کی وُلزے کو خبر دی گئی اور دو چار مرتبہ فشر و ٹامس مور نے بھی سنجیدگی سے اس کا امتحان کیا تھا۔ آخر میں صاف معلوم ہوگیا کہ بعض پادریوں نے اُسے آلۂ کار بنا رکھا ہے اور بادشاہ کی طلاق اور کلیسائے رومہ سے قطع تعلق کو برا بھلا کہنا سکھا دیتے ہیں۔ کروم ویل نے بازپرس کی تو اُس نے فریب کا اقبال کرلیا اور ۱۵۳۴ء میں اپنے ساتھیوں سمیت قتل کرادی گئی۔ اگلے برس بھی اوّل سے آخر تک شہنشاہ کے مجوزہ حملۂ انگلستان کے متعلق ہنڈیا پکتی رہی اور کہا جاتا ہے کہ ایک نہ دو، پورے پندرہ انگریز امیر اس سازش میں شرکت پر آمادہ تھے۔ جنوری ۱۵۳۶ء میں کیتھرائن کی وفات سے یہ منصوبہ تو ختم ہوگیا تاہم ہر طرف ناراضی کے جذبات پھیلے رہے اور اس آتش گیر مادے کے بھڑک اُٹھنے میں صرف چنگاری دکھانے کی کسر نظر آتی تھی۔

سب سے بڑھ کر بےچینی انگلستان کے شمالی پرگنوں میں تھی۔ اور یوں بھی ٹرنیٹ کے اوپر کا علاقہ جنوبی اضلاع سے اتنا مختلف تھا کہ یہ دو جداگانہ مُلک معلوم ہوتے تھے۔ اہل شمال کو اسکوٹی حملوں اور لڑائیوں کی بربریت نے سخت دل بنادیا تھا اور بڑے بڑے جاگیرداروں سے اُن کی وابستگی بھی قائم تھی، لہٰذا وہ جنوب کے شہریوں کو نفرت سے دیکھتے اور ان پر حملہ و غارت گری کے لئے ایسے ہی آمادہ رہتے تھے جیسے محاربہ گلابوں والی لڑائی کے زمانے میں تھے۔ علاوہ ازیں ان کی ناراضی کی بعض خاص وجوہ بھی موجود تھیں۔ اول تو خانقاہیں اُن میں زیادہ مقبول اور ان کی دماغی حالت کے بھی زیادہ مناسب تھیں۔ دوسرے اضلاع کی بجائے لندن میں مقدمات کی سماعت کا قاعدہ بن جانے سے انھیں بہت زحمت پیش آنے لگی تھی۔ چھوٹے بیٹوں اور بیٹیوں کے لئے

جاگیردار جو نذرانے وغیرہ وصول کیا کرتے تھے، آئینِ حقوقِ موروثی کی بدولت اس میں بہت کچھ کمی آگئی۔ پرانے امرا کو کروم ویل جیسے نو دولتے کے قدیم امرا کے ساتھ بٹھائے جانے سے سخت ناگواری پیدا ہوئی۔ اور آخری سبب ناراضی کا یہ ہوا کہ اون کی قیمت بڑھ جانے سے زراعت کی بجائے بھیڑیں پالنے کا رواج بڑھ گیا جس نے ایک طرف تو مزدوروں کی مانگ گھٹائی اور دوسری طرف شاملات کی اراضی کی زیادہ سختی سے حد بندیاں ہونے لگیں اور ان دونوں باتوں سے غریبوں کو بہت تکلیف اٹھانی پڑی۔ ان اسباب نے امرا، متوسطین اور عوام سب کو شاکی بنا دیا اور اب صرف یہ دیکھنا رہ گیا کہ حکومت کے خلاف یہ سب متحد بھی ہو سکیں گے یا نہیں؟ اصلی شکایتوں کے علاوہ طرح طرح کی افواہیں الگ لوگوں کو پریشان کرتی رہتی تھیں۔ کروم ویل کی ایک عمدہ تجویز یہ تھی کہ ہر علاقے میں وہاں کے باشندوں کی فہرستیں مرتب کی جائیں مگر لوگوں نے اس کے یہ معنی لگائے کہ شادی بیاہ اور اصطباغ پر محصول لیے جائیں گے اور یہاں تک کہا گیا کہ آیندہ خراج دیئے بغیر کسی کو گوشت کھانا تک نصیب نہ ہوگا۔ ان بدگمانیوں اور بدگوئیوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ لنکن شہر سے ہنگامہ و فساد کا سلسلہ شروع ہوا اور یارک شر و کمبرلینڈ تک پھیل گیا۔ اکتوبر ۱۵۳۶ء سے فروری ۱۵۳۷ء تک سارے شمالی اضلاع میں خلفشار رہا۔

ہنگامے لنکن شر میں فتنہ و فساد صرف پادریوں اور عوام تک محدود تھا۔ اس میں کوئی تنظیم و باقاعدگی نہ تھی چنانچہ ہزاروں کی تعداد میں مسلح ہو کر جمع ہونے کے باوجود امیرِ کبیر سفک کی آمد سنکر سب منتشر ہو گئے۔ لیکن یارک شر میں معاملہ زیادہ سنگین ہو گیا اور فسادیوں نے "مسافرتِ فی سبیل اللہ"¹ کا نام اختیار کیا۔ اس کے سرغنہ خاندانی لوگ تھے۔ خود امیر کمبرلینڈ کا عمزاد بھائی روبرٹ ایسک تنظیم میں پیش پیش رہا اور نواب ڈارسی اور سر جان گلونس ٹیبل جیسے لوگ معین و مددگار ہو گئے۔ اول الذکر فنِ سپاہ گری میں مہارت

---

¹ (Pilgrimage of Grace) جس کا "سفرِ رحمت" بھی ترجمہ کیا گیا ہے۔ مترجم

رکھتا تھا۔ شمال کے اکثر بہترین خاندان اہل شورش کے پشت پناہ بن گئے اور
انھوں نے باضابطہ منصوبہ بنا کے پہلے چیدہ فوج سے ڈون کاسٹر پیش قدمی
کی۔ اُن کا مطالبہ یہ تھا کہ مذہبی اوقاف واگذاشت کئے جائیں۔ کمین رعیت
کی اولاد کو مجلس شاہی میں دخل نہ رہے۔ اور ملحد استقفوں کو برطرف کرکے سزا
دی جائے۔ قصبۂ ڈون کاسٹر کی حفاظت کے لئے ان کا شہزادہ نارفک سے
مقابلہ ہوا جو ڈون ندی کے کنارے کمتر جمعیت لئے مقیم تھا۔ لیکن ایسکے کشت وخون
سے بچنا چاہتا تھا اور خود بادشاہ نے آشتی میں مصلحت دیکھکر نارفک کو اجازت
دی تھی کہ باغیوں کو معافی دے اور یارک میں پارلیمنٹ بنا دینے کا وعدہ کرلے۔
غرض صلح صفائی ہو گئی اور فوجوں کے ہتھیار کھلوادئے گئے۔ بادشاہ نے متوسطین
کو دوبارہ خوش کرنے کی پوری کوشش کی کہ مخالفین کی قوت منقسم ہو جائے۔ اسی
اثنا میں کمبرلینڈ اور ویسٹ مورلینڈ میں فساد ہو گیا اور مفسدوں نے کارلائل
پر حملہ کیا۔ اسی کے ساتھ یارک شئر میں مشہور ہو گیا کہ بادشاہ نے محض فریب سے
کام نکالا تھا۔ لہذا وہاں از سر نو ہلچل پیدا ہوئی اسی بات کو حیلہ بنا کے ہینری نے
ایسکے اور دوسرے سرگروہوں کو گرفتار کرلیا اور عدالت میں ثابت ہوا کہ اُن کے
قبضے میں اُس وقت تک توپ خانہ موجود ہے جو دراصل بادشاہ کی ملکیت تھا۔
تب غداری کے جرم پر ایسکے، ڈارسی، کانسٹیبل اور چار سجادہ نشینوں اور کئی
اور سرگروہوں کو مروا دیا گیا۔ لیکن ان مقامات کے سوا دوسری جگہ باغیوں سے
عموماً نرمی برتی گئی۔ بے شبہ یہ بڑا نازک موقع آگیا تھا۔ اور اگر اس وقت باغیوں
کو شہنشاہ کی طرف سے مدد مل جاتی یا وہ کسی تخت کے معقول مدعی کو میدان میں
لا سکتے تو عجب نہیں کہ نتیجہ کچھ اور ہوتا۔ مذکورۂ بالا حالات میں تو ان کی کوششیں
بے سود نکلیں۔ یارک میں پارلیمنٹ کا انعقاد نہیں ہوا۔ البتہ شمال کے لئے
عدالت شاہی کی ایک مستقل ذیلی جماعت مقرر کر دی گئی کہ سال کے چار مہینے میں
یارک، ہل، ڈرہم اور نیوکاسل میں اجلاس کرے اور اُن مقدمات کی جو سابقہ
قاعدے کے بموجب لندن میں پیش ہوتے، وہیں سماعت کرلے۔ اس عدالت
کا صدر نشین، اضلاع شمال میں بادشاہ کا نائب سمجھا جاتا اور وہاں کے نظم ونسق

رہا لیکن جاگیرداروں کی طرف سے اولیا پر جو رسوم عائد کی جاتی تھیں انھیں عدالت مال کی عام نگرانی بھی اس کے تفویض ہوتی تھی حقوقِ وراثت کا قانون رسمی طور پہ نافذ نے عملاً جائز رکھنے کی صورتیں نکال لیں اور اس طرح اصلی شکایت رفع دفع کردی۔

خانقاہوں کا خاتمہ

باغیوں نے اپنی تحریک کا نام مسافرت فی سبیل اللہ رکھا تھا لیکن جہاں تک خانقاہوں کا تعلق ہے، یہ ہنگامے ان کا خاتمہ کرنے میں تاخیر کی بجائے تعجیل کا سبب بن گئے۔ اکثر اہل خانقاہ جن کے دل میں چور تھا، بادشاہ کو رضامند کرنے کی فکر کرنے لگے۔ اہل تحقیقات نے خانقاہ میں رہنے والوں کو جن شرطوں کا پابند کیا تھا، اُن سے وہاں زندگی گزارنی دوبھر معلوم ہونے لگی۔ پھر بہت ممکن ہے کہ اعلیٰ درجے کے راہبوں کے واسطے بادشاہ نے جو فیاضانہ وظائف مرعی رکھے تھے، ان کا بھی کافی اثر پڑا ہے۔ بہرنوع، ۱۵۳۶ء میں ہم بڑی بڑی خانقاہوں کو یکے بعد دیگرے اپنی املاک بطور خود بادشاہ کے حوالے کرتے دیکھتے ہیں۔ ان میں سب سے پہلی خانقاہ فرنیس کی تھی۔ بعض خانقاہ والے اس بہلاوے میں آ گئے کہ رسمی طور پر املاک پیش کریں گے تو وہ پھر واگزاشت ہو جائیں گی۔ بعض اوقاف کو سجادہ نشینوں کی فتنہ پردازی کی بنا پر زبردستی ضبط کر لیا گیا۔ غرض ۱۵۳۹ء سے بھی پہلے یہ سب بادشاہ کی تحویل میں آ گئیں۔ راہبوں کے ساتھ بڑی رعایت کی گئی۔ ٹیوکس بری میں صاحب خانقاہ یا متولی کو ڈھائی سو اشرفی سے کچھ زیادہ خلیفہ (= پرائر) کو سولہ اور راہبوں کو ۱۳ سے کوئی پونے سات اشرفی تک سالانہ کے وظیفے مل گئے اور وہ اشرفی ہمارے زمانے کے پونڈ سے تقریباً پندرہ گنی سمجھی جا سکتی ہے۔ خانقاہوں کا اثاث البیت فروخت کر دیا گیا مگر پیسے کے سوائے کچھ زیادہ مال نہ نکلا۔ اراضی بادشاہ کی ملکیت میں داخل ہو گئیں۔

اتنی وسیع املاک (جن کی سالانہ آمدنی ہمارے زمانے کے حساب سے تخمیناً ۶۵ لاکھ پونڈ تھی) ہاتھ آنے سے عمدہ موقع میسر آ گیا تھا بعض لوگ کہتے تھے کہ اس روپیے سے اسقفوں کی تعداد بڑھا دی جائے اور مدارس و کلیات بنائے جائیں۔ بعض کا خیال تھا کہ محاصل میں تخفیف اور ساحلوں پر قلعہ بندی کی جائے۔

لیکن ہینری کو ان کا سب سے اچھا مصرف یہ نظر آیا کہ اُس روپے سے اصلاح کلیسا کی حمایت کے لئے ایک باقاعدہ گروہ تیار کیا جائے۔ چنانچہ اراضی کو ہمسایے کے جاگیرداروں یا اپنے درباری رفیقوں کے ہاتھ کم قیمت پر فروخت کر دیا۔ ویسٹ منسٹر، اکسفرڈ، چیسٹر، گلوسٹر، برسٹل اور پیٹربرو میں ۶ نئی استقفیاں بھی قائم کی گئیں اور ان کے انتخابی حلقے مرتب کرنے کی غرض سے، بن ڈکٹی فرقے کی ۶ خانقاہوں کی تاسیس عمل میں آئی نگران کے ارکان کلیسائی علما نہ ہوتے تھے۔ اسی طرح کینٹربری وغیرہ کے کلیساؤں کے ساتھ جو خانقاہیں تھیں، ان کی مذہبی نوعیت کو بدل کر دنیاوی بنا دیا گیا۔ کچھ روپیہ ساحلوں کی قلعہ بندی میں بھی خرچ ہوا۔ مگر مجموعی طور پر زیادہ تر اراضی مختلف افراد کی ملکیت میں منتقل ہو گئیں اور بیس برس بعد بیان کیا جاتا تھا کہ بیس ہزار خاندان، جن کا ان اراضی سے تعلق ہو گیا ہے، چاہتے ہیں کہ وہ انھی کے قبضے میں رہنے دی جائیں۔ ہینری اور اس کے جانشینوں نے بعض کو عطا کئے لیکن زیادہ تر یہ اراضی چھوٹے چھوٹے قطعات ہی کی صورت میں لوگوں کے ہاتھ آئی۔ اس حکمت عملی کا اثر یہ ہوا کہ باشندگان ملک کا ایک معقول طبقے کی دنیاوی اغراض اصلاحِ کلیسا کی تحریک سے وابستہ ہو گئیں اور قدیم طور طریق کے بحال کرنے کے راستے میں گویا سدِ سکندری بن گئیں۔ ادھر خود خانقاہوں کے توڑنے سے مختلف اور بہت کچھ نتائج رونما ہوئے۔ اوّل تو سجادہ نشینوں کے ہٹنے سے دارالامرا میں اہل مذہب کی اکثریت قائم نہ رہی اور اسی نسبت سے دارالامرا کی وقعت بڑھ گئی۔ خانقاہی اراضی کی تقسیم سے بہت سی نئی زمینداریاں قائم ہوئیں اور یہ مالکانِ زمین اہل خانقاہ کی نسبت زیادہ محنتی تھے، تو اسی کے ساتھ طماع بھی زیادہ تھے اور چراگاہوں کی اُجرت اور احاطہ بندی کی مصیبت بڑھ گئی۔ خرید برآں، بیمار و ساکین جنھیں خانقاہوں سے خیرات ملا کرتی تھی، اس امداد سے محروم ہو گئے اور جو آفت پہلے سے کچھ کم نہ تھی، اس میں اضافہ ہو گیا۔ بایں ہمہ اہل اصلاح کے نزدیک خانقاہوں کا توڑا جانا، رحمتِ کاملہ سے کم نہ تھا چنانچہ اس صدی کا متقشف شاعر اسپنسر کہتا ہے؛ ع

The Thirsty land drank up his blood his corselay on the strand

یعنی: پیاسے ملک نے اس کا خون پی لیا اور اس کی لاشں کنارے پر پڑی رہی۔

شہنشاہ چارلس نے مسافرین فی سبیل اللہ کی کوئی اعانت نہیں کی تاہم ممالکِ نشیب (ندرلینڈز) کی طرف سے حملے کا اندیشہ موجود تھا۔ اور

خاندانِ پول کی سازش

۱۵۳۸ء میں ایک بڑی جدید سازش کا انکشاف ہوا۔ اس تحریک کا مرجع، رجی نالڈ پول، تھا۔ اس کی ماں امیر کیبر کلیرنس کی بیٹی مارگریٹ، بیگم سالسبری تھی جس نے بعد میں رچرڈ پول سے شادی کی۔ خود رجی نالڈ پول ہنری ہشتم کا بڑا منظورِ نظر تھا اور انیس سال کی عمر سے قبل ہی اسے بعض کلیسائی عُہدے مرحمت ہوئے تھے۔ ابتدا میں وہ بادشاہ کی طلاق کا موید تھا لیکن بعد میں اس کے خلاف ایک رسالہ لکھا اور ایک کلیسائی اتحاد پر بھی ایک لاطینی مقالہ سپردِ قلم کیا۔ اسی کے صلے میں پاپا نے اُسے کارڈنیال اور ہنری کو "خرابیٔ خون" کا مجرم قرار دیا۔ ۱۵۳۶ء میں پاپا نے اُسے ندرلینڈز بھیجا کہ چارلس کو انگلستان پر حملہ کرنے کی دعوت دے۔ ان کارروائیوں نے خواہ مخواہ پول کے عزیزوں کو بھی مشتبہ بنا دیا۔ رجی نالڈ کا بڑا بھائی ہینری پول (= لارڈ مونٹیگو) نویل خاندان کے امیر ابرگاوینی سے بیاہا اور گیتھرائن بنت ایڈورڈ چہارم کے ایک بیٹے امیر ایکزیٹر کا بڑا یارِ غار تھا۔ اس امیر کا مغربی اضلاع میں وہی اثر و اقتدار تھا جو ہوورڈ خاندان کا نارفک میں، یا پرسی خاندان کا نارتھمبرلینڈ میں۔ لہذا ایڈورڈ کی شاخ کے ایک مقتدر فرد کو نویل خاندان سے متحد کرنے کی کوشش نہایت مخدوش پہلو رکھتی تھی خصوصاً ایسی صورت میں کہ کوئی بیرونی حملہ بھی واقع ہو۔ لیکن کرومویل ان باتوں سے غافل نہ تھا اور رجی نالڈ کا چھوٹا بھائی جیوفری بادشاہ سے مل گیا جس کی شہادت پر ایکزیٹر اور مونٹیگو غداری کے مجرم ثابت ہوئے اور ۱۵۳۹ء میں

ان کا سر قلم کرا دیا گیا۔ مارگریٹ بیگم سالسبری بھی اسی مقدمے میں شریک سمجھی اور قلعۂ لندن میں محبوس کر دی گئی مگر اس پر مقدمہ دو سال بعد ۱۵۴۱ء میں چلا اور قتل کی سزا ملی [۱]۔

مذہبی فرقہ بندی

ادھر ملک کے کلیسائی تغیرات و ممالک یورپ کے مذہبی مناقشوں کا قدرتی اثر تھا کہ اہل انگلستان بہت جلد دو فرقوں میں تقسیم ہونے لگے۔ ایک تو وہ جو روما سے بخوشی قطع تعلق کرنے کے باوجود قدیم تقلیدی عقائد کو قائم رکھنے پر تُلے ہوئے تھے اور دوسرے وہ جو اصلاح کے معاملے میں ان سے بھی دو قدم آگے تھے۔ پہلے فرقے کے سرگروہ نارفک، گارڈنر (اسقف ونچسٹر) اور بونر (اسقف لندن) تھے اور دوسرے فرقے کی رہنمائی کرینمر و لے ٹمر کے ہاتھ میں تھی۔ بادشاہ عقائد کی حد تک پہلے فرقے کا ساتھی تھا مگر انجیل کے ترجمے کی تکمیل کے معاملے میں دوسرے فریق کا ہم رائے ہو گیا اور کروم ویل نے بھی بہت کچھ یہی روش اختیار کی۔ ٹنڈل کے ترجمۂ انجیل کے حتی الامکان سب نسخے تلف کر دیئے گئے تھے لیکن ۱۵۳۴ء میں کروم ویل نے مجلس کلیسا کو ترغیب دی کہ اس کی نظر ثانی کی اجازت دیجائے۔ اس کے باوجود عملاً کچھ زیادہ کام نہ ہوا اور اب کروم ویل نے مائلز گورڈیل کو جو اُن دنوں جرمانیہ میں بود و باش رکھتا تھا، ترجمے کی خدمت پر مقرر کیا۔ اس نے ٹنڈل کے صلاح و پسند سے ۱۵۳۵ء میں ترجمہ مکمل کر لیا۔ خود ٹنڈل

[۱] ۔ خاندان پول کا شجرہ:۔

جارج امیر کبیر کلیرنس + ازابل نویل بنت امیر وارک

- مارگریٹ بیگم سالسبری زوجہ رچرڈ پول
  - ہینری پول
  - ریجی نالڈ
  - جیوفری
- ایڈورڈ پلان ٹاجینیٹ امیر وارک

۱۵۳۶ء میں اہل احتساب کے ہاتھ پڑا اور زندہ جلا دیا گیا لیکن ۱۵۳۷ء میں جان روجرز نے ٹنڈل کی تمام تصانیف جمع کیے جن میں انجیل کا پورا اور توریۃ کی کتاب تخلیق سے لے کے وقائع (جزو ثانی) تک ترجمہ شامل تھا باقی اجزا کی کورڈیل کے ترجمے سے تکمیل کر دی گئی تھی۔ یہ مجموعہ اس نے میتھو کے فرضی نام سے شائع کیا اور کروم ویل نے کہہ سن کے بادشاہ سے اجازت دلوا دی کرینمر نے اس پر مقدمہ تحریر کیا اور ۱۵۳۹ء میں یہی ترجمہ کتاب کبیرہ کے نام سے گرجوں میں رکھ دیا گیا۔ اسی سال ہینری نے کتاب مقدس کی انفرادی طور پر خریداری کی اجازت دی اور طبع جدید کے نسخے بہت جلد فروخت ہو گئے۔

قانون عقائد ستہ

یہاں تک تو اصلاح طلب فریق کامیاب رہا لیکن عقائد ستہ کے قانون کا بننا اُن کے حریفوں کی فتح کے مُراوف تھا۔ ۱۵۳۹ء میں نئی پارلیمنٹ کا اجلاس ہوا اور اُس نے بلا تاخیر مذہبی عقائد پر غور و بحث شروع کی عوام الناس کو اس زمانے میں الحاد کے الزام کا بڑا وہم ہو گیا تھا۔ نارفک نے ان کی ترجمانی کی اور کرنمیر کی کچھ مخالفت کے باوجود امرا ایک قانون پر متفق ہو گئے جس میں قوم کو کیتھولکی "عقائد ستہ" یا ارکانِ دین کے ماننے اور ان پر عمل کرنے کا پابند بنایا گیا تھا۔ ایوانِ زیرین نے بڑے جوش کے ساتھ اسے منظور کیا۔ قانون میں تھا کہ (۱) معجزۂ لحم و دم ثابت ہے۔ (۲) دونوں قسم کی نمازیں یا فرقہ بندی ضروری نہیں (۳) علمائے دین ازدواجی زندگی بسر نہیں کر سکتے ہیں۔ (۴) دوشیزگی کی منت پر قائم رہنا واجب ہے۔ (۵) بلا وقت نمازیں جاری رہنی چاہئیں۔ اور یہ کہ (۶) سماعی اقرارِ گناہ کا طریقہ برقرار رہنا ضروری ہے۔ رُکن اوّل سے انکار کرنے والے کی سزا موت تھی۔ باقی ارکان سے انحراف پر پہلی دفعہ مال کی ضبطی اور دوسری دفعہ سزائے قتل تجویز کی گئی تھی۔ ہینری نے تحریک کی تھی کہ الحاد کے ہر مقدمے میں ملزم کو اس کے الحاد کی نوعیت لکھ کر دی جائے اور کھلی عدالت میں مقدمے کی سماعت ہو۔ مگر یہ ترمیمیں قبول نہیں کی گئیں۔ اس قانون کا نفاذ اصلاح طلب فرقے کے حق میں ضرب شدید کا حکم رکھتا تھا۔ اور ان میں سب سے نڈر شخص، لے ٹمر نے اپنی اُسقفی سے فوراً استعفےٰ دے دیا۔ لیکن اس میں کوئی

شبہ نہیں کہ یہ قانون اہل انگلستان کی عام رائے کا آئینہ تھا جو روما سے قطع تعلق چاہتے کے باوجود پرانے عقائد کو بجنسہ قائم رکھنے کے آرزومند تھے۔ ۳۰ جولائی ۱۵۴۰ء کے دن چھ پادریوں کو سزا ملی جو بطور مثال ذکر کے قابل ہے۔ ان میں سے تین تو اس بنا پر غدار قرار پائے کہ بادشاہ کی کلیسائی سیادت سے انکار تھا اور تین پروٹسٹنٹوں کو پارلیمنٹ نے اسی سزا کا متوجب اس لئے قرار دیا کہ وہ "اس قدر الحاد کے مرتکب تھے، جس کی تکرار محال تھی" انھیں اسمتھ فیلڈ میں دو دو کر کے گھسیٹتے ہوئے تختوں پر لایا اور مروا دیا گیا۔

سیاسیات خارجہ

جب سے اصلاح کی تحریک کا چرچا ہوا اسی وقت سے ممالک خارجہ کی سیاسیات میں بھی وہی فرقہ بندی پیدا ہو گئی جو مذہبی معاملات میں تھی۔ چنانچہ زیادہ آزاد طالبان اصلاح تو یہ چاہتے تھے کہ انگلستان کا ممالک یورپ کی اصلاحی تحریک سے تعلق ہو جائے اور ان کے مخالفین بالکل الگ رہنے کے خواہش مند تھے۔ ۱۵۳۰ء میں جرمن لوتھیین نے باہمی دفاع کی غرض سے انجمن "شمال کلڈن" قائم کی اور ۱۵۳۹ء میں توقع تھی کہ اس کے شرکا شاہ فرانسس سے اتحاد کر سکیں گے اور اگر ہینری بھی شریک ہو جائے تو بیرونی حملے کا سارا خوف دور ہو سکتا تھا۔ کروم ویل نے بڑے زور سے بادشاہ کو یہ مشورہ دیا اور بادشاہ رضامند ہو گیا۔ نیز قرار پایا کہ شہزادہ کلیوز کی بہن، این سے شادی کر کے اس اتحاد کو مزید قوت پہنچائی جائے۔ یہ شہزادہ شمالی رہائن کی نہایت باموقع ریاست کا مالک تھا جو جرمانیہ کی پراٹسٹنٹ ریاستوں کو فرانس اور نِدرلینڈز سے ملاتی تھی۔ مگر افسوس ہے کہ شادی کی گفتگو تکمیل کو نہ پہنچی تھی کہ عام اتحاد کی تجویز ہی غارت ہو گئی اس پر بھی ہینری نے شادی کی ٹھان لی اور چونکہ اُس سے کہا گیا تھا کہ این خوبصورت لڑکی ہے، لہٰذا شادی کا بہت مشتاق رہا۔ لیکن این انگلستان آئی تو حد درجے معمولی صورت کی نکلی اور گو ہینری نے شادی کی رسم ادا کی مگر بہت جلد طلاق پر آمادہ ہو گیا۔ طلاق کی جو صورت نکالی گئی وہ علمائے دین کے لئے کمال شرم کا موجب تھی مگر معلوم ہوتا ہے خود این وظیفے کے عوض میں خوشی سے شوہر کے

ہاتھ سے جانے پر رضامند ہو گئی اور مدت دراز تک انگلستان میں ہنسی خوشی زندگی بسر کرتی رہی۔

اتحاد کی ناکامی اور بادشاہ کی شادی سے بیزاری نے کروم ویل کا بھی خاتمہ کر دیا۔ کچھ عرصے سے اس کا اقتدار تنزل

کروم ویل کا خاتمہ

نظر آتا تھا۔ پرانے امرا اسے وولزے سے بھی زیادہ نفرت سے دیکھتے تھے اور بادشاہ کی نظر عنایت بدلنے کے آثار نظر آتے ہی اس پر ہر طرف سے حملے ہونے لگے۔ کچھ روز پہلے کروم ویل نے حکام عدالت سے استفسار کیا تھا کہ آیا وہ "خرابی خون" کا قانون ایسے شخص کی نسبت نافذ کرنا، جسے صفائی میں کچھ کہنے کا موقع ہی نہ دیا گیا ہو، قانوناً جائز ہو گا۔ اہل عدالت نے اثبات میں جواب دیا تھا اور یہی رائے خود اس کے خلاف کام میں لائی گئی۔ شہزادہ نارفک اور گارڈینر نے حملے کا آغاز کیا۔ غداری کا الزام ثابت کرنا کچھ آسان نہ تھا لیکن کھینچ تان کر کے دکھایا گیا کہ وہ اپنے منصب سے بڑھ کر کام کرتا رہا اور اس نے حقوق شاہی میں دست اندازی کی اور اسی الزام پر "خرابی خون" کا فتویٰ دے کر جولائی ۱۵۴۰ء میں اس کا سر قلم کرا دیا گیا۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ کروم ویل نہایت لائق آدمی اور انگلستان کا پہلا غیر کلیسائی مدبر تھا۔ اقتدار کے دس برس تک اسے ہینری کے مزاج میں بڑا رسوخ حاصل رہا اور امرا اسے بجا طور پر اپنا سب سے سخت دشمن سمجھتے رہے۔ کروم ویل کے بعد اس کے بھانجے رچرڈ ولیمز نے یہ نام اختیار کیا اور وہی انگلستان کے مشہور سپہ سالار، محافظ مملکت کروم ویل کا سگڑ دادا تھا۔

دراصل جو اسباب قانون عقائد ستہ کے نافذ ہونے کا موجب ہوئے، کروم ویل کی معزولی کو بھی انھی کا ایک ظہور کہہ سکتے ہیں۔ اسی

رجعت کی دوسری علامت یہ تھی کہ بادشاہ نے نارفک کی بھتیجی اور ایڈمنڈ ہاورڈ کی بیٹی کیتھرائن سے عقد کر لیا جس کا باپ ۱۵۱۳ء میں مارا گیا تھا[1] بدنصیبی سے دو سال کے بعد یہ بات پوری طرح ثابت ہو گئی کہ شادی سے پہلے اور بعد میں بھی اس کا چلن اچھا نہیں رہا۔ چنانچہ قتل کرا دی گئی اور پھر زیادہ زمانہ نہ گزرا تھا کہ بادشاہ نے نواب لیٹمر کی بیوہ کیتھرائن پار سے شادی کی وہ بہت اچھی اور محل شناس خاتون تھی اور ہینری کی آخری عمر میں نہایت عمدہ بیوی ثابت ہوئی۔

بادشاہ کی آخری دو شادیاں

ہینری کے عہد میں شاہی علاقوں میں بعض قابل ذکر تبدیلیاں ہوئیں۔ اب تک ویلز اور چیسٹر کی ریاست سے پارلیمنٹ میں کوئی مبعوث نہ بھیجا جاتا تھا

۱۔ ہاورڈ خاندان کا شجرۂ نسب:

جان ہاورڈ
(جو امیر کبیر نارفک بنایا گیا)

ٹامس امیر سرے
(فاتح فلوڈن۔ جس پر یہ منصب بحال کیا گیا)

- ٹامس شہزادہ نارفک
  - ہینری امیر سرے (مقتول)
    - ٹامس امیر کبیر نارفک (مقتول)
- ایڈمنڈ ہاورڈ (مقتول)
  - کیتھرائن ہاورڈ (ہینری کی پانچویں بیوی)
- ولیم ہاورڈ (امیر افنگہم بنایا گیا)
  - چارلس (منجھلا بیٹا جس نے ہسپانی بیڑے کو شکست دی اور امیر ناٹنگھم بنایا گیا)
- الزبیتھ ہاورڈ (زوجہ ٹامس بولین)
  - این بولین (ملکہ ہینری ہشتم۔ جو ۱۵۳۶ء میں قتل کرائی گئی)

سنہ ۱۵۳۶ء میں یہ تفریق دُور کر دی گئی۔ ویلز سے ۲۴، چیشائر سے ۴ اور مونمتھ شر سے تین مبعوث شریک پارلیمنٹ ہوئے۔

ویلز اور آئرستان

ویلز کے پرانے اضلاع وسیع کر دیئے گئے اور پانچ نئے اضلاع ڈین بی، ریڈ نور، منگمری، بریکین اور مون متھ قائم ہوئے۔ شمالی اضلاع کی طرح یہاں بھی ایک مجلس بنائی گئی جس کا مستقر لڈلو تھا۔ اس کا سرکاری صدر نشین مقرر ہوا۔ مجلس ویلز کی عدالتوں کے مرافعوں کی سماعت کرتی اور عام انتظام کی نگراں تھی۔ آئرستان میں ایک سے زیادہ ہنگامے اور فساد ہوئے لیکن سنہ ۱۵۳۶ء میں جب عام طور پر کِلڈیئر کے لوگ قتل کیئے گئے تو شورہ پشت فٹز جے رلڈ خاندان کی کمر ٹوٹ گئی اور سنہ ۱۵۴۲ء میں ہینری نے والی کی بجائے شاہ آئرستان کا لقب اختیار کیا تو یہ ملک تختِ انگلستان سے ایک قدم اور نزدیک تر آگیا۔

اسکاٹ لینڈ

انگلستان و اسکاٹ لینڈ میں معرکہ فلوڈن کے بعد سے اب تک (یعنی سنہ ۱۵۴۲ء تک) کوئی باقاعدہ جنگ تو نہیں ہوی لیکن سرحد کے امرا میں برابر کشت و خون کا سلسلہ جاری رہا اور انگریز یہ کوشش بھی کرتے رہے کہ وہاں اندرونی جھگڑے کھڑے کر کے ملک کو کمزور کردیں امید تھی کہ نوجوان بادشاہ جیمس پنجم اپنے ماموں (ہینری) کا دوستدار ثابت ہوگا لیکن وہ جوان ہوا تو دل و جان سے فرانس کا حلیف بن گیا اور پہلے شاہ فرانس کی بیٹی اور پھر وہیں کے علاقہ گینر کی امیرزادی میری سے شادی کی۔ نتیجہ یہ کہ سرحدی نزاعیں اور شدید ہوگئیں اور سنہ ۱۵۴۲ء میں جیمس خود فوج لے کر سرحد کی طرف آیا۔ ادھر سے انگریزی کسانوں کی فوج مقابلے میں پہنچی لیکن اسکاٹ لینڈ کے امرا نے بادشاہ کے مقربوں سے ناراضی ظاہر کرنے کا یہی وقت پسند کیا اور سولوے موس میں انگریزوں کے سامنے آتے ہی اسکوٹی سپاہی بھاگ کھڑے ہوئے۔ جیمس کا دل ٹوٹ گیا اور اسی غم میں وہ بہت جلد مر گیا اور تخت کی وارث اس کی بیٹی میری ہوی جو چند ہفتے کی شیر خوار بچہ تھی۔ اس انقلاب سے ہینری نے فوراً فائدہ اٹھایا

اور تجویز کی کہ یہ شیر خوار ملکہ اُس کے فرزند ایڈورڈ سے منسوب کردی جائے انگلستان کے طرفداروں نے طبعاً اس تجویز کو پسند اور فرانسیسی گروہ نے ناپسند کیا جن کی موروثی حکمت عملی ہی یہ تھی کہ اسکاٹ لینڈ کو انگلستان سے برسرپیکار رکھا جائے۔ اس گروہ کی مخالفت کے باوجود ۱۵۴۳ء میں شادی کا عہد نامہ مرتب ہوگیا تھا لیکن کارڈینال بیٹن اور دوحامیان فرانس نے بیوہ ملکہ میری (دگیزیہ) کے سازباز سے اس میں بہت سی مشکلات پیدا کیں اور بالآخر انھی کی بات چل گئی اور اسکاٹ لینڈ کا فرانس سے اتحاد ہوگیا۔ تب ہینری نے خود جنگ کا اقدام کیا۔ شہنشاہ اس کا حلیف بن گیا تھا اور فرانس پر فوج کشی میں خود ہینری شریک تھا۔ ایک طرف تو انگریزی فوج نے شہر بولون کو تسخیر کرلیا جس کی بہت دن سے طمع تھی اور دوسری طرف سمندر کے راستے ایک فوج اسکاٹ لینڈ میں آتاری گئی جس کے سردار، ہینری کا برادر نسبتی، ایڈورڈ سیمور (امیر ہارٹ فرڈ) اور جان ڈڈلی تھے۔ ڈڈلی، لزلی کا نواب اور ہینری ہفتم کے پرانے وزیر کا بیٹا تھا۔ یہ حملہ آور لیتھ پر لنگر انداز ہوئے۔ اسے اور ایڈنبرو کو انھوں نے آگ لگادی مگر کوئی اور کام نہ کرسکے۔ بارسے اس سبق نے فرانسیسی گروہ کا رسوخ زائل کردیا اور ۱۵۴۶ء میں کارڈینال بیٹن ایک خونی کے ہاتھ سے مارا گیا۔

سکے کی کم عیاری

اواخر عہد میں مالی مشکلات نے بادشاہ سے بڑی بھاری غلطی کا ارتکاب کرایا۔ خانقاہوں کی اراضی مُلکی مصالح کی بنا پر عموماً بہت کم قیمت فروخت کردی گئی تھیں اور ان کا روپیہ فوراً خرچ میں آگیا تھا۔ جنوبی سواحل پر حملے کی طویل تیاریوں نے اور پھر فرانس واسکاٹ لینڈ کی فوج کشی نے ملک کے مداخل پر بڑا بار ڈالا اور ان دشواریوں میں حکومت نے سکے کا عیار کم کردینے کی وقتی مگر نقصان رساں تدابیر اختیار کی۔ مدت دراز سے انگریزی سکے کی ساکھ قائم تھی۔ ہینری ثانی وثالث اور ایڈورڈ اوّل و ثالث کے عہدوں میں اس کا عیار بدلا گیا اور ایڈورڈ ثالث کے زمانے سے اسے برابر قائم رکھا گیا تھا۔ دارالضرب کا قاعدہ یہ تھا کہ بارہ آؤنس (= ۳۰ تولہ)

چاندی میں کوئی دو تولہ بھرت کی آمیزش کی جائے کہ سکّہ کافی پائے دار ہو سکے۔ بہ خلاف اس کے ۱۵۴۳ء میں آمیزش کی مقدار پانچ تولے اور ۱۵۴۶ء میں ۳۔ تولے چاندی میں ۲۰ تولے تک کر دی گئی۔ اس طرح سرکار کے قرض خواہوں کو تو ہینری نے دھوکا دے کے اپنی جان چھڑا لی لیکن ملک کی تجارت پر اس کا نہایت مضر اثر پڑا۔ دُور کے خریداروں سے لین دین غیر ممکن ہو گیا کیونکہ سکّے کی اصلی قیمت کا کوئی اعتبار نہ تھا۔ کھرے سکّے لوگوں نے چھپا چھپا کے جمع کرنے شروع کئے یا ملک سے باہر بھیجدیے اور صرف ناقص سکّے رہ گئے۔ عام معاشرت پر سکّے کی خرابی کا جو اثر پڑا وہ تجارت کے نقصانات کی نسبت کم سنگین نہ تھا۔ اجناس کی قیمتیں بہت چڑھ گئیں اور جیسا کہ عام قاعدہ ہے، مزدوری کی شرح اتنی تیز نہ بڑھی بلکہ قریب قریب وہی رہی جو پہلے تھی اور اس سے مزدوری پانے والوں کو بڑی مصیبت پیش آئی قدرتی نتیجہ یہ ہوا کہ شہروں میں فاقہ کشی اور دیہات میں قزّاقی اور گداگری کی نوبت آئی۔

تحریک اصلاح کلیسا

ہینری ہشتم کے آخری زمانے میں مذہبی معاملات کا رنگ یہ رہا کہ اصلاحِ کلیسا کے حامی اور مخالف برابر کشمکش کرتے رہے اور کبھی ایک فریق غالب آجاتا تھا، کبھی دوسرا۔ گارڈنر کا گروہ عقائد ستّہ کے قانون سے ملاحدہ کے خلاف کام لینے میں کامیاب رہا اور ۱۵۴۶ء میں خود ملکہ ایک سہیلی اور مشہور خاتون این ایس کیو زندہ جلائی گئی۔ ۱۵۴۳ء میں انھوں نے انجیل کا کسانوں، کاریگروں اور پھیری والوں، نیز عالی خاندان عورتوں کے سوا عام عورتوں کو سنایا جانا بھی حکماً رکوا دیا۔ دوسری طرف دیکھئے تو حامیان اصلاح کو ایک بڑی کامیابی مذہبی احکام و رسوم کو انگریزی میں مرتّب کرنے کے سلسلے میں حاصل ہوی۔ عہدِ اصلاح تک ملک بھر میں نماز وغیرہ کے احکام کی کوئی کتاب یا دستور العمل نہ تھا۔ مختلف علاقوں میں مختلف طریقے رائج تھے اور زیادہ تر سارم، لنکن، بنگور۔ اور ہیریفرڈ کے دستور العمل کی پیروی

کی جاتی تھی۔ لیکن ۱۵۳۶ء ہی میں، بعض ارکانِ ایمان کے ساتھ شرح دعائے
خداوندی، اور احکام عشرہ انگلستان میں شائع کر دیئے گئے۔ اور کچھ عرصے تک
جمود کے بعد ۱۵۴۴ء میں خود بادشاہ نے جلوس کے موقعوں کی دعائیں جواب تک
مروج ہیں، تیار کیں اور عجب نہیں کہ خود ہی ان کا ترجمہ کیا ہو۔ آیندہ سنہ
میں صبح، شام اور تدفین موتی کی دعائیں شائع ہوئیں کہ کلیسائی اوراد کی بجائے
ان سے کام لیا جائے۔ ۱۵۴۵ء میں ہینری کی صحت جلد جلد بگڑنے لگی اور
ہر فریق ریشہ دوانی کرنے لگا کہ ایڈورڈ کی صغر سنی کے زمانے میں اقتدار
ہمارے ہاتھ میں آجائے۔ خود ہینری کو فکر تھی کہ ہاورڈ خاندان کے لوگ
مسلط ہو جائیں کیونکہ وہ قدیم امرا اور اصلاح کلیسا کے مخالفوں کے سرگروہ
تھے اور اندیشہ تھا کہ ان کا بس چلے گا تو ہینری کا کیا دھرا بہت کچھ غارت
کر دیں گے۔ امیر کبیر نارفک کی دیرینہ تجربہ کاری اور نمک حلالی سے
تو یہ امید نہ تھی کہ وہ کسی سازش میں شریک ہوگا لیکن اس کا بیٹا ہینری (امیر سرے)
جو عمدہ شاعر ہونے کے ساتھ بہت بے قابو، آتش مزاج آدمی تھا، اپنے خاندان
کو برسر عروج لانے کا یقیناً ساز باز کر رہا تھا۔ شاہ ایڈورڈ (تائب) کی توقیع
استعمال کرنے کا اُسے قانوناً حق تھا مگر جب یہ نشان اس نے اپنی ڈھال پر
ایسی جگہ بنوایا، جس سے ثابت ہو کہ وہ براہ راست بادشاہ کی اولاد میں ہے،
تو اس وقت شبہات پیدا ہوئے اور وہ اور اس کا باپ گرفتار کر لئے گئے
اور معقول شہادت کی بنا پر ان کے لئے خرابیٔ خون کا فیصلہ صادر ہوا۔
سرے کا تو اسی وقت سر قلم کرا دیا گیا مگر یہ ٹھیک معلوم نہیں کہ اگر خود ہینری
فوت نہ ہو جاتا (۱۵۴۷ء) تو نارفک کا کیا حشر ہوتا۔

ہینری کی سیرت

ہنری ہشتم کی سیرت ہمیشہ سے اہل تاریخ کا بہت دلکش موضوع رہی ہے
بعض مبصر تو اسے نفسانی خواہشوں کا غلام اور اوّل درجے کا
شریر النفس بتاتے ہیں اور بعض کے نزدیک وہ ایک نازک
زمانے میں وطن کا لائق رہنما تھا۔ اس کی بادشاہی سیرت کا سب سے
قوی وصف یہی ہے کہ ہر موقع پر اس کے خیالات عام اہلِ وطن کی مدِ نظر کا

سچا مظہر تھے اور انگریز قوم کے جملہ کامیاب سرداروں کی یہی خصوصیت رہی ہے۔ کلیسائی ضوابط کی اصلاح، رومہ سے قطع تعلق اور خانقاہوں کی موقوفی کے معاملے میں یقیناً وہ اپنے زمانے کی آرزوؤں سے آگے بڑھا ہوا نہ تھا۔ اس نے انجیل کے ترجمے کی اجازت دی تو درحقیقت یہ ایک ایسی طلب کو پورا کرنا تھا، جو مذہبی سختی اور تشدد سے بہ مشکل دب سکتی تھی۔ بہ خلاف اس کے جب الحاد پھیلنے کے خوف سے وہ عقائد ستہ کے قانون یا انجیل کی عام سماعت کو روکنے کا موید ہو گیا تو اس وقت بھی وہ انگریز قوم کے اس وصف کے مطابق چل رہا تھا کہ پرانے راستوں کو بے سوچے سمجھے نہ چھوڑا جائے۔ غرض اپنی خوبیوں اور کمزوریوں، دونوں کے لحاظ سے وہ سرتاپا انگریز آدمی تھا اور اصلاح کلیسا کی تحریک یہاں وہ افراط و تفریط پیدا نہ ہونے پائی جیسی جرمانیہ، فرانس اور اسکاٹ لینڈ میں ہوئی تھی، تو اس کا سبب لازماً یہی قرار دینا پڑے گا کہ انگلستان پر ہینری ہشتم کی حکمرانی تھی جو اس تحریک کو ان راستوں پر لے چلا جو غیر کلیسائی طبقے کے معتدل افراد کی رائے کے موافق تھے

مشہور واقعات

معرکہ فلوڈن	۱۳ ۱۵ء
مسئلہ طلاق کی ابتدا۔	۲۷ ۱۵ء
قانونِ سیادت کا نفاذ۔	۳۴ ۱۵ء
چھوٹی خانقاہوں کا توڑا جانا۔	۳۶ ۱۵ء
ویلز کا انضمام۔	۳۶ ۱۵ء
دسفر رحمت (یا) مسافرین فی سبیل اللہ۔	۳۶ ۱۵ء
بڑی خانقاہوں کی تحویل۔	۳۹ ۱۵ء
قانون عقائد ستہ۔	۳۹ ۱۵ء
کروم ویل کا خاتمہ۔	۴۰ ۱۵ء
سکے کی کم عیاری۔	۴۳ ۱۵ء

باب سوّم

ایڈورڈ ششم سنہ ۱۵۴۷ء تا سنہ ۱۵۵۳ء

ولادت : سنہ ۱۵۳۷ء

معاصرین :-

شہنشاہ .... چارلس پنجم

اسکاٹ لینڈ .... میری

فرانس　　ہینری ثانی

ہینری ہشتم نے وصیت کی تھی کہ سلطنت کا وارث اس کا بیٹا ایڈورڈ ہو جو جلین سیمور کے بطن سے تھا۔ اور اس کے لاولد فوت ہو جانے کی صورت میں بیٹیاں، میری اور ایلزبیتھ (علی الترتیب) وارث سمجھی جائیں۔ اگر ان سے بھی سلسلہ نہ چلے تو بہن، میری بیگم سفک، کی اولاد میں تاج و تخت منتقل ہو جائیں۔ مگر دوسری بہن، مارگریٹ، ملکہ اسکاٹ لینڈ، کی اولاد کو

وراثت سے محروم کر دیا تھا جب ہینری مرا تو ایڈورڈ صرف نو برس کا تھا اور سنِ رُشد کو پہنچنے کے لئے سولہ سال کی عمر درکار تھی۔ اس وقت تک ملک کا انتظام کرنے کے لئے وصیت میں اوصیا کی ایک جماعت کے نام بھی تحریر تھے جنھیں ہینری نے بہت غور واحتیاط سے منتخب کیا تھا اور اس کے نزدیک جو لوگ سخت اور بے قابو مزاج کے تھے اُنھیں شامل کیا تھا نیز نئے اور پرانے دونوں عقائد کے اشخاص جمع کئے تھے تاکہ بیٹے کے زمامِ سلطنت ہاتھ میں لینے تک خود ہینری کی معتدل حکمت عملی قائم رہے۔ مجلس اوصیا کے قابل ذکر

مجلس اوصیا

افراد یہ تھے۔ ہارٹ فرڈ، لزلی، کرنیمر اور پیجیٹ، جو نئے خیالات کے وکیل تھے۔ صدر اعظم، ریوتھس لی، سر اینتھنی براؤن اور ٹنس ٹل (اسقف ڈرہم) جو مراسم قدیم کے دلدادہ تھے۔ مجلس کے شرکا میں سے کسی کو بھی دوسروں پر تقدیم و فضیلت حاصل نہ تھی تاکہ مجلس کے افعال کی ذمہ داری سب پر عائد ہو۔ تاہم ہینری کو زیادہ اعتماد ہارٹ فرڈ اور پیجیٹ پر تھا اور زندگی کے آخری دو دن میں سارا وقت اس نے انھی کو جوش و شوق کے ساتھ نظم و نسق کے متعلق اپنے خیالات سمجھانے میں صرف کیا۔

لیکن ہینری کی آنکھ بند ہوئے دیر نہ ہوئی تھی کہ ہارٹ فرڈ اور

ہارٹ فرڈ، نگراں مقرر ہوتا ہے

پیجٹ ہی نے شاہ متوفی کا انتظام الٹ پلٹ کر دینے کی کوشش شروع کی۔ صدر اعظم مخالفت کرتا ہی رہا۔ انھوں نے دوسرے اوصیا کو رضامند کر لیا کہ ملک کی بہتری اسی میں ہے کہ انتظام شخصِ واحد کے ہاتھ میں رہے اور ہارٹ فرڈ، نگران یا امیر سلطنت اور بادشاہ کا اتالیق مقرر کر دیا گیا۔ پھر اوصیا نے اعلان کیا کہ شاہ متوفی ان میں سے اکثر اشخاص کو رتبۂ امارت اور کلیسائی اراضی کی معافیاں عطا کرنا چاہتا تھا۔ چنانچہ ہارٹ فرڈ، سمرسٹ کا امیر کبیر اس کا بھائی ٹامس، نواب سیمور۔ نواب لزلی امیر وارک۔ اور ریوتھس لی۔ امیر ساوتھمپٹن بنایا گیا۔ دو مہینے بعد ریوتھس لی ایک غلطی کی پاداش میں عہدے سے معزول ہو تو ہارٹ فرڈ

باب سوم

نے غرور سال بادشاہ سے کہ کر خود اُس کی جانب سے بھی محافظِ سلطنت کا مرتبہ حاصل کر لیا۔

ہارٹ فرڈ اپنے زمانے کی سب سے ممتاز ہستیوں میں داخل ہے سپہ گری کی تھوڑی بہت قابلیت کے ساتھ وہ نہایت جری اور فیاض مزاج آدمی تھا۔ غریبوں کے ساتھ ہمدردی اور بڑے بڑے کام کرنے کا حوصلہ رکھتا تھا۔ لیکن جو مرتبۂ بلند اُس نے حاصل کیا، اُس کے مطابق تدبر و عاقبت اندیشی نہ تھی اور وہ ارباب سیاست کے اُس گروہ میں داخل تھا جن کی نسبت فریڈرک اعظم نے لکھا ہے کہ وہ ہمیشہ پہلے قدم کی بجائے اول دوسرا قدم اٹھایا کرتے ہیں۔

مذہبی حکمت عملی

ہارٹ فرڈ کی یہ کمزوری مذہبی معاملات ہی کے حل کرنے میں ظاہر ہو گئی۔ ہنری ہشتم نے ہمیشہ یہ مسلک اختیار کرنے کی کوشش کی کہ دونوں مخالف فریقوں کے وسط میں رہے اور اُسے امید تھی کہ ایڈورڈ کے سن بلوغ کو پہنچنے تک اس کے اوصیا بھی اسی اصول پر کاربند رہیں گے۔ بہ خلاف اس کے، نئے نگران سلطنت نے غلطی سے یہ سمجھ لیا کہ ملک تغیر کے لئے تیار ہے اور اس کا کوئی اندازہ نہ کیا کہ جو بات لندن اور بندرگاہوں میں مقبول عوام ہے بہت ممکن ہے کہ اضلاع و دیہات کے بطی الذہن لوگوں کو بالکل پسند نہ آئے۔ اور اسی غلط فہمی کی بنا پر انتظام ہاتھ میں لئے دیر نہ ہوئی تھی کہ عمال کی ایک جماعتِ خاص روانہ کی کہ تمام گرجوں کی مورتیں توڑ ڈالے اور دیواروں کی تصویروں پر سفیدی پھروادی جائے۔ دعاخوانی کا طریقہ بھی مسدود کر دیا گیا اور حکم ہوا کہ نمازیں انگریزی زبان میں پڑھائی جائیں۔ لندن میں تو ان عمال کی خاصی آؤ بھگت ہوئی لیکن دیہات میں دوسرا رنگ تھا۔ اور ان عمال کے نوکروں نے جیسی سخت بے ادبی سے احکام کی تعمیل کی، اس نے معاملہ اور بھی خراب کر دیا۔ وہ مذہبی لباس پہنے دیہات میں گشت لگاتے نظر آتے تھے اور ان مورتوں اور تصویروں کو جو نسل ہا نسل سے اُس حلقے میں کمال عقیدت کے ساتھ

پوجی جاتی رہی تھیں، گھسیٹ گھسیٹ کے لاتے اور بیہودہ سوانگ بنا بنا کے آگ میں جلا ڈالتے تھے۔ یہ حد درجے نادانی کی حرکتیں تھیں۔ دیہات میں ابھی تک اصلاح کلیسا کی تحریک خفیف ردّ وبدل کے مراوف تھی لیکن تبرکات اور بتوں کا برباد ہونا، اور لاطینی مناجات سرائی (جس کے لئے انگلستان مشہور تھا) کی بجائے انگریزی میں نماز خوانی سے دیہاتیوں کو معلوم ہوا کہ کتنا بڑا فرق پیدا کیا جا رہا ہے اور وہ بہت مشتعل ہو گئے۔

صنعتی انجمنوں کی ضبطی

ادھر حکومت نے حماقت سے اسی زمانے میں شہروں کے اہل حرفہ کو آزار پہنچایا۔ شرح اس کی یہ ہے کہ شہروں میں صنعتی انجمنیں نہایت باوقعت جماعتیں تھیں ان کی ابتدا نارمن فتوحات سے بھی پہلے ہوی اور اب یہ انگلستان کے تمدن کا جزو لاینفک نظر آتی تھیں۔ ان کی قسمیں مختلف تھیں۔ بعض ممتاز تاجروں کی باقاعدہ انجمنیں تھیں۔ بعض کی نوعیت محض ہم پیشہ لوگوں کے گروہ کی تھی، جیسے جلاہوں یا رنگریزوں کی انجمن، اگرچہ ان میں مزدور اور کارخانہ دار دونوں شامل ہوتے تھے۔ بعض مشترک اغراض کی بنا پر مرتب ہوی تھیں، جیسے راگ سکھانے کی انجمن۔ تجارتی تنظیم کے علاوہ یہ انجمنیں اور بھی مفید کام انجام دیتی تھیں۔ اس زمانے کی بیمہ یا امداد کرنے والی جماعتوں کی مثل وہ اپنے بیمار شرکا کی مدد کرتیں، بچوں کو تعلیم دلواتیں، مزدوروں کی جو اتفاقی حادثات سے مصیبت میں آجائیں دستگیری کرتیں، بیوگان کو وظیفے دیتیں، موتیٰ کے کفن دفن کا انتظام، اور مُردوں کے لئے دعائے مغفرت وغیرہ کے مصارف ادا کرتیں اور یوں بھی لوگوں کے میل جول شادی بیاہ میں بہت کچھ حصّہ لیتی تھیں۔ ہر انجمن کے تیر تہوار پر اہل انجمن تفریح و تفنن کے لئے جمع ہوتے اور پارک وغیرہ اکثر مقامات میں ان موقعوں پر سانگ تماشے جلوس وغیرہ نکالے جاتے تھے نارفک ہی میں نوسو نواور بوڈھن کی چھوٹی سی بستی میں اڑتالیس انجمنیں تھیں۔ ان انجمنوں نے رفتہ رفتہ کافی سرمایہ بہم پہنچا لیا تھا اور دعا کے مصارف اسی سے ادا ہوتے تھے۔ نئے نگران ملک نے پارلیمنٹ سے مبعوثین کو جو یقیناً خود کسی انجمن سے وابستہ نہ ہوں گے،

ترغیب دی کہ انجمنوں کی مال متاع ضبط کرنے کا قانون نافذ کریں۔ لندن کی تجارتی شرکتیں اتنی با اقتدار تھیں، کہ ان میں دست اندازی کی جرأت دشوار تھی، لہذا ان کو مستثنیٰ کر دیا گیا۔

اسکاٹ لینڈ

اسکاٹ لینڈ کے متعلق بھی ہارٹ فرڈ نے ایسی ہی ناعاقبت اندیشی سے کام لیا۔ ہینری خوب جانتا تھا کہ ایڈورڈ اور میری کا مجوزہ پیوند جس قدر اہمیت رکھتا ہے اسی قدر احتیاط سے کام کرنے کا متقاضی ہے اور دوسرے یہ کہ اسکاٹ لینڈ کے انگریزی گروہ کو ہر ممکن طریق سے تقویت پہنچانا ضروری ہے۔ ہارٹ فرڈ نے ان دونوں اصولوں سے اعراض کیا۔ اوّل تو اس نے کلیسائی جماعت کو فرانسیسی مدد سے قلعہ سینٹ اینڈروز فتح کر لینے دیا، جہاں کارڈینال بیٹن کے قاتل مقابلہ کئے جاتے تھے، اور اس کے بعد ملک پر فوج کشی کر کے تمام لوگوں کو سخت ناراض کر دیا۔ وہ اگست میں اسکاٹ لینڈ کی سرحد میں داخل ہوا اور اعلان کیا کہ ۱۵۴۳ء کے معاہدے پر جبراً عمل کرانا مقصود ہے۔ پھر بیڑے کی مدد لئے ہوئے ساحل ساحل ایڈن برو پر بڑھا۔ اس کی فوج چودہ ہزار پیادہ، ۴ ہزار سوار اور پندرہ توپوں پر مشتمل تھی، اسک ندی کے پار (ایڈن برو کی طرف) مسل برو کے قریب اسکوٹی فوج مورچہ بند ملی جس میں ۲۵ ہزار سپاہی تھے۔ اس مقام پر ندی زاویۂ قائمہ بنا کر کھاڑی میں جا گری ہے اور گو وہ پایاب تھی، تاہم کنارے اتنے پھسلوان اور ناہموار تھے کہ سوار و توپ خانہ پل پر سے آنے کے سوا، ندی کو عبور نہ کر سکتے تھے اور یہ پل دہانے سے صرف چوتھائی میل کے فاصلے پر بنا ہوا تھا۔

معرکۂ پنکی

انگریز سپہ سالار نے پل سے تقریباً دو میل دُور پڑاؤ ڈالا اور اسکوٹوں کے مقابلے میں ندی عبور کرنے کی دشواریوں پر غور کر رہا تھا کہ حریف نے اس کا ٹھیر جانا خوف زدہ ہو جانے پر محمول کیا اور دوسرے دن خود بڑھ کر حملہ کرنے کی ٹھان لی۔ چنانچہ صبح ہوتے ہی اسکوٹی سپاہ پل اتر کے سیدھی طرف مڑی کہ انگریزی توپوں کی زد میں نہ آئے اور دلدلی اور مزروعہ اراضی سے گزر کر فا سائڈ برے کا رُخ کیا جو سمندر سے دو میل کے فاصلے پر ایک بلند ٹیکری تھی۔

مگر انگریز ان کا مطلب تاڑ گئے اور پہلے سے ٹیکری پر پہنچ کر توپیں جما دیں۔ اسی کے ساتھ لارڈ گرے نے سوار فوج سے اسکوٹی میمنے پر یورش کی۔ اسکوٹی نیزوں کی ناقابل گزر دیوار نے انگریز سواروں کو پریشانی میں ڈال دیا اور خود گرے مجروح ہوا لیکن اس فتح کی خوشی میں اسکوٹی صفیں بے ترتیب ہو گئیں اور اسی حالت میں انگریز پیادوں نے ان پر حملہ کر دیا۔ اسکوٹوں کو کامل شکست نصیب ہوی اور کہا جاتا ہے کہ اُن کے مقتولوں کی تعداد تیرہ ہزار سے کم نہ تھی۔ پنکی کی اس لڑائی نے کچھ مدّت کے لئے اسکاٹ لینڈ کی جنگی قوت توڑ دی لیکن سیاسی اعتبار سے وہ اُلٹی مضر ثابت ہوی۔ خود وہ لوگ جو پہلے انگریز بادشاہ سے میری کی شادی کے خلاف نہ تھے، اس ظالمانہ فوج کشی کی بنا پر بیزار ہو گئے۔ ایبر ہنٹ لی نے کہا کہ شادی مجھے ناپسند نہ تھی مگر ڈورے ڈالنے کے اس طریقے سے نفرت ہو گئی، اور یہ قول اہل ملک کے عام جذبات کا آئینہ تھا۔ اہل اسکاٹ لینڈ کو انگریزی لشکر کشی نے فرانس کی آغوش میں دھکیل دیا۔ شیر خوار ملکہ فوراً سمندر پار پہنچا دی گئی اور وہاں ولی عہد فرانس کی منگیتر بن کر تعلیم و تربیت پانے لگی۔ سال آیندہ ہارٹ فرڈ نے فوج بھیج کر ہیڈنگٹن پر قبضہ کر لیا اور یہ کئی سال تک انگریزوں کے ہاتھ میں رہا۔

ایڈورڈ چہارم کی پہلی کتاب ادعیہ

۱۵۴۹ء کے میقات پارلیمنٹ کا قابل ذکر واقعہ وہ بحث ہے جو نئی کتاب ادعیہ کے متعلق ہوی۔ اسے "ایڈورڈ چہارم کی پہلی کتاب ادعیہ" کہتے تھے اور علما کی ایک جماعت نے جس میں کرینمر و نکولاس ریڈلی اسقف روچسٹر شامل تھے، اسے ونڈزر میں ملکر مرتب کیا تھا مجلس کلیسا نے پسند کر لیا تو یہ پارلیمنٹ میں پیش کی گئی اور دونوں ایوانوں میں منظوری کے بعد "قانون یکسانی" نافذ ہوا کہ پرانے دستور العمل وغیرہ متروک اور ان کی جگہ یہ کتاب معمولی بنا لی جائے یہ کتاب قدیم اوراد و ادعیہ ہی پر مبنی تھی اور زیادہ تر صدر اسقف کرینمر نے اس کا ترجمہ کیا تھا۔ یہ مسئلہ کہ اصول لحم و خون کی مذہب مسیحی میں کیا اہمیت ہے بہت دن تک زیر بحث رہا اور بالآخر ایک بین بین راہ نکل آئی جس میں اختلاف رائے کی کافی گنجائش

رکھی گئی تھی اور نہ بالکل قدیم کیتھولکی عقیدے کی پیروی کی تھی نہ جینوا کے کالوین کے خیالات کی اس نماز کی کتاب کی ۱۶۶۲ء تک چار دفعہ نظر ثانی کی گئی۔ ابتدا میں قدیم رسم و عادت کے خلاف یہ نئی چیز کچھ زیادہ مقبول نہ ہو سکی تھی لیکن اس کی زبان کی لطافت اور سچی عقیدت کی شان نے ایک مدت ہوی کہ اسے کلیسائے انگلستان کے پیروؤں میں نہایت محبوب بنا دیا ہے۔

سیمور کی غداری

پارلیمنٹ کے اسی اجلاسات میں سیمور (امیر سیوڈلی) کی غداری کا مقدمہ طے ہوا۔ اس شخص کی بداعمالیاں مشہور تھیں اور یوں بھی اپنے بھائی سے وہ ہر طرح کمتر درجے کا آدمی تھا۔ لیکن جاہ طلبی اور سازش میں کسی سے کم نہ ہوگا۔ اوّل تو اس نے شہزادی الزبیتھ سے شادی کی ہوس پکائی اور پھر ہینری کی بیوہ کیتھرائن پار سے چھپ کر شادی کر لی۔ وہ ۱۵۴۸ء میں فوت ہوی تو اس نے دوبارہ وہی منصوبہ باندھا اور الزبیتھ کی نوکروں کو رشوت دی کہ شہزادی کو اس کی جانب مائل کریں۔ علاوہ ازیں امارت بحر کے عہدے سے یہ فائدہ اٹھایا کہ رودبار انگلستان کے بحری قزاقوں سے دوستی قائم کی۔ برسٹل میں اپنے لئے سکہ ڈھلوایا۔ دو توپ سازی کے کارخانے بنوائے۔ ۲۸ توپیں اور تیرہ ٹن گولہ تیار کیا اور ہولٹ کیسل کے دمدمے بنوا کر سامان رسد جمع کیا۔ یہ سب باتیں ظاہر ہوئیں تو ان کی غدارانہ نوعیت میں کوئی شک نہ رہا اور خرابی خون کے فتوے پر سیمور کو موت کی سزا دی گئی۔ لےٹمر کا قول ہے کہ وہ شریر آدمی تھا اور بہت اچھا ہوا کہ ملک نے اس سے نجات پائی۔

مغرب کے فساد

اس کے بعد مغرب میں فساد برپا ہوا ۱۵۴۹ء کے وہٹ سنڈے کے روز پہلی مرتبہ نئی کتاب ادعیہ کی قرأت ہوی جس سے مخالفت کا طوفان مچ گیا۔ کم سے کم ایک گاؤں میں تو نمازیوں نے جبراً امام سے وہی پرانی دعا پڑھوائی۔ زیادہ دن نہ گزرے تھے کہ شورہ پشت مسلح گروہ کی صورت میں سامنے آئے اور سر پیٹر کیریو کی فتنہ فرو کرنے کی ناکام کوشش نے آگ کو اور بھی بھڑکا دیا۔ انھوں نے دس ہزار کی تعداد میں

اکزیٹر پر چڑھائی۔ پومری اور ارنڈیل اُن کے سرخیل تھے اور مطالبہ یہ تھا کہ ہینری ہشتم کے شرعی قوانین و رسوم خصوصاً قانون ارکانِ ستّہ پھر نافذ کئے جائیں انجیل کا انگریزی ترجمہ ممنوع ہو اور کارڈینال پول واپس بلا لیا جائے۔ یہ لوگ سیدھے لندن پر چڑھ دوڑتے تو معاملہ واقعی بہت نازک ہو جاتا کیونکہ آکسفرڈ شر اور برک شر وغیرہ پرگنوں میں بھی ہنگامے بپا ہو گئے تھے۔ لیکن انھوں نے اکزیٹر کے بے سُود محاصرے میں بہت سا وقت کھو دیا اور اگست میں امیر رسل، گرے ڈی ولٹن نے جرمن سپاہیوں کی مدد سے اکزیٹر سے چار میل دُور سینٹ میری کلسٹ کے گاؤں میں ان پر حملہ کیا۔ باغی انتہائی پامردی سے لڑے اور گرے نے جو پنکی کے معرکے میں سوار فوج کا سردار تھا، اعتراف کیا کہ ایسی استقامت کبھی نہ دیکھی تھی لیکن آخر میں جرمن گولیاں انگریز کسانوں کی دلاوری پر غالب آگئیں سیمپ فرڈ کورٹنے میں ایک اور معرکے کے بعد ڈیون شر کی بغاوت فرو ہوئی۔ باغیوں کا کل نقصان چار ہزار ہوا۔ مذکورۂ بالا جرمن سپاہیوں کو فوج مستقل کی حیثیت سے حکومت نے ملازم رکھ لیا تھا۔ ارنڈیل اور تین دوسرے باغی سرداروں کو ٹائی برن میں سولی دی گئی۔ رسل کو مغربی اضلاع کی ان خدمات کے صلے میں امیر بیڈ فرڈ بنا دیا گیا۔

مغرب میں یہ کشت و خون ہو ہی رہا تھا کہ مشرقی اضلاع میں ایک تازہ بغاوت پھوٹی۔ نارفک اُن دنوں انگلستان میں ڈیون شر کی گویا ضد سمجھا جاتا تھا۔ وہ غالباً سب سے دولت مند پرگنہ تھا۔ وہاں صنعتی کارخانوں کی سب سے بڑی تعداد تھی اور وہاں کے باشندے اصلاحِ کلیسا کے اتنے حامی تھے کہ انگلستان میں کسی دیہی علاقے کے نہ ہوں گے۔ بخلاف اس کے ڈیون شر زمانے کی نئی زندگی اور ہل چل سے بہت دُور ہٹا ہوا تھا اور اپنے پرانے رسم و رواج کا گرویدہ تھا۔ لیکن نارفک میں عوام کو دوسری شکایتیں تھیں۔ بھیڑ پالنے کی ترقی، اور اس کی بدولت کاشتکاروں کی بے دخلی، شاملات کی احاطہ بندی اور زرعی مزدوروں کی مانگ میں کمی سے، کوئی پرگنہ اتنے نقصان میں نہ رہا ہوگا جس قدر نارفک۔ اُدھر سکّے کی کم عیاری نے

تخفیف شدہ مزدوری کو اور بھی کم قیمت بنا دیا اور انجمنوں کے مال کی ضبطی نے اسباب ناراضی میں اضافہ کر دیا۔ الغرض ۶ر جولائی کو نارج کے قریب لوگوں نے جو اتفاقی طور پر جمع ہو گئے تھے، اماطوں پر ال کر حملہ کیا۔ روبرٹ اور ولیم کیٹ ان کے سرگروہ تھے کیٹ خاندان کے لوگ خاصے خوشحال دباغ تھے اور ان کی سرداری میں کسانوں نے ماوس ہولڈ پہاڑی پر باقاعدہ پڑاؤ تیار کیا۔ جنوب میں قصبۂ نارج اس پہاڑی کے نیچے واقع ہے۔ یہاں انھوں نے کڑیاں ڈال کے جھونپڑے بنائے اور آس پاس کے زمینداروں سے سامان رسد حاصل کیا بلکہ خود ان زمینداروں کو بلاکر باز پرس شروع کی۔ ان کی کارروائی بہت باقاعدہ تھی۔ کشت وخون کی نوبت نہیں آئی صبح شام روزانہ نمازیں پڑھی جاتیں اور "بلوط اصلاح" سے وعظ کہے جاتے تھے۔ پہاڑی پر صرف یہی ایک درخت تھا اور واعظوں میں میتھو پارکر کا بھی نام آتا ہے۔ سلطنت کے نگران ہارٹ فرڈ (یا امیر کبیر سمرسٹ) کو ایک وقت یہ مشکل آئی کہ وہ خود احاطہ بندی کے خلاف رائے ظاہر کر چکا تھا اور ایک تحقیقاتی جماعت بھی مقرر کی تھی کہ اس مسئلے کی چھان بین کرے۔ لہذا جبر وتشدد کرنے میں اسے تامل ہوا اور اس نے باغیوں کو سمجھا بجھا کر اپنے گھروں کو روانہ کر دینا چاہا۔ اس کی نیت اچھی تھی مگر کوشش کامیاب نہ ہوئی اور لڑائی چھڑ گئی۔ مجلس اوصیا نے معاملہ اپنے ہاتھ میں لیا اور امیر وارک کو جو اسکاٹ لینڈ کے راستے میں تھا، حکم بھیجا کہ پہلے اس بغاوت کا سدباب کرے۔ اس نے ہدایت پر عمل کیا اور کسان حماقت سے اونچی جگہ چھوڑ کر

ماوس ہولڈ پہاڑی کی لڑائی۔

ڈفن ڈیل کی وادی میں اتر آئے اور بے موقع گھر کر تین ہزار کے نقصان سے بری طرح فرار ہوئے۔ یہ ۲۷ر اگست کا واقعہ ہے۔ کہتے ہیں ایک لغو پیشین گوئی کی بنا پر وہ اس تباہی میں مبتلا ہوئے جس کا مطلب یہ تھا کہ وہ ڈفن ڈیل میں کشتوں کے پشتے لگا دیں گے سرغنوں نے سولی پائی مگر دوسروں کے ساتھ سختی نہیں کی گئی۔ دوسرے مشرقی پرگنوں میں بھی چھوٹے چھوٹے فساد برپا ہوئے اور یہ عام نعرہ کہ

"مارمیاں کی گردن" ظاہر کرتا ہے کہ زمینداروں کے خلاف کس قدر خطرناک فریقانہ عداوت پیدا ہو گئی تھی۔

اس تمام ہل چل اور فساد کا الزام زمینداروں اور امیروں نے ہارٹ فورڈ کے سر تھوپا اور اس میں تو کوئی شبہ نہیں کہ اس کا نظم ونسق بالکل ناکام رہا۔ فرانس میں وہاں کے بادشاہ آہستہ آہستہ بولون کے مضافات پر قابض ہو گئے اور کوئی روک تھام نہیں کی گئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس بندرگاہ پر قبضہ رکھنا بہت دشوار وخرچ طلب بن گیا۔ شہنشاہ سے رشتۂ اتحاد مخدوش ہو چکا تھا حالانکہ اب، جب کہ فرانس سے جنگ تلی نظر آتی تھی یہ بہت مفید مطلب ہوتا۔ ادھر خود ملک کی مالی حالت بالکل ابتر تھی۔ اوپر سے نیچے تک سارے سرکاری عمال غبن میں مبتلا تھے ہینری کے تمام طویل عہد حکومت میں اتنے فساد اور ہنگامے نہ ہوئے تھے جتنے ان چھ مہینے میں ہو گئے۔ غرض نگران سلطنت کے زمانے میں جس چیز کو دیکھئے اسی میں خرابی نظر آتی تھی اسی پر دوسرے اوصیا نے ارادہ کر لیا کہ ہینری کی وصیت پر بلفظہ عمل کیا جائے اور امیر کبیر سمرسٹ کو اس کے منصب سے ہٹا دیا جائے۔

سمرسٹ کی معزولی

اس ارادے پر عمل ہونا کچھ سہل نہ تھا۔ اہل مجلس وارک کی سرگروہی میں۔ لندن میں جمع ہوئے اور شکایت نامہ مرتب کیا لیکن سمرسٹ بادشاہ کو لیکر ہیمپٹن کورٹ جا چکا تھا اور جب اسے حریفوں کے ارادے معلوم ہوئے تو اُس نے ایک اعلان شائع کیا اور عامۃ الناس کو اپنی مدد کے لئے بلایا اور دوسری طرف رسل کو بلوا بھیجا کہ نارفک سے آئے اور بادشاہ کی حفاظت کرے بایں ہمہ اہل مجلس ارادے پر جمے رہے اور ملک بھر میں خط بھیج بھیج کر انھوں نے اصل حالات کی اطلاع دی۔ غالباً یہی استقلال دیکھکر سمرسٹ کی ہمت پست ہوئی اور ۱۵۴۹ء میں آدھی رات کو وہ بادشاہ کو گھوڑا دوڑاتا ہوا ونڈزر لے آیا اور وہاں پہنچکر کامل اطاعت قبول کر لی ہم اسے قلعۂ لندن میں لائے اور اُس کی حکمت عملی سے جو خرابیاں پیدا ہوئی تھیں، اُن کو لکھ کر اُسی کے قصور کا دستخطی اقبال کرایا۔ پھر اُس کے ساتھ رعایت کی گئی اور دوسرے سال اپریل میں مجلس اوصیا میں لے لیا گیا لیکن اس کی معزولی کے بعد کوئی محافظ نہیں مقرر کیا گیا اگرچہ مجلس میں سب سے زیادہ اقتدار جان ڈڈلی،

ایرل وارک کے ہاتھ میں آگیا جو ہنری ہفتم کے پُرانے وزیر کا بیٹا تھا۔ ہنری ہشتم کے عہد میں اس سے اکثر خدمات لی گئیں اور سفارت و سپہ سالاری دونوں کاموں میں اُس نے امتیاز حاصل کیا۔ ۱۵۴۲ء میں اسے امارت کا مرتبہ عنایت ہوا اور ۱۵۴۴ء تا ۱۵۴۷ء میں اسکاٹ لینڈ میں وہی سمرسٹ کا نائب سپہ سالار رہا اور اپنی مستعدی و کارگزاری میں کوئی کمی نہ آنے دی۔ نارفک کے باغیوں پر اسکی تازہ فتح اور حکومت میں اس تیز دستی سے تبدیلی کرا دینے کی بدولت وہ ملک بھر میں سب سے ممتاز ہو گیا۔ وہ نپولین کی وضع کے ایسے لوگوں میں تھا جو ہمیشہ عہد انقلاب میں سب سے اوپر آجاتے ہیں۔ وہ لائق، جاہ طلب، بے اصول، لامذہب، نہایت ٹھنڈا اور دور اندیش آدمی تھا اور پوری توجہ سے اپنی اور اپنے خاندان کی بہتری میں سرگرم کار ہو گیا۔[1]

مجلس اوصیا کو سب سے پہلے سمرسٹ کی بدنظمیاں دُور کرنے کی فکر تھی مگر یہ لوگ خود ہی شخصی اغراض میں مبتلا اور ملک سے غافل تھے۔ پچھلے قرضے چکانے کے لئے انھوں نے اور زیادہ روپیہ قرض لیا اور کثیر تعداد میں کم عیار سکے ضرب کرائے۔ فصل کم ہوی اور قیمتوں میں گرانی پیدا ہوای تو انھوں نے سرکاری طور پر نرخ معین کر کے

---

[1] ڈڈلی اور سڈنی خاندان کا شجرہ:۔

ایڈمنڈ ڈڈلی (وزیر ہنری ہفتم)

جان ڈڈلی

(ایرل وارک۔ شہزادہ نارتھمبرلینڈ)

ایرل وارک — روبرٹ ڈڈلی (ایرل لیسٹر بنایا گیا) — گلڈفرڈ ڈڈلی (زوج جین گرے) — میری زوجہ سر ہنری سڈنی نائب آئرستان

(میری زوجہ سر ہنری سڈنی کی اولاد:) سر فلپ سڈنی — روبرٹ سڈنی (ایرل لیسٹر)

گرانی کا سدّباب کرنا چاہا مگر اس تدبیر سے کاشتکاروں میں ایسی ناراضی پھیلی کہ بغاوت کے خوف سے بہت جلد یہ حکم منسوخ کر دیا گیا۔ فرانس سے صلح کر لینے میں انھوں نے زیادہ عقل کا ثبوت دیا لیکن یہ صلح بولون دیکر حاصل ہوئی۔

مذہب

مذہبی معاملات میں نگراں کی معزولی سے اصلاح کلیسا کی تحریک میں ایک نیا دور شروع ہوا۔ غالباً وارک جانتا تھا کہ ہنیری ہشتم کی حکمت عملی کی طرف رجوع کرنا زیادہ مقبول عوام ہوگا لیکن اس کام میں بغیر امیر نارفک اور کارڈنر کی رہائی کے ہاتھ ڈالنا مشکل تھا۔ اور اس خاندانی امیر کے آزاد کرنے سے قدیم امرا کو جو قوت پہنچتی وہ خود اُس کے حق میں سخت مخدوش نظر آتی تھی، لہذا اس نے اصلاح کلیسا کی حمایت کا بیڑا اٹھایا اور بونر وغیرہ قدیم عقائد کے استقفوں کی جگہ ایڈلی (اسقف لندن)۔ ہوپر (اسقف گلوسٹر) اور کورڈیل (اسقف اکزیٹر) کو مقرر کیا۔ یہ تینوں پکے (غیر مقلدیا) پراٹسٹنٹ تھے۔ حتی کہ ہوپر تو اس پر بھی مشکل سے آمادہ ہوا کہ کلیسائی جبہ زیب تن کرے۔ اسی کے ساتھ ملاحدہ کی دارو گیر میں کمی نہیں آئی۔ یہ لوگ عقائد کی آزادی میں حکام سے کئی قدم آگے تھے۔ ۱۵۵۰ء میں جون بوشے، حلول کے خلاف عقائد رکھنے کی بنا پر زندہ جلایا گیا اور اگلے سال ایک ہولنڈیزی اناببپٹسٹ (= لااصطباغی) مسمی جارج فان پیریں کا یہی حشر ہوا۔ ان شدید سزاؤں کی ذمہ داری کرینمر پر ہے جس نے ایڈورڈ کو مشکل سے قتل کی منظوری دینے پر آمادہ کیا۔ ادھر مجلس حیران تھی کہ شہزادی میری کے معاملے میں کیا تدبیر کرے جو ابھی تک قدیم نماز و مناجات کی پابندی تھی۔ اسے روکا گیا مگر وہ اڑی رہی اور چونکہ شہنشاہ چارلس بھی اس کی پشت پناہی کر رہا تھا۔ لہذا مجلس کو اندیشہ ہوا کہ کہیں یہ بادشاہ انگلستان کے خلاف فرانس سے کوئی اتحاد نہ کرلے اور انھوں نے شہزادی کے محل کو امتناعی احکام سے مستثنیٰ کر دیا۔

اس عرصے میں امیر کبیر سمرسٹ دوبارہ رسوخ حاصل کرتا جاتا تھا۔ اوصاف ذاتی میں وہ اپنے حریف سے کہیں بہتر آدمی تھا اور اصلاحی عقائد سے

اُس کی دلی گرویدگی نے نئے فرقے کے سچّے پیرووں کو اُس کا شیفتہ و موئید
بنا دیا تھا۔ ۱۵۵۱ء کے سرما میں اس بات کا قرینہ پیدا ہو گیا کہ سمرسٹ کے
حامی وارک کو مسندِ اقتدار سے نیچے گھسیٹ لیں گے اور کوئی شبہ نہیں کہ دونو
امیر ایک دوسرے کے خلاف سازباز میں مصروف تھے۔ لیکن وارک زیادہ
عیّار تھا۔ حریف کے منصوبوں کی اطلاعیں اس کے ہاتھ آئیں تو یکایک سمرسٹ کو
غدّاری کے جرم میں گرفتار کرا لیا۔ آخر میں غدّاری کا الزام تو چھوڑ دیا گیا لیکن اس پر
حریف کی جان لینے کی سازش صحیح ثابت ہوی اور اسی کی پاداش میں جنوری ۱۵۵۲ء میں
سر قلم کرا دیا گیا۔ قتل کے موقع پر جو منظر دیکھنے میں آیا اسی سے سمرسٹ کی غیر معمولی
ہر دلعزیزی ثابت تھی۔ جو لوگ جلّادی چبوترے کے قریب تھے انھوں نے
دستیاں خون میں تر کر لیں کہ تبرّک کے طور پر محفوظ رکھی جائیں۔ لیکن ایڈورڈ نے
اپنے روزنامچے میں سرد مہری سے صرف یہ یادداشت لکھی ہے کہ امیر کبیر سمرسٹ کا
صبح آٹھ اور نو کے درمیان ٹاور ہل پر سر قلم کر دیا گیا۔ اسی دن سے وارک جو چند
روز قبل امیر کبیر نارتھمبرلینڈ بنایا گیا تھا، عناد و نفرت کا مرجع ہو گیا۔

۱۵۵۲ء میں پارلیمنٹ کا ایک اہم اجلاس ہوا اور اس میں کتاب ادعیہ
کی نظر ثانی کی منظوری دی گئی۔ نئے نسخے میں جو "ایڈورڈ ششم کی دوسری کتاب ادعیہ"
کہلاتی ہے بہت سی اصولی تبدیلیاں کر دی گئی تھیں اور چونکہ یہ پراٹس ٹنٹی عقائد کے
مطابق تھیں، لہٰذا جو لوگ تناسخ جسمی کے قایل تھے، انھیں نئی انجیل کے پڑھنے
پڑھانے میں بہت دقت پیش آئی۔ جدید کتاب ادعیہ کے ساتھ ۴۲ ضروری
مسائل، بچوں کے یاد کرنے کے سوال و جواب اور روزمرّہ کے احکام شایع ہوئے۔
اور بعض قدیم رسوم ترک کرنے کی ہدایت کی گئی۔ غدّاری کے مقدمات کے متعلق
ایک قانون منظور کیا گیا کہ آیندہ کم سے کم دو گواہوں کی شہادت کے بغیر کسی کو
سزا نہ دی جائے۔ چند قوانین اُس زمانے کی معاشی مشکلات کے متعلق نافذ
ہوئے۔ کمین کسانوں کا جب سے رواج مسدود ہوا اور مزدوروں کی اراضی سے
عملاً علیحدگی عمل میں آئی، اس وقت سے مزدوروں کا ایک طبقہ ایسا پیدا ہو گیا

بے روزگاری

جس کی معاش کا انحصار تمام تر محنت کی اجرت پر تھا۔ اگر محنت کا

اجرنہ مل سکے تو پھر اُن کا اور کوئی سہارا نہ تھا اور ہرچند فرض کر لیا گیا تھا کہ ہر شخص کے واسطے جو محنت کرنا چاہے کام مل جاتا ہے لیکن تجربے سے ثابت ہوا کہ یہ مفروضہ صحیح نہ تھا۔ چنانچہ سولھویں صدی ہی کے ارباب بست وکشاد ہی پہلی مرتبہ "بے روزگاری" کے مسئلے سے دوچار ہوئے انھوں نے اس کا حل یہ تجویز کیا کہ ایک "قانونِ مساکین" کے ذریعے ہر حلقے میں باقاعدہ چندہ کرایا اور ایک تحقیقاتی جماعت مقرر کی کہ زراعت کے احیا کی تدابیر بتائے۔ مگر اسی زمانے میں ایک علمی تجویز پیش کی گئی جس سے انگسازی انگلستان کی ایک بڑی صنعت بن سکتی تھی تو اس پر انھوں نے اغلنانہ کی اور ساتھ ہی سود در سود کے قدیم امتناعی قوانین کی تجدید کی اور ایسی سودخواری کو مذموم اور قابل نفرت قرار دیا۔

تحریک اصلاح سے رجعت

اصلاح کلیسا کی تحریک سے رجعت ومخالفت پیدا کرنے کے لئے امیر کبیر نارتھمبرلینڈ اور اس کے ہواخواہوں کا طرز عمل بہت کافی تھا کیونکہ نئے نظم ونسق میں ہر شے بد سے بدتر ہوی جاتی تھی۔ زمانۂ سابق میں اہل کلیسا کی بداخلاقیاں وجہ شکایت تھیں لیکن اصلاح کلیسا کی تحریک نے محض عقائد پر اتنا زور دیا کہ حسب دستور لوگ عمل کی طرف سے غافل ہو گئے اور اخلاق وآداب میں عام سستی کی شکایت پیدا ہوی۔ اہل حرفہ اور تاجروں کی انجمنوں کا سرمایہ ضبط کرنے سے قبل بعض تدابیر کی گئی تھیں کہ مال کی نوعیت میں خرابی نہ آنے پائے لیکن اب ہر طرف آمیزش اور ناقص کاریگری کا شکوہ تھا اور گلگ کی اس سے بڑھ کر رسوائی کیا ہوگی کہ انگلستان کا مال، اینٹ ورپ اور وینس میں دکھایا گیا کہ کھوٹا بنا کے دھوکے سے بیچا گیا ہے۔ خانقاہوں کے اوقاف ضبط ہونے سے پہلے مالکان زمین کی زیادہ ستانیوں اور بے رحمیوں کا بھی اس قدر چرچا سننے میں نہ آتا تھا لیکن اب تو نئے زمیندار آدمی کی جان کو بھی بھیڑ کے برابر قیمتی نہ سمجھتے تھے۔ زمانۂ سابق میں حکومت اپنی آمدنی کے مطابق خرچ رکھتی تھی مگر اب تو گرجوں کا کثیر اثاثہ ضبط کرنے اور گھنٹے، چھتوں کا سیسہ حتیٰ کہ پادریوں کے جُبّے قبے بیچ ڈالنے کے باوجود اس کی پوری نہ پڑتی تھی اور ملک قرضوں سے زیربار ہوتا چلا جاتا تھا۔

ان سب باتوں کی ہر پھر کے تحریک اصلاح کلیسا پر زد پڑتی تھی اور لوگ رنج وحسرت سے ہینری ہشتم کا زمانہ یاد کرتے تھے کہ گو اپنے مخالفوں کے ساتھ وہ سخت و داشت تھا لیکن عام رعایا سے ہمیشہ کمال ہمدردی کرتا رہا۔

نوعمر ایڈورڈ کی بادشاہی سے بہت کچھ امیدیں وابستہ تھیں۔ نازک اندام ہونے کے باوجود وہ عمر سے کہیں بڑھ کر ہوشیار لڑکا تھا اور اس کی بعض تحریریں دیکھکر معلوم ہوتا ہے کہ اسے اصلی حالات سے کیسی حیرت انگیز اور تہ تک کی واقفیت تھی۔ اب اس کی عمر پندرہ سال کی تھی ایک سال میں بلوغ کو پہنچنے والا تھا اور توقع تھی کہ نظم ونسق کی باگ اس کے ہاتھ میں آئی تو بہت کچھ اصلاح وبہتری ہو جائے گی۔ اسی حالت میں بھی اُس نے شاہی محلسرا کے مصارف کم کرنے کی کافی کوشش کی اور بتدریج قرضوں کے اتار دینے کی تجویز بھی بنائی تھی لیکن افسوس ہے کہ اسی موسم بہار (۱۵۵۲ء) میں اس کی صحت بگڑنے کے آثار نمایاں ہو گئے۔ ۱۵۵۱ء کے جاڑوں میں جب کے ونڈزر سے رات کو سوار ہو کے وہ لندن لایا گیا، اسی وقت سے اُسے کھانسی کی تکلیف رہنے لگی تھی جو کسی طرح دُور نہ ہوی اور اس کی حالت اور خراب ہوتی گئی۔ یہ علالت دیکھکر نارتھمبر لینڈ بہت گھبرایا کہ اگر ایڈورڈ نہ رہا تو ہینری کی وصیت کی رو سے جس کی پارلیمنٹ تصدیق کر چکی تھی، شہزادی میری وارث سلطنت ہوگی اور اس صورت میں نارتھمبرلینڈ کی قطعی خیر نہ تھی۔ پس اُس نے وراثت کا یہ انتظام درہم برہم کرنے کی ایک عجیب تدبیر سوچی۔ واضح رہے کہ میری اور الزبیتھ کے بعد بیگم سفک اور اس کی بیٹیاں جین وکیتھراین گرے، بادشاہی کی وارث قرار دی گئی تھیں۔ انھی میں سے جین گرے کے ساتھ تو نارتھمبرلینڈ نے اپنے بیٹے گلڈفرڈ ڈولی کی اور کیتھراین گرے سے اپنے دوست امیر پیمبرک کے بڑے بیٹے امیر ہربرٹ کی شادی ٹھیرادی ایڈورڈ خود پکا پراٹسٹنٹ رہا اور اس کے دو امام یعنی جان ناکس (جو بعد میں کینٹربری کا مشہور صدر اسقف ہوا) اور گرن ڈل بھی اسی فرقے کے ممتاز حامی تھے۔ انھی کو نارتھمبرلینڈ نے سمجھا بجھا کے رضامند کیا کہ ناجائز ولادت کے عذر پر میری کی وراثت کو کالعدم

کردیں کہ کہیں اصلاحی مذہب معرض خطر میں نہ پڑجائے ۔ اسی اعتراض کی زد میں الزبیتھ بھی آگئی اور پھر اُس نے بغیر پارلیمنٹ کی رضامندی کے ایڈورڈ کو ایک ناجائز وصیت نامہ لکھنے کی ترغیب دی جس کی رو سے تخت شاہی چھین اُس کے ورثا ، اور پھر اس کی بہن اور آخر میں مارگریٹ ٹیوڈر کی بیٹی مارگریٹ (زوجہ لنکن) کے نام منتقل ہوتا تھا ۔ حکام عدالت نے نوعمر بادشاہ سے صاف صاف کہہ دیا کہ اس کا یہ وصیت لکھنا جائز نہیں ہے لیکن ایڈورڈ نے ضد کی اور بہت سے اعیان و عمائد کو مجبوراً وصیت مان لینی پڑی اس کے بعد ایڈورڈ کی حالت جلد جلد بگڑتی گئی اور عمر کے سولھویں سال ، ۶ ، جولائی ۱۵۵۳ء کے دن اس نے عالم بقاء کی راہ لی ۔

باب چہارم

میری : ۱۵۵۳ء تا ۱۵۵۸ء

ولادت ۔ ۱۵۱۶ء ۔ شادی ۔ ۱۵۵۴ء (با فلپ شاہ اسپین)
معاصرین : اسکاٹ لینڈ .... میری
فرانس .... ہینری ثانی
اسپین .... چارلس اول و فلپ ثانی
شہنشاہ .... چارلس پنجم

نارتھمبرلینڈ نے پوری کوشش کی کہ ایڈورڈ کی موت کی خبر اس وقت تک کہ میری گرفتار کرلی جائے، ظاہر نہ ہونے پائے ۔ لیکن ایک ہوا خواہ نے ہنزڈن (ہارفرڈ شر) میں جہاں وہ مقیم تھی، فوراً خبر پہنچادی ۔ ایڈورڈ، ۷ جولائی کے دن ۸ اور ۹ بجے کے درمیان فوت ہوا اور دوسری صبح سے پہلے میری (نارفک میں) خاندان ہاورڈ کے قلعۂ کیننگ ہال کی طرف روانہ ہوگئی ۔ بزرگ خاندان امیر کبیر نارفک، تو اس وقت قلعۂ لندن میں نظر بند تھا لیکن خاندان کے

دوسرے افراد بھی میری کے سرگرم طرفدار تھے دوسرے یہ علاقہ مقابلہ کرنے اور اگر ضرورت پیش آئے تو یورپ کو فرار ہو جانے کے لئے نہایت مناسب تھا۔ راستے میں ہر جگہ میری نے اپنی بادشاہی کا اعلان کیا اور تمام وفادار اہل انگلستان سے مدد کی درخواست کی۔ ادھر نارتھمبرلینڈ نے اپنے بیٹے روبرٹ ڈڈلی کو جو آگے چل کے لیسٹر کا مشہور امیر ہوا) ہنز ڈن بھیجا کہ میری کو حراست میں لیا جائے لیکن اس کے پہنچتے پہنچتے چڑیا اڑ گئی تھی اور اس وقت اندازہ ہوا کہ اُسے پہلے سے گرفتار نہ کر لینا کتنی بڑی غلطی تھی۔

جین گرے کی بادشاہی کا اعلان

جب خبر نہ چھپ سکی تو نارتھمبرلینڈ نے مجلس کا انعقاد کیا ایڈورڈ کی وفات کی اطلاع دی اور جین گرے کی تاجپوشی کی تیاریاں کیں۔ ۹ ہر تاریخ اُسے طرفدار امیروں نے ملکہ تسلیم کیا اور ۱۰ ہر جولای سے وہ محلسرا ئے شاہی میں اُٹھ آئی اسی روز شہر میں بادشاہی کا اعلان ہوا جسے لوگوں نے ادب سے سنا مگر کوئی خوشی ظاہر نہ کی بلکہ ایک لڑکے (گلبرٹ پاٹر) نے چلا کے کہا کہ "میری کا زیادہ حقدار ہے"۔ خود جین اس منصب جلیل کے پانے سے زیادہ خوش نہ تھی۔ اس کے حالات جو ہم تک پہنچے نیز خود اس کے خطوں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنی عمر سے بڑھ کر علمی استعداد، فراست اور خدا ترسی کا سچا جذبہ اور مجموعی طور پر بہترین سیرت رکھتی تھی۔ اسی کے ساتھ جب اُس نے تاجپوشی میں اپنے شوہر گلڈ فورڈ ڈڈلی کو شریک کرنے سے انکار کیا تو نارتھمبرلینڈ پر ظاہر ہو گیا کہ وہ محض گڑیا بنکر رہنے والی نہیں ہے۔ اس نے کہا کہ "یہ صورت صرف پارلیمنٹ کی تحریک سے ہو سکتی ہے۔

اضلاع سے نارتھمبرلینڈ کو بُری بُری خبریں مل رہی تھیں۔ اُس کے بیٹوں نے میری کی فوج رکاب کو جا لیا تھا لیکن انھی کے ساتھ والوں نے لڑنے سے انکار کر دیا۔ امرا اور اشراف ہر طرف سے جُوق جُوق نارفک میں جمع ہونے لگے اور کہا جاتا تھا کہ امیر ڈاربی نے بیس ہزار چلیشیر کے باشندوں کو فراہم کر لیا کہ ملکۂ جائزہ کے واسطے جنگ کریں۔ حقیقت یہ ہے کہ چند اشخاص کی سازشی جماعت کے سوا سبھی کی نظر میں میری کا حق وراثت مُسلّم تھا۔ اسے باپ کی وصیّت اور

پارلیمنٹ کے باضابطہ قانون سنے وارث صحیح بنایا تھا اور یہ قانون کسی نے منسوخ نہیں کیا۔ اس کی ذاتی سیرت میں کوئی عیب نہ تھا۔ اپنے مذہب کے لئے وہ جس طرح ثابت قدم رہی، اس نے سب سے خراج احترام وصول کیا اور اتنی مدت تک جو بدسلوکیاں ساتھ ہوتی رہیں، اُن سے لوگ اس کے طبعاً ہمدرد ہوگئے تھے۔ اس کی تخت نشینی سے توقع تھی کہ ہنیری ہشتم کا زمانہ عود کر آئے گا اور اس قسم کا مذہبی انتظام ہو سکے گا جو ہنیری کی حکمت عملی کے مطابق ہو۔ یعنی روما سے تعلق قطع کر لیا جائے لیکن کیتھولک عقائد میں کوئی فرق نہ آنے پائے۔ اور کوئی شک نہیں کہ انگلستان کی اکثریت اسی کی خواہش مند تھی۔ بخلاف اس کے جین کی کامیابی کے معنی یہ تھے کہ نارتھمبرلینڈ اور اس کے آوردوں کا عمل دخل قائم رہے جنھیں عوام الناس گذشتہ عہد کی ساری غلطیوں اور خرابیوں کا باعث گردانتے تھے۔ غرض یہ کہ ملک میں جین کے کامیاب ہونے کا کوئی قرینہ نہ تھا۔

نارتھمبرلینڈ کے منصوبوں کا ٹوٹ جانا

نارتھمبرلینڈ کی کامیابی کی اب اگر کوئی صورت تھی تو یہ کہ میری کو گرفتار اور اس کے گرد جمع ہونے والی فوجوں کا قلع قمع کر دیا جائے۔ چنانچہ تنخواہ کے بڑے بڑے وعدوں پر اُس نے اجیر سپاہی فراہم کئے اور نارفک کی طرف کوچ کیا اور دوسری طرف سے بیڑے کو حکم دیا کہ چکر کھا کے یارمتھ پہنچ جائے۔ لیکن فوج میں تو جان بوجھ کر ایسے لوگ آبھرے جو نارتھمبرلینڈ کے سخت ترین اعدا کے فرستادہ یا ملازم اور موقع پاتے ہی خود اس پر پلٹ پڑنے کے لئے تیار تھے اور اُدھر بیڑے کے سپاہیوں نے یارمتھ پہنچتے ہی ملکہ میری کی طرف ہو جانے کا اعلان کر دیا۔ طرفہ تر یہ کہ لندن سے نارتھمبرلینڈ کو روانہ ہوئے دیر نہ ہوی تھی کہ اُسی کے گروہ کے امرا کی ایک جماعت نے جن کا سرگروہ کتھبرٹ گرے کا خسر امیر ہیم برک تھا، میری کی بادشاہی قبول کر لی نارتھمبرلینڈ کیمبرج سے چند میل آگے بڑھا تھا کہ یہ خبر ملی اور وہ سمجھ گیا کہ بازی ہر گئی۔ چنانچہ کیمبرج واپس آکر خود بھی میری کی بادشاہی کی منادی کی (۲۰ جولائی) لیکن میری کے حکم سے

دوسرے ہی دن گرفتار ہوا اور اپنے بیٹے وارک اور چند ہمراہیوں کے ساتھ قلعۂ لنڈن میں بھیجدیا گیا۔ ۳ اگست کو میری لنڈن میں داخل ہوئی شہزادی الزبیتھ دوشس بدوش گھوڑے پر سوار تھی۔ نئی ملکہ نے پہلا کام یہ کیا کہ نارفک، گارڈنر اور ایڈ ورڈ کورٹنی کو قلعۂ لنڈن کی قید سے نجات دلائی۔ نارتھمبرلینڈ کو کسی رحم کی امید نہ ہوسکتی تھی۔ وہ بلا تاخیر مروادیا گیا اور اصلاح کلیسا کو مرتے مرتے یہ اعلان کرکے نقصان پہنچا گیا کہ میرا پراٹسٹنٹی عقیدہ اختیار کئے رہنا محض بناوٹ تھا۔ جین گرے، اور اس کا شوہر بھی محبوس کردیے گئے اور غداری کے جرم کے مرتکب قرار پائے لیکن میری ان کے خلاف فیصلوں کو ابھی عمل میں لانے کی نیت نہ رکھتی تھی۔

میری کی بادشاہی

تخت نشینی کے وقت میری عمر ۳۶ سال کی تھی چہرے پر درشتی کے ساتھ، حالت جوش میں خوبصورتی کے آثار بھی ضرور تھے۔ تصویروں کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنی پردادی مارگریٹ بوفرٹ سے نہایت شباہت رکھتی تھی اور عجب نہیں کہ اسی سے مذہبی راسخ الاعتقادی ورثے میں پائی ہو۔ بہرحال اب جو لوگوں کو دلی جذبات ظاہر کرنے کی آزادی ملی تو صاف ظاہر ہوگیا کہ سوائے قلیل التعداد حامی اصلاح جماعت کے عوام دل سے اُس کی بادشاہی کے مؤید تھے لیکن تخت جہانبانی تک پہنچنا ہی اس کے حق میں خطرناک ہوا۔ لوگوں کو میری کی خوخصلت، کا کوئی علم نہ تھا اور تھا بھی تو صرف اچھے پہلو کا۔ اُن کی تائید کا اصلی سبب یہ تھا کہ وہ سمجھتے تھے کہ ان کے حسب منشا ایک خاص قسم کے نظم ونسق قائم ہونے کی بہترین صورت یہی ہوگی کہ میری حکمران ہوجائے۔ باہر اپنی شادی کرنا یا روما سے از سر نو مذہبی تعلق پیدا کرنا صریحی لوگوں کی ناخوشی کا موجب ہوتا اور اس لئے ادھر کسی کا خیال بھی نہ گیا تھا حالانکہ یہی وہ امور تھے جن کے بارے میں ملکہ قطعی فیصلہ کرچکی تھی اور جس چیز کو وہ دینی اغراض کے لئے ضروری سمجھتی تھی پھر اسے عمل میں لانے سے کوئی مصلحت اسے باز نہ رکھ سکتی تھی۔

ملکہ کی مجلس میں سب سے اچھا شیر دل نئے کا پرانا شاگرد گارڈنر، داستقف ونچسٹر

تھا جو پیشکار مقرر ہوا۔ وہ سراپا انگلستان کا ہوا خواہ تھا اور گو ہینری ہشتم کی حکمت عملی کو تازہ کرنا چاہتا تھا، تاہم پاپا کا اقتدار بحال کرنے کی مطلق خواہش نہ تھی۔ مگر میری نے اس کا مشورہ ماننے کی بجائے اپنے آپ کو بالکل رینارڈ کی رائے پر چھوڑ دیا جو شہنشاہ کا سفیر اور صرف اپنے آقا کی بہتری چاہتا تھا۔ میری نے پاپا اور اپنے بنی عم پول (مشیر پاپا) سے خفیہ خط کتابت بھی شروع کر دی تھی پول انگلستان میں پاپا کا وکیل مختار مقرر ہوا اور وطن آنے کے لئے بیقرار تھا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ انگلستان کے لوگوں کو نہ میری نے سمجھا نہ رینارڈ نے، نہ پول نے اور نتیجہ یہ ہوا کہ شروع ہی سے ہر دلعزیزی میں فرق آنے لگا۔

شادی کا مسئلہ پہلا مسئلہ تو ملکہ کی شادی کا پیدا ہوا۔ گارڈنر اور قریب قریب تمام اہل ملک چاہتے تھے کہ وہ ایڈورڈ کورٹنی سے شادی کرے جو یارک کی خاندان کی آخری یادگار تھا اور اسی زمانے میں اِیرل ڈیون بنایا گیا۔ اس کے ساتھ عقد ہو جانے سے کسی بیرونی ملک سے کوئی واسطہ اور پیچیدگی نہ پیدا ہوتی اور خود خاندانِ شاہی کے حق کو قوت پہنچتی۔ مگر میری نے شہنشاہ کے فرزند اکبر فلپ سے شادی کرنے کی ٹھان لی تھی اور اسی کی ترغیب و تحریص رینارڈ دلاتا رہا۔ اس نے میری کو الزبتھ کا دشمن بنا دینے کی بھی پوری کوشش کی اور جلین گرے اور اس کے شوہر کو قتل کرا دینے پر اُکسایا۔ میری اس خبط میں اتنی مبتلا ہوئی کہ خیال ہی خیال میں فلپ کے عشق کا دم بھرنے لگی جسے کبھی دیکھا تک نہ تھا۔ خود ملک میں اس سے بڑھ کر نامقبول رشتہ ہو نہ سکتا تھا۔ اِس کی حمایت میں صرف یہ کہا جا سکتا تھا کہ اسکاٹ لینڈ کی میری، ولی عہد فرانس سے منسوب ہوئی تو انگلستان کو اسپین سے رشتہ جوڑ کر قوت بہم پہنچانی چاہئے۔ لیکن یہ دلیل اِس خطرے کے مقابلے میں کہ کہیں انگلستان بھی نیپلز اور نیدرلینڈز کی طرح سلطنت ہسپانیہ کا ماتحت نہ بن جائے، کوئی وقعت نہ رکھتی تھی اور اکثر انگریز اندیشہ مند تھے کہ ایسا ہی ہو جائے گا۔ مگر کیتھولک اور پراٹسٹنٹ اس بارے میں متفق ہو کر

مخالفت نہ کر سکے اور نتیجہ یہ ہوا کہ میری نے ایک بہ یک یہ سوال پیش کر کے مجلس سے اپنے موافق رائے حاصل کرلی۔ بایں ہمہ خود شہنشاہ نے شادی کی شرطیں مرتب کرتے وقت انگریزوں کے احساسات کا پورا لحاظ رکھا اور انگلستان کے نظم ونسق اور مالگزاری کا کامل اختیار میری کے ہاتھ میں رہنے دیا۔ ملک اسپین تو فلپ کی پہلی بیوی کے فرزند ڈون کارلوس کے ورثے میں جانے والا تھا، لیکن شہنشاہ نے وعدہ کیا کہ برگنڈی اور ندرلینڈز کی وارث میری کی اولاد ہوگی۔ مجلس نے یہ بھی طے کرالیا کہ انگلستان کی فوج یا بیڑے کی سپہ سالاری کسی پردیسی کو نہ دی جائے گی اور شہنشاہ کی فرانس سے لڑائی ہو تو انگلستان اس میں بالواسطہ یا بلاواسطہ شریک نہ کیا جائے گا یہاں ختم ہونے سے پہلے یہ شرطیں طے ہوگئیں اور قرار پایا کہ آیندہ موسم بہار سے قبل شادی ہو جائے۔ لیکن انگلستان میں ایک تازہ فساد بپا ہو جانے سے اسے ملتوی کرنا پڑا۔

فساد کے سرغنہ امیر کبیر سفک کورٹنی ٹامس وائٹ وغیرہم نارتھمبرلینڈ کے دوست تھے۔ کہنے کو تو انھوں نے ملکہ کے ہسپانوی رشتے کے خلاف ہتیار اٹھائے تھے، لیکن اگر انھیں کامیابی ہو جاتی تو اغلب یہ ہے کہ میری کو معزول کر کے الزبیتھ فرماں روا بنادی جاتی۔ مگر بغاوت ناکام رہی کورٹنی سے مجلس کے روبرو جرح ہوی اور قید کر دیا گیا۔ ایک سرغنہ کیریو، ڈیون شر میں گرفتار کر لیا گیا۔ سفک کا نارتھمبرلینڈ کے رشتہ دار ہونے کی بنا پر، وسطی اضلاع والوں نے بغاوت میں ساتھ نہ دیا۔ صرف ٹامس وائٹ کو کینٹ میں کافی ساتھی مل گئے اور نارفک جن لندنی سپاہیوں کو مقابلے میں لایا تھا، وہ بھی وائٹ سے جا ملے اور وہ ان سب کو لئے ہوئے سفک کی طرف روانہ ہوا۔ اگر وہ لندن کے پل کو عبور کر سکتا تو بے شبہ معاملہ نازک ہو جاتا کیونکہ پائے تخت میں میری کی حکومت سب جگہ سے بڑھ کر نامقبول تھی لیکن ملکہ نے مردانہ ہمت دکھائی اور گھوڑے پہ چڑھ کر گلڈہال آئی اور وعدہ کیا کہ جب تک پارلیمنٹ منظوری نہ دے گی میں شادی نہ کروں گی اس وعدے نے اہل شہر کا سوئے ظن دور کر دیا اور لندن کے پل کی ایسی حفاظت کی گئی کہ وائٹ کو اسے چھوڑ کر کنگسٹن کے پل سے ندی کو عبور کئے بغیر چارہ نہ رہا۔ اسی کے راستے میں بہت سے ہمراہی غائب ہوگئے۔ خود وائٹ کو شہری سپاہیوں نے

وائٹ کی بغاوت

قتل کرنے میں تامل کیا اور وہ شہر کے اندر داخل ہوگیا مگر اندر گرفتار کرلیا گیا۔

یہ احمقانہ اور بے ڈھنگی بغاوت ایک طرف تو شادی کی مخالفت کے حق میں نہایت مُضر تھی اور دوسرے جو لوگ اس میں شریک تھے ان کے احباب واعزہ کے لئے مہلک ثابت ہوی۔ ریناڈ نے موقع پا کے بے گناہ جین کے قتل کی منظوری لے لی اور وہ شوہر سمیت ۱۲ فروری کو مروا دی گئی۔ گارڈنر نے اس سے بھی بڑھکر اوپر ہاتھ مارا اور الزبیتھ کو مشتبہ ٹھیرا کے قلعۂ لندن میں بھجوا دیا۔ اس کے خلاف شہادت بہم پہنچانے میں ان لوگوں سے جو بغاوت کے مجرم قرار پا چکے تھے۔ ترغیب اور تہدید سے کام لیا گیا مگر حسن اتفاق سے کوئی کامیابی نہ ہوی اور وائٹ نے تختۂ صلیب پر چڑھ کر بھی اعلان کیا کہ اسے بغاوت سے مطلق سروکار نہ تھا سفک کا سر قلم کرا دیا گیا۔ کورٹنی کچھ عرصے قید میں رہ کر بالآخر چھوڑ دیا گیا۔ اور ۱۵۶۶ء میں وینس میں وفات پائی اور تمام عمر شادی نہ کی۔ دوسرے باغیوں کو بیسیوں کی تعداد میں سولی دی گئی۔ ۱۹ مئی تک قلعۂ لندن میں رہ کر پھر الزبیتھ کو وڈاسٹاک بھیجدیا گیا۔ اب شادی کی تیاریوں میں کوئی رکاوٹ نہ رہی۔ اپریل میں پارلیمنٹ منعقد ہوی اور اس نے شادی کے معاہدے پر مہر تصدیق ثبت کردی۔ جولائی میں فلپ آیا اور ۲۵ ویں تاریخ شادی ہو گئی۔ شادی کے وقت

فلپ سے شادی

فلپ کی عمر ۲۷ سال کی تھی۔ وہ پستہ قامت لیکن متناسب الاعضا آدمی تھا۔ پیشانی چوڑی، آنکھیں بھوری، گھنی اور نکیلی ڈاڑھی تھی جس نے چہرے کی قدرتی طوالت کو اور لمبا کر دیا تھا۔ وہ بے مہر سا، بہت معمولی لیاقت کا آدمی تھا۔ عقائد میں متعصب کیتھولک تھا لیکن عقائد کو سیاسی منصوبوں یا ذاتی عادات میں دخل دینے کے لئے تیار نہ تھا۔ یہ شادی خالص سیاسی ضرورت سمجھ کر اور گویا ولی عہد فرانس اور اسکاٹ لینڈ کی میری کی شادی کے توڑ پر کی تھی۔ اگر حکومت واقتدار ملے تو انگلستان میں ٹھیرنے پر آمادہ ورنہ جلد سے جلد وہ وطن واپس جانا چاہتا تھا۔

مذہبی معاملات اصلاحی قوانین کی منسوخی، جور و تشدد

مناسب ہوگا کہ اب مذہبی معاملات کی طرف توجہ کی جائے۔ میری کی تخت نشینی پر مذہبی رجعت کا ہونا تو اتنا یقینی تھا کہ

پروٹسٹنٹ اور بہت سے ملکی علما جنھوں نے گذشتہ عہد میں تحریکِ اصلاح میں نمایاں حصہ لیا تھا، فوراً ملک چھوڑ کر چل دیئے۔ انھی میں پیٹر مارٹائر اور جان ناکس بھی تھے کرنیمر، لے ٹمر، ریڈلی وغیرہم بعض اپنے اپنے عہدوں پر رہے بلکہ کرنیمر نے دلیری سے ایک خط بھی شایع کیا اور نئے عقائد پر اپنی استقامت ظاہر کی۔ لیکن یہ بات بہت جلد معلوم ہوگئی کہ ایڈورڈ ششم کے قوانین دراصل رائے عامہ سے کہیں آگے بڑھے ہوئے تھے اور میری کی تخت نشینی کے بعد کسی حکم احکام کی بھی ضرورت نہ ہوئی بلکہ ہر جگہ لوگوں نے از خود وہی پرانی دعائیں نمازوں میں پڑھنی شروع کردیں۔ اکتوبر میں پارلیمنٹ کا اجلاس ہوا تو سرکاری طور پر عہد ایڈورڈ کے مذہبی قوانین منسوخ کردیئے گئے اور "وہی نمازیں اور انجیل خوانی، جیسی ہنری ہشتم کے عہد کے آخری سال، انگلستان میں سب سے زیادہ مروّج تھی" دوبارہ رائج کردی گئی۔ ادھر اصلاح پسند اسقفوں کو ہٹا کر ان کے عہدے دوبارہ پرانے اسقفوں (جیسے گارڈنر، اسقف ونچسٹر، بونر، اسقف لندن) کے تفویض ہوئے یا نئے لوگ جن پر حکومت کو اعتماد تھا، مقرر کیے گئے۔ اس طرح دارالامرا میں قوّت پاکر گارڈنر نے تجاویز پیش کیں کہ عقائد سنّہ کے قانون اور کلیسائی اختیارات نیز لالرڈ فرقے کے خلاف قوانین کی تجدید کی جائے۔ لیکن ہنری ہشتم کے دیرینہ سال ومعتمد علیہ وزیر لارڈ پیجٹ نے مخالفت کی اور یہ تجویزیں رہ گئیں۔ آیندہ اکتوبر میں پارلیمنٹ کے نئے انتخابات ہوئے اور سرکاری کوششوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ دارالعوام میں میری کے مؤید اتنی کثرت سے منتخب ہوئے کہ کسی پارلیمنٹ میں نہ ہوئے تھے۔ اسی زمانے میں ملکہ نے پول کو وکیل پاپائی حیثیت سے بلانے کی جرات کی اور وہ نومبر میں انگلستان پہنچ گیا۔ مگر کمال ارادت مندی کے باوجود پارلیمنٹ نے پاپائی وکیل مختار سے خاصی سخت شرطیں لکھوائیں اور اصرار کیا کہ انھیں قانون کی صورت میں قلم بند کیا جائے۔ انھوں نے رومہ سے قطع تعلق کرنے کے گناہ کا اقبال اور ہنری ہشتم کے بہت سے کلیسائی قوانین کو منسوخ کیا۔ پاپا سے التجا کی کہ دوبارہ انگلستان پر عنایت کی نظر فرمائے لیکن اسی کے ساتھ اصرار کیا کہ پاپا کلیسا وخانقاہ کی اراضی کو انھیں کے قبضے میں رہنے کی

ضمانت دے جواب قابض تھے۔ اسی طرح ہینری ششم کے لالرڈ قوانین اور کلیسائی عدالتوں کو بحال کرنے کی منظوری تو دی لیکن اس کے عوض میں پادریوں سے اعلان کرایا کہ اُن کی جو اراضی ضبط کی گئیں ہم اُن پر کوئی مالکانہ حق نہیں رکھتے۔ مزید برآں قانون امتناع اور ۱۵۲۹ء سے پہلے کے خلاف پاپا قوانین بھی بجنسہ نافذ رہنے دئے۔ ہینری ہشتم کے قوانین کی تنسیخ کرتے وقت یہ بھی احتیاط سے تصریح کر دی کہ ان کا وہ حصّہ منسوخ کیا جاتا ہے جن کا پاپائی اقتدار سے تعلق ہے۔ مطلب یہ تھا کہ وراثت کے اُن قوانین پر زد نہ آئے جن پر الزبتھ کی آیندہ وراثت مبنی تھی۔ غرض اس طرح باضابطہ مصالحت عمل میں آگئی اور پول نے پاپا کی طرف سے انگلستان کے خارج از ملت ہونے کا فتوی مسترد کر دیا۔

سال کے ختم پر اعلان ہوا کہ ملکہ کے ولادت ہونے والی ہے۔ اسی سلسلے میں انتظام کیا گیا کہ اگر وہ فوت ہو جائے تو فلپ آیندہ وارث کی صغر سنی کے زمانے میں اتالیق سلطنت کی خدمت انجام دے لیکن شادی کے وقت جو شرطیں ہوئی تھیں، وہ اُس کی اتالیقی میں بھی بجنسہ واجب العمل رہیں۔ انگلستان اور اسپین کے شاہی درباروں میں میری کے بچّہ ہونے کی بڑی خوشیاں کی جارہی تھیں اور چونکہ واثق امید تھی کہ بیٹا ہوگا لہذا اس مبارک تقریب پر بہت کچھ دھوم دھام کے جشن منانے کا انتظام ہو رہا تھا۔

پارلیمنٹ کی میقات ۱۶ر جنوری کو ختم کر دی گئی اور اس کے دو ہفتے بعد سے پراٹسٹنٹ فرقے والے زندہ جلائے جانے لگے۔ اس تشدّد کی ابتدا گارڈنر نے کی اور غالباً وہ سمجھتا تھا کہ آگ سے ڈر کے لوگ اسی طرح اپنے عقائد سے پھر جائیں گے، جیسے امیر کبیر نارتھمبرلینڈ پھر گیا تھا اور اس سے مذہب نو کی بڑی ذلت ہوگی۔ لیکن اس میں بھی شبہ نہیں کہ تشدّد کی اصلی محرّک خود ملکہ میری اور پھر وکیل پاپا پول تھے۔ سب سے پہلے جن لوگوں پر وار ہوا، انھیں بہت احتیاط سے انتخاب کیا گیا تھا۔ یہ ہُوپر و روجر تھے جنھیں اوائل فروری میں جلوا دیا گیا۔ پہلا گلوسٹر کا اُسقف اور اپنے ریاضت و تقوی میں ممتاز تھا۔ دوسرا، سینٹ پال کا پادری اور انجیل کا مترجم تھا۔ مارچ میں سینٹ ڈیوڈ کا

نیک نیت اسقف فیرار اور تیرہ اور کمتر درجے کے لوگ آگ کی نذر ہوئے۔ سترہ مجرموں میں سے صرف ایک شخص نے توبہ کی۔ باقی سب کی استقامت دیکھ کر حاضرین بھی اش اش کرنے لگے اور بہت جلد بے لاگ مبصروں کو (جیسے رینارڈ تھا) نظر آگیا کہ حکومت ان حرکتوں سے خود اپنے مقاصد کو نقصان پہنچا رہی ہے۔

میری کی یاس انگیز بیماری

میری کے مئی میں وضع حمل ہونے والا تھا لیکن زمانہ گزر گیا اور کچھ نہ ہوا۔ سخت رنج کی حالت میں ملکہ نے اساقفہ کو خط بھیجا کہ جور و تشدد میں مزید سرگرمی دکھائی جائے کہ شاید اسی سے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور اولاد حاصل ہو۔ چنانچہ آیندہ مہینوں میں پچاس اور بے گناہوں کی جان لی گئی لیکن گرمیوں کے ختم سے پہلے ہی سب کو معلوم ہوگیا کہ بدبخت ملکہ کو دراصل ایک ناقابل علاج مرض کے باعث حمل کا دھوکا ہوگیا اور یہ کہ اولاد ہونا تو درکنار اب وہ زیادہ عرصے تک زندگی بھی نہ رہ سکے گی۔ اگست میں ایک اور مصیبت اُس پہ یہ آئی کہ چارلس پنجم نے جو مدت سے تخت سے دست بردار ہونے کی فکر میں تھا، فلپ کو اپنے پاس بُلایا اور وہ اس حیلے سے خوشی خوشی انگلستان چھوڑ کر چلا گیا۔ چلتے وقت اس نے میری کو بہ تاکید مشورہ دیا کہ الزبیتھ کے ساتھ اچھا سلوک کرے جس کی تخت نشینی اب یقینی ہوگئی تھی۔ نومبر میں میری کا سب سے بہتر انگریز مشیر گارڈنر فوت ہوا اور وہ ٹیوڈرز کے تربیت یافتہ وزیروں میں سب سے آخری شخص تھا۔ اس کے بعد بظاہر ملکہ صرف پول کے مشورے پر عمل کرتی رہی۔

اب تک صرف دو اُسقف، ہوپر و فیرار موت کے گھاٹ اتارے گئے شاہ ڈین مارک کی سفارش پہ کوورڈیل کی جاں بخشی ہوگئی۔ اکثر معزول اساقفہ اگرچہ قدیم عقائد کے خلاف شادی کر چکے تھے، لیکن الحاد میں کچھ زیادہ سرگرم نہ سمجھے جاتے تھے۔ البتہ کرینمر، ریڈلی اور لے ٹمر باقی تھے اور ستمبر ۱۵۵۵ء میں انھیں اکسفرڈ کی عدالت میں پیش کیا گیا۔ سب سے بڑھ کر جس نزاعی مسئلے پر زور دیا گیا وہ لحم و دم کا عقیدہ تھا اور اسی پہ یہ تینوں ملحد قرار پائے کرینمر، صدر اسقف

تھا لہٰذا اس کا فیصلہ۔ پاپا پر چھوڑا گیا اور ریڈلی و لے ٹمر اکسفرڈ میں (بتاریخ
۱۶ اکتوبر) زندہ جلا دئے گئے۔ دونوں کو ایک ہی تختے پر موت آئی اور
لے ٹمر کے آخری الفاظ اپنے ساتھی سے یہ تھے "بھائی ریڈلی، مرد بنے رہو۔
خدا کے فضل سے آج کے دن ہم انگلستان میں وہ شمع روشن کریں گے جو یقین ہے
کہ کبھی نہ بجھے گی۔ فروری میں کرنیمر کے لئے بھی رومہ سے اجازت آگئی اور
اسی ماہ کی ۱۴ ویں تاریخ اس کا کلیسائی ملبوس اُتار لیا گیا۔ کرنیمر نے مجلس کلیسا سے
مرافعہ کیا اور جو لوگ اس کو زندہ چھوڑنے کے خواہاں تھے انھیں امید ہوی کہ وہ
اس موقع پر نئے مذہب سے توبہ کرلے گا۔ چنانچہ جان کا واسطہ دے دے کر
جس کی اسے طبعاً محبت تھی، اسے بہت سی باتیں قبول کرنے پر آمادہ کرلیا گیا اور
آخر میں دب کر اُس نے تحریری اقبال کرلیا کہ ان تمام خرابیوں کا میں ہی ذمہ دار
ہوں۔ میری اور پول تلے ہوے تھے کہ وہ زندہ نہ رہنے پائے لیکن یہ سمجھکر
کہ اگر وہ علانیہ رجوع کرے گا تو نارتھمبرلینڈ کے رجوع سے بھی بڑھ کر پرٹسٹنٹ
مذہب کی فضیحت ہوگی، انھوں نے انتظام کیا کہ اکسفرڈ کے کلیسائے سینٹ میری
میں کرنیمر اپنے عقائد کا اظہار کرے۔ مگر جس وقت تقریر کا موقع آیا تو صدر اسقف
کا دل مضبوط ہوگیا اور اس نے اپنے رجوعی کلمات کی تردید کی اور صاف کہدیا کہ
میں پراٹسٹنٹ مرونگا۔ اس نے کہا "رہا پاپا تو میں اس کی جھوٹی ولائل اور خود
اسے مذہب کا دشمن اور دجال مسیح سمجھکر (معتقدا) ماننے سے قطعی انکار کرتا ہوں
اور اناجیل کے بارے میں میرا عقیدہ وہی ہے جو مَیں نے اسقف ونچسٹر کے
رد میں اپنی کتاب میں تحریر کیا ہے۔" یہ سنکر دشمن غصّے سے آگ ہوگئے اور
اسے فوراً پکڑ کر چتا پر پہنچایا۔ مگر اب کرنیمر کو آخر تک راہِ استقامت سے
لغزش نہ ہوی اور اُس نے بھڑکتے شعلوں میں پہلے اپنا سیدھا ہاتھ ڈال دیا کہ یہی
وہ "ناشدنی ہاتھ" ہے جس نے رجوع کی تحریر پر دستخط کئے تھے۔ اس کے بعد پول
بلا تاخیر صدر اسقف بنا دیا گیا اور معمولی درجے کے لوگوں کے جلانے اور
مارنے کا سلسلہ بھی جاری رہا مگر یہ بات تعجب سے خالی نہیں کہ غیر کلیسائی لوگوں
میں جو بے گناہ اس مذہبی سفاکی کا شکار ہوے ان میں سے کوئی بھی عالی رتبہ

آدمی نہ تھا۔ حتیٰ کہ ۲۷۷ مقتولین میں بارہ سے زیادہ ایسے اشخاص بھی نہ تھے جنھیں بانام ونشان کہا جا سکے۔ حقیقت یہ ہے کہ اہل تعدی نے مقتدر لوگوں کے الحاد سے آنکھیں بند کرلی تھیں اور زیادہ تر بے یار و مددگار اشخاص پر ہی ہاتھ صاف کیا۔ ایک اور بات قابل لحاظ یہ ہے کہ لندن کے حلقے میں اُسقف بونر نے سو کو، کینٹربری میں، پول نے ۵۵، نارج میں ہوپ ٹن نے ۴۶ ملاحدہ زندہ جلوائے بحالیکہ اور سب اسقفی علاقوں میں کل ملاکر مشکل سے پچاس آدمی مجرم قرار پائے۔ گارڈنر نے تو یہ دیکھکر کہ تشدد سے لوگ مذہب نہیں چھوڑتے، اپنا ہاتھ روک لیا اور غالباً سمجھ لیا تھا کہ ان تدابیر سے تشدد کا اصلی مقصد فوت ہو رہا ہے اور میری اور اس کے مشیر یہ ثابت کر رہے ہیں کہ پراٹس ٹنٹ مذہب ایسا دین ہے جس کے لئے لوگ جان دینے کی پروا نہیں کرتے اور یہ اس مذہب کی ہتکی نہیں بلکہ بہترین خدمت ہے۔

یہ خیال کرنا نہ چاہئے کہ جمہور اہل ملک میری کی ان حرکتوں سے سخت بیزار نہیں ہوے۔ مگر مزاحمت کرنا سخت دشوار تھا۔ اگر ممالک یورپ کی سیاسیات کا الجھاؤ نہ ہوتا تو یہ یقینی بات ہے کہ انگلستان کے باشندے میری کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوتے اور اُسے نکال کر الزبیتھ کو تخت پر بٹھا دیتے۔ لیکن یہ بات بخوبی معلوم تھی کہ فلپ ہسپانوی سپاہ انگلستان میں اتار دینے کا حیلہ ڈھونڈ رہا ہے۔ ایسی صورت میں فرانس کی مدد ناگزیر ہوتی اور کوئی دانشمند انگریز یہ دیکھنا پسند نہ کرسکتا تھا کہ فرانسیسی فوج انگلستان کی سرزمین پر آئے اور میری کی طرفدار ہسپانوی سپاہ سے مقابلہ کرے۔ اسی لئے اربابِ عقل نے فیصلہ کیا کہ ابھی خموشی سے مناسب موقع کا انتظار کیا جائے کیونکہ میری زیادہ عرصے زندہ رہنے والی نہ تھی اور اس کے بعد تخت سلطنت ازخود الزبیتھ کو پہنچنے والا تھا پھر بھی بعض نوجوان انگریزوں نے اس عاقلانہ ارادے کی پیروی نہ کی اور ۱۵۵۶ء میں فرانسیسی فوج کو جزیرۂ وائٹ میں لا اتارنے کا منصوبہ باندھا۔ ٹامس اسٹےفرڈ، متوفی امیر کبیر بکنگھم کا پوتا، فرانس سے چلا اور اپریل ۱۵۵۷ء میں قلعۂ اسکاربرو پر قابض ہوگیا لیکن بہت جلد گرفتار کرکے قتل کرادیا گیا۔

فرانس سے جنگ

ان ناعاقبت اندیشیوں سے زیادہ نقصان اس لئے پہنچا کہ اسی حیلے سے **فلپ** نے میری کو فرانس کے خلاف اعلان جنگ کرنے کی ترغیب دی ۱۵۵۷ء کی گرمیوں میں وہ خود چند روز کے لئے انگلستان آیا اور میری کو لڑائی کے لئے ابھارتا رہا۔ مگر ملک جنگ کے واسطے مطلق تیار نہ تھا۔ میری بادشاہی آمدنی کو خانقاہیں اور کلیسا دوبارہ آباد کرانے میں خرچ کرتی رہی تھی اور جہاز اور قلعے بے مرمّت، ویران پڑے تھے۔ حکومت سے عام ناراضی پھیلی ہوئی تھی اور ایسی حالت میں صرف جبری قرضوں یا ناجائز محاصل راہ داری کے ذریعے روپیہ فراہم ہو سکتا تھا۔ مجلس شاہی کے چند مشیر جو ابھی تک شریک مشورہ ہوتے تھے، بیشتر ایسے ہی نااہل و کٹھ ملاخیال کے تھے جیسے خود ملکہ۔ لڑائی کا نتیجہ بجز مصیبت و نقصان کے کچھ ہونے والا نہ تھا۔ لیکن شروع میں کامیابی کی ایک جھلک یہ نظر آئی کہ انگریزی فوج جو نیدرلینڈز بھیجی گئی تھی اگرچہ وہ اتنی دیر میں پہنچی کہ **فلپ** کی **سینٹ کونتین** کی زبردست فتح میں شریک نہ ہو سکی تاہم خود قلعے پر یورش اور غارتگری میں حصہ دار بن گئی۔ فلپ اپنے تذبذب کے باعث فتح سے زیادہ فائدہ نہ اٹھا سکا فرانسیسیوں نے شہزادہ گیز کو اطالیہ سے واپس بلا کر کالے پر جوابی حملے کی تیاریاں کر لیں اور یہ بار انگریزوں کو اٹھانا پڑا۔

سقوط کالے

اس وقت کالے کی انگریزی حدود میں دو قصبے گین اور کالے واقع تھے جنھیں **ہام** کا قلعہ ایک دوسرے سے ملاتا تھا۔ دونوں قلعوں کی مدافعت کا معقول انتظام تھا۔ کالے کا عامل **لارڈ وینٹ ورتھ** اور گین کا قلعہ دار میدان نیکی کا سورما، لارڈ گرے تھا اور دونوں اعلیٰ درجے کے سپاہی تھے۔ انھیں مدت سے معلوم تھا کہ کالے پر حملہ ہوا چاہتا ہے اور حکومت کو خبردار کر چکے تھے کہ فوج ناکافی ہے لیکن حکومت نے کوئی اعتنا نہ کی سامان رسد گھٹ گھٹا کر چند ہفتے کا ذخیرہ رہ گیا تھا اور وہ بند جن پر کالے کی بذریعہ آب مدافعت کا انحصار تھا، بے مرمّت پڑے تھے۔ دسمبر کے مہینے میں **وینٹ ورتھ** بار بار گڑگڑاتا رہا کہ

کمک بھیجنی ضروری ہے اور ۲۹ ہر تاریخ کے مراسلے میں اطلاع دی کہ عنقریب فرانسیسی پہنچا چاہتے ہیں لیکن کوئی اثر نہ ہوا بلکہ ۳۱ ہر تاریخ کو ملکہ نے لکھا کہ ہمیں خبر ملی ہے کہ کالے کے خلاف کسی لشکر کشی کی امید نہیں۔ کمکی سپاہ کے احکام بھی منسوخ کر دیے گئے مگر دوسری ہی صبح کو فرانسیسی قلعے کے سامنے صفیں تیار کر رہے تھے۔ ان کے ۲۵ ہزار کے مقابلے میں وینٹ ورتھ کے سپاہیوں کی تعداد صرف پانچ سو تھی تاہم وہ انھیں کسی نہ کسی طرح ۶ ہر تاریخ تک روکے رہا اور اس کے بعد ہتھیار ڈال دیے۔ ان چار دن کو بھی حکومت انگلستان نے رائگاں کھویا اور سمندر کے صاف ہونے کے باوجود کوئی کمک نہ بھیجی گئی۔ پھر ۱۰ جنوری کو سپاہی اور جہاز تیار ہوئے تو جنوب مشرقی آندھی نے رسد کی کشتیوں کو منتشر کر دیا۔ اور ۲۰ ہر ویں تاریخ گرینے نے بھی مجبوراً اطاعت قبول کر لی۔ کالے کے سقوط کی خبر ملک میں بجلی کے گرنے سے کم صدمہ انگیز نہ تھی اور اس نے حکومت سے، جو اس نقصان عظیم کی واحد ذمہ دار تھی، لوگوں کو پوری طرح برگشتہ کر دیا۔ اب الٹا فرانسیسی حملے کا خطرہ پیدا ہو گیا تھا۔ ہر چند گرمیوں سے پہلے ملک نے ہمت باندھ کر بیڑا تیار کر لیا اور گراولین کے قریب فرانسیسی و ہسپانوی سپاہ کی ساحلی جنگ میں، قابل قدر حصہ لیا لیکن سقوط کالے سے ملک کی خودداری کو بے شبہ سخت صدمہ پہنچا۔

مگر اس نقصان کا رنج سب سے زیادہ خود ملکہ کو ہوا۔ اب اُسے صاف نظر آتا تھا کہ مہلک مرض اس کا خاتمہ کر کے چند مہینے میں اس کی بہن کو تخت شاہی پر لے آئے گا۔ الزبیتھ کی محض خوبصورتی دیکھ دیکھ کر میری جلی مرتی تھی اور جانتی تھی کہ وہ میری ساری حکمت عملی کو الٹ پلٹ کر دے گی۔ شوہر بھی اسے چھوڑ کر چل دیا تھا اور واپس آنے کی کچھ زیادہ امید نہ تھی۔ پاپا نے میری کے سب سے اچھے ہوا خواہ پول کو منصب وکالت سے معزول کر دیا اور وہ الحاد کے الزام سے پیچ و تاب

میری کا آخری زمانہ

کھا رہا تھا۔ یہ بھی میری کو علم تھا کہ رعایا اس سے نفرت کرتی ہے اور الزبیتھ کی جانشینی کے دن گن رہی ہے۔ بایں ہمہ وہ اپنے پرانے طریق پر قایم رہی۔

لوگ برابر جلائے جاتے رہے۔ خانقاہیں برابر از سر نو بنتی رہیں۔ جب آخری وقت آیا تو میری پر کوئی اضطراب نہ طاری ہوا۔ اُس نے الزبیتھ کو اپنا جانشین تسلیم کیا اور ۱۷ نومبر ۱۵۵۸ء کے دن، جان جان آفریں کو سپرد کی اسی تاریخ پول فوت ہوا۔ میری کی سیرت کے متعلق بڑی سے بڑی رعایت یہ کی جاسکتی ہے کہ اُسے فاتر العقل سمجھا جائے اور یہ تاویل کی جائے کہ تخت نشینی سے جو بار دماغ پر پڑا اُس نے میری کے حواس مختل کر دئے۔ فلپ کے ساتھ اس کے تعلقات میں وحشت اور کبھی کبھی دیوانگی کی شان نظر آتی ہے اور پراٹس ٹنٹوں پر جس شدت سے وہ ظلم توڑتی رہی، وہ بھی خیال کو اسی تشخیص کی طرف لے جاتا ہے۔

مشہور واقعات

جین گرے کا قتل	۱۵۵۴ء
میری کا عقد فلپ سے	۱۵۵۴ء
ٹے ٹمرو ریڈلی کا زندہ جلایا جانا	۱۵۵۶ء
کرینمر "	۱۵۵۶ء
سقوط کالے	۱۵۵۸ء

باب پنجم

الزبیتھ: سنہ ۱۵۵۶ء تا سنہ ۱۶۰۳ء

ولادت .... سنہ ۱۵۴۳ء

معاصرین۔ اسکاٹ لینڈ .... میری (معزول)
جیمس ششم

فرانس .... ہینری دوم۔ فرانسس دوم
چارلس نہم ہینری سوم وچہارم

اسپین .... فلپ دوم وسوم

الزبیتھ کو ہر فرقے کے انگریزوں نے جوش وخروش کے ساتھ منصب بادشاہی کی دعوت دی تو اس وقت وہ عمر کے ۲۶ ویں سال میں تھی۔ اس کا کوئی قابل اندیشہ حریف ہو سکتا تھا تو وہ اسکاٹ لینڈ کی ملکہ میری تھی، جو الزبیتھ کے ناجائز ہونے کے مفروضے پر، بادشاہی کی زیادہ حقدار سمجھی جاسکتی تھی۔ مگر اس کے مقابلے میں، الزبیتھ کی وراثت کا حق پارلیمنٹ کے

الزبیتھ کی بادشاہی اور خصائل

قانون پر مبنی تھا اور دوسری بڑی جیت یہ تھی کہ میری اسکاٹ لینڈ کی ملکہ اور ولی عہد فرانس کی بیوی تھی جسے انگلستان والے پسند نہ کر سکتے تھے۔ بہن کے عہد حکومت کے آخری ایام میں الزبیتھ ہیٹ فلیڈ میں عُزلت گزیں رہی۔ اُس نے پیش آنے والے مسائل سے بڑے اہتمام کے ساتھ واقفیت بہم پہنچائی اور تخت نشینی ہوئی تو اپنی حکمت عملی کے (خواہ بیرونی سیاسیات سے متعلق ہو خواہ ملکی) عام اصول طے کر چکی تھی۔ جزئیات کے بارے میں اسے زیادہ خلش نہ تھی جس کا سبب ممکن ہے یہ ہو کہ عورت ہونے کی وجہ سے عملی کام کا زیادہ تجربہ نہ تھا اور انھیں اس نے اپنے وزرا کے تفویض کر دیا تھا۔ اس کا مزاج مختلف اوصاف کا مجموعہ نظر آتا ہے اور اس میں ماں اور باپ دونوں کے نقوش نمایاں ہیں۔ باپ سے تو اسے مردانہ قوّت ارادی، سیاسی وجدان اور بے دھڑک صاف گوئی ورثے میں ملی تھی اور اپنے مدح خوانوں کی معمول سے بڑھ کر تلاش اور ان کے ساتھ تعلقات میں اتنی آزادی جو فضیحت کے پہلو سے بہ مشکل خالی تھی، ماں کی جانب سے متوارث ہوئی تھی۔ وراثت بادشاہی کے متعلّق یہ بات بھی یاد رہنی چاہیے کہ ہینری ہشتم کی وصیت کی رو سے الزبیتھ کے بعد تخت نشینی کا حق جین گرے کی چھوٹی بہن کتیھرائن گرے کو پہنچتا تھا۔

سیسل و پارکر

تخت نشین ہوتے ہی الزبیتھ نے ولیم سیسل کی دوبارہ معتمد اور اپنا رازدار بنا لیا۔ وہ ۱۵۲۰ء میں بورن (علاقہ لنکن شر) میں پیدا ہوا اور کیمبرج میں تعلیم پائی۔ باپ دربار شاہی کے سلسلے میں فوجی سردار تھا لہذا سیسل کو بلا تاخیر ہینری ہشتم کی ملازمت مل گئی اور جب وہ مرا تو پہلے امیر کبیر سمرسٹ کا اور پھر وارک کے زمانۂ اقتدار میں بادشاہ کا معتمد مقرر رہا۔ وہ جین کی تخت نشینی کا موید تھا لیکن آگے چل کے کسی طرح میری سے مصالحت کی راہ نکال لی اور اس کے عہد میں چُپ چاپ اور پُرانے مذہب کی ظاہرا پابندی بھی کرتا رہا حالانکہ حقیقت میں پراٹسٹنٹ تھا۔ ممکن ہے اس زمانے میں خود الزبیتھ نے جس حزم و احتیاط سے زندگی گزاری، اس میں بھی

سیسل ہی کے مشورے کو دخل ہو۔ حسن اتفاق سے پول کے مرنے سے کینٹربری کی صدر اسقفی خالی ہوگئی تھی، اس پر الزبیتھ نے میتھیو پارکر کو نامزد کیا، جو نورویچ کے سوداگر کا بیٹا، ۱۵۰۴ء کی پیدائش اور کیمبرج کا تعلیم یافتہ تھا۔ این بولین کی سرکار میں امام اور اس کی وفات کے بعد سے کورپس کرسٹی کالج کا استاد اور دار العلوم کیمبرج ہی میں سکونت گزین ہوگیا تھا۔ سیسل اس سے خوب واقف تھا اور اسی نے ملکہ سے سفارش کی تھی۔ یوں بھی یہ دونوں معتدل پراٹس ٹنٹ گروہ میں شریک تھے۔ سیسل کا برادر نسبتی اور مشہور تر فرانسس بیکن کا باپ نکولاس بیکن مہر بردار مقرر کیا گیا۔

مذہبی مسئلہ

الزبیتھ سے پہلے انگلستان مذہبی معاملات میں افراط و تفریط کے تماشے دیکھ چکا تھا۔ ایڈورڈ ششم کے وقت میں اسے انتہاپسند پراٹس ٹنٹ فرقے سے سابقہ رہا اور میری کے عہد میں اشد کیتھولکوں کے اقتدار کا نمونہ دیکھنا پڑا جس کے جور و تشدد نے عوام کے دلوں پر گہرا نقش چھوڑا تھا۔ پس اکثر لوگوں کی خوشی یہی تھی کہ ہینری ہشتم کے طرز عمل کی طرف عود کیا جائے مگر اس میں جبر و تشدد سے کام نہ لیا جائے۔ قطعی غیر جانبداری تو ممکن نہ تھی اور الزبیتھ اور اس کے مشیر بخوبی آگاہ تھے کہ انھیں یا کیتھولکی گروہ کی مدد لینی پڑے گی یا پراٹس ٹنٹ فرقے کی جو تعداد میں تو کم تھے لیکن زیادہ متعد اور ترقی پذیر، نیز الزبیتھ کے تخت پر متمکن رہنے کے سب سے زیادہ مؤید تھے۔ ذاتی طور پر ملکہ تعصب ایک طرف، مذہبی اعتقاد ہی بہت کم رکھتی تھی اور اسے فکر تھی تو یہ کہ اپنے عقائد لوگوں پر جبراً عائد کرنے کی بجائے مصالحت کی ایسی صورت نکالی جائے جس کی کم سے کم مخالفت ہو۔ چنانچہ پہلا ہی کام تو اس نے یہ کیا کہ ایک اعلان کے ذریعے رسائل و اناجیل و احکام عشرہ و دعائے خداوندی اور شرع مسیحی کے ساتھ انگریزی زبان میں پڑھنے کی اجازت دی اور جب تک پارلیمنٹ کوئی فیصلہ کرے، نزاعی مسائل پر وعظ ہی کرنا، رکوا دیا۔ اسی کے ساتھ پارکر، گرنڈل وغیرہما مقرر ہوئے کہ کتاب الصلوٰۃ کی نظر ثانی کریں۔ اوائل ۱۵۵۹ء میں پارلیمنٹ منعقد ہوئی اور ماہ مئی تک مذہبی

مسئلے کا ایک دیر پا تصفیہ ہو گیا۔

اوّل تو ۱۵۵۴ء کا بڑا قانون منسوخ ہوا اور پاپا کے اختیارات پھر محو کر دئے گئے۔ ہینری ہشتم کے کلیسائی قوانین دوبارہ نافذ ہوے۔ دوسرے ایک قانونِ افضلیت منظور کیا گیا جس میں کلیسا کی اعلیٰ سردار کہنے کی بجائے ملکہ کو ممالک محروسہ میں، کلیسائی و غیر کلیسائی جملہ اشخاص سے "افضل" قرار دیا گیا۔ اور اُسے اختیار ملا کہ ناظروں کے ذریعے اپنا اقتدار سے کام لے۔ تیسرے قانون یکسانی نافذ ہوا جس نے چند ضروری ترمیمات کے ساتھ ایڈورڈ ششم کی دوسری کتابِ صلواۃ کو واجب العمل کر دیا۔ ترمیمات اس نظر سے کی گئی تھیں کہ کتاب کیتھولک فرقے کے لئے زیادہ قابلِ قبول ہو جاے اور نیز خود الزبتھ جیسے پراٹسٹنٹ خیال کے وہ افراد بھی جو حضرت مسیح کے حقیقی وجود کا کسی نہ کسی شکل میں اعتقاد ضروری سمجھتے تھے، اسے بہ آسانی تسلیم کر سکیں۔ عبارت میں ردّ و بدل کی ایک مثال یہ ہے کہ "اسقف رومہ کے استبداد اور قابل نفرت بدعنوانیوں" کا تذکرہ بالکل حذف کر دیا گیا اور ایڈورڈ ششم کی پہلی اور دوسری کتاب کے ایسے متضاد فقرے جن میں سے ایک میں عشائے ربّانی کے پیش کرتے وقت حضرت مسیح کے وجودِ جسمی کا اقرار اور دوسرے میں انکار نکلتا تھا، دونوں جمع کر دئے گئے۔ پادریوں کے ملبوسات اور گرجوں کے زیورات وغیرہ کے متعلق حکم ہوا کہ اس قسم کے جو اشیا ایڈورڈ ششم کی دوسرے سنہ جلوس میں پارلیمنٹ کی اجازت سے کلیساے انگلستان میں رہنے دئے گئے تھے، ان کے رکھنے اور کام لینے کی اجازت ہے۔ ان تدابیر سے ملکہ اور اس کے مشیروں کو امید تھی کہ ہر فرقے کے اعتدال پسند ان شعائر و عقائد کو پسند کریں گے۔ معمولی (غیر کلیسائی) اشخاص سے کسی قسم کا اقرار باللسان ضروری نہ رہا اور اس کا گرجا میں آنا عیسائی ہونے کی کافی دلیل مان لیا گیا۔ لیکن کلیسائی عمّال سے "افضلیت" کا حلف لیا گیا اور کہدیا گیا کہ جو اس پر آمادہ نہ ہوں، وہ عہدوں سے برطرف کر دئے جائیں۔ گرجا میں نہ آنے کا جرمانہ فی کس ایک شلنگ تھا اور آئندہ ایک مہینے اور پورے

گھر والوں کے لئے ۲۰ شلنگ قرار پایا اور وہ لوگ جنھوں نے اپنے اعتقاد
کی بنا پر گرجا کی حاضری سے انکار کیا، منکر بالعمد (ری کیوسنٹ) کہلائے
ایڈورڈ ششم کے عہد کے ۴۲ ارکان ایمان کو گھٹا کے ۳۹ کر دیا گیا۔ یہ انتظام
عوام نے بغیر شوق ذوق کے قبول کیا مگر کوئی مخالفت مزاحمت بھی نہ کی غالباً
زیادہ تعداد اُن کی تھی جو قدیم نمازوں اور مراسم کو تا امکان جاری رکھنا پسند کرتے
تھے۔ چنانچہ ۱۵۷۱ء تک پارکر کے بقول یہ حال تھا کہ عشائے ربانی میں بھولی
روٹی کا تقسیم کیا جانا، علیا حضرت کی رعایا کے اکثر افراد کو ناپسند تھا۔ لیکن
اب کوئی جبر یا "تشدد" نہ کیا جاتا تھا لہذا مخالفت کرنے میں نہ کوئی بہادری تھی
نہ ناموری۔ نتیجہ یہ ہوا کہ گو انگلستان کے اکثر دیہی مکانات (خصوصاً شمالی علاقوں)
میں لاطینی انجیل کا سلسلہ یقیناً جاری رہا اور مرتے وقت پرانے خیال کے لوگ
بیشتر کفن دفن کے لئے کیتھولکی پادری بلانے ہی کی وصیت کر دیتے تھے مگر
لیکن عوام الناس اپنے اپنے حلقے کے گرجوں میں حاضر ہونے لگے اور بتدریج
نئی نمازوں نے ان کے دل میں جگہ پیدا کر لی۔ پادری، خاصکر کلیسیائی عمال نے
البتہ زیادہ مقابلہ کیا اور ایک کے سوائے تمام اُسقف جن کو میری نے مقرر
کیا تھا، اور دو سو کے قریب دوسرے عہدہ دار (ایسے عہدہ داروں کی مجموعی تعداد
نو ہزار تھی) مستعفی ہو گئے۔ مگر اس میں الزبیتھ کے لئے اور بھی آسانی ہو گئی کہ خالی شدہ
عہدوں پر یا تو کورڈیل، بارلو وغیرہ اسقف جو ملک سے باہر نکل گئے تھے،
بلا کر مقرر کئے گئے یا پرانے ضوابط "اجازت انتخاب" کے مطابق جن کا پارلیمنٹ
نے دوبارہ نفاذ کیا تھا، پراٹس ٹنٹ عقائد کے نئے اشخاص کا تقرر ہوا۔ یہی
صورتیں تھیں جن کی وجہ سے کلیسائے انگلستان کے اعلیٰ عمال ہمیشہ ایسے لوگ
مقرر ہوتے رہے جو حکومت وقت کے ہمنوا تھے اور چونکہ شخصی سرپرستی بھی
زیادہ تر غیر کلیسائی لوگ کیا کرتے تھے، لہذا حکام کلیسا کے خیالات پر عام
دنیا داروں کا اثر انگلستان میں دوسرے ممالک کی نسبت ہمیشہ بہت زیادہ رہا۔
ملکہ کو اپنے اختیارات دوسروں کے تفویض کرنے کی گنجائش ملی تو ایک
عدالت نظارتِ اعلیٰ کے نام سے قائم کی گئی جس میں پہلے تو عارضی انتظام

کردیا جاتا تھا لیکن ۱۵۸۳ء سے یہ عدالت مستقل ہوگئی۔ اس میں ۱۲ اسقفوں سمیت چالیس ارکان تھے
اور انھیں کلیسائی نظام کے خلاف جملہ جرائم کی تحقیقات کا اختیار تھا۔ عدالت گرجوں میں حاضر
نہ ہونے والوں کو سزا دے سکتی تھی۔ ہر قسم کی غلطی، الحاد اور تفرقہ پردازی
کی قوانینِ ملک کے مطابق اصلاح و درستی کرتی تھی۔ جو تنخواہ دار پادری ارکان دین
کے خلاف عقیدہ رکھتے ہوں، انھیں موقوف کر سکتی تھی۔ ازدواجی تعلقات
کی بدعنوانیوں اور بداخلاقیوں وغیرہ پر جو شرعاً قابل تعزیر ہوں سزا دے سکتی تھی۔

الزبتھ نے جو تصفیہ کیا، وہ بَین بَین تھا اور اسی لئے ہر فرقے کے
انتہا پسند اس کے خلاف ہوگئے اور رفتہ رفتہ ملک میں تین مختلف جماعتیں بن گئیں۔
اوّل تو قوم کے عامۃ الناس جو ہر سال اس تصفیئے کے زیادہ تعداد میں گرویدہ
ہوتے گئے۔ دوسرے کیتھولک، جو قدیم نماز کے قائل اور پاپائی اقتدار کو
اس حد تک تسلیم کرتے تھے کہ اگر وہ چاہے تو الزبتھ کو بادشاہی سے معزول
کر سکتا ہے۔ اور تیسرے وہ غیر مقلد (پیوری ٹن) جنھیں انگلستان میں اصلاح کلیسا
کا عمل بہت ناکافی نظر آتا تھا اور وہ چند قدم اور آگے جانا چاہتے تھے۔
ان میں سے بہت ایسے تھے جو میری کے عہد میں وطن سے باہر رہے اور
جنیوی مصلح کالوین کی تعلیم سے سرشار ہوکر آئے۔ اطمینان نہ ہونے کے
باوجود انھوں نے کلیسائے انگلستان سے علیحدگی اختیار نہ کی لیکن خاص خاص
رسموں کی پابندی نہ کرنے کے باعث انھیں "نان کن فورمسٹ" (یا غیر مقلد) کا
لقب ملا۔ بعض جوشیلے اِن سے بھی آگے نکل گئے اور کالوین کے مشورے
کے خلاف انھوں نے اپنی نمازیں الگ پڑھنی شروع کیں اسی لئے انھیں
"سیکڑی" (یا افتراقی) کا خطاب ملا۔ ان مذہبی قضیوں کی مصروفیت میں بھی ملکہ

معاملات خارجہ

کو معاملات خارجہ پر کافی توجہ کرنی پڑی۔ اس کی تخت نشینی
کے وقت انگلستان، فرانس و اسپین سے کہیں کم قوت سلطنت
رہ گیا تھا۔ اس کی کوئی مستقل فوج و قلاع نہ تھے۔ اہل انگلستان کی بہادری بلکہ
تہوّر میں کوئی شک نہیں اور اسکاٹیوں سے مقابلہ کرنے کے لائق انھیں
فن حرب میں بھی مہارت حاصل تھی لیکن وہ فرانس یا اسپین کی تربیت یافتہ و آراستہ

باقاعدہ" فوج کے برابر (جس کی تجربہ کار سردار قیادت کرتے اور جو جدید ترین اسلحہ سے مسلّح تھی) تجربہ و تربیت نہ رکھتے تھے۔ البتہ کہہ سکتے ہیں کہ ولزے نے یہ سبق ضرور سکھا دیا تھا کہ اسپین و فرانس کی باہمی رقابت کے باعث انگلستان اپنی قوت سے بڑھ کر اثر پیدا کر سکتا ہے۔ اور اسے الزبیتھ کی خوش نصیبی سمجھئے کہ وہ حالات جن میں ولزے کو کامیابی ہوئی، ابھی تک موجود تھے فرانس و اسپین کی باہمی جنگ جاری تھی اور دونوں کے الگ الگ منصوبے میں انگلستان شامل تھا۔ ایک طرف تو ہینری ثانی شاہِ فرانس اس امید میں تھا کہ انگلستان، اسکاٹ لینڈ اور فرانس کے تاج اس کی بیٹی اور بیٹے کے سروں پر ہوں گے اور ہسپانی مقبوضات کو دو ٹکڑوں میں توڑ دیا جائے گا اور دوسری طرف فلپ کو اس منصوبے کو مٹانے کی بہترین شکل یہی نظر آتی تھی کہ جس طرح ہو الزبیتھ کی وراثت بادشاہی کی تائید کرتا رہے واضح رہے کہ باپ کی دست برداری کے بعد سے وہی اسپین، ندرلینڈز اور اطالیہ کے بڑے حصے کا فرماں روا ہو گیا تھا۔ بہرحال، اس کی تائید کا الزبیتھ کو اس درجہ یقین تھا کہ مذکورۂ بالا مذہبی تصفیہ کرنے کی جرأت کر گزری حالانکہ خوب جانتی تھی کہ عقائد کے اعتبار سے یہ تصفیہ فلپ کو نہایت ہی ناگوار ہوا ہوگا۔

اوّل اوّل تو فلپ کا خیال یہ تھا کہ الزبیتھ سے خود شادی کر لے اور اس مضمون کا اس نے ایک خط بھی ملکہ کو تحریر کیا جس میں یہ تصریح کر دی تھی کہ میں انگلستان میں زیادہ قیام نہ کر سکوں گا لیکن جس قدر زیادہ ممکن ہوا بار بار آتا رہوں گا مگر الزبیتھ کو شادی پر خوشی سے آمادہ ہونے نہ ہونے کے علاوہ ایک بڑی دقت یہ حائل نظر آتی تھی کہ فلپ متوفّیہ بیوی (میری) کی بہن سے پاپا کی اجازت خاص کے بغیر عقد نہ کر سکتا تھا اور اگر پاپا کا یہ اختیار مان لیا جائے تو پھر یہ بھی گویا مسلّم ہو جاتا کہ پاپا کسی بیوہ کو بھی متوفّی شوہر کے بھائی سے شادی کی اجازت دے سکتا ہے۔ حالانکہ اس صورت میں ہینری ہشتم کی پہلی شادی جائز و درست اور دوسری بالکل ناجائز قرار پاتی اور خود الزبیتھ ناجائز اولاد بن جاتی۔ پس الزبیتھ نے فلپ سے دوستانہ تعلقات تو قائم رکھے لیکن شادی کی تجویز کا کوئی جواب نہ دیا۔

اصل یہ ہے کہ قلیب کیا، کسی سے بھی اُس کا شادی کرنا طرح طرح کی مشکلات کا باعث ہو جاتا۔ اگر کسی باہر والے سے شادی کرتی تو انگلستان کی رعایا کو بُرا معلوم ہوتا۔ انگلستان ہی کے کسی امیر کو منتخب کرتی تو دوسرے امرا کو حسد پیدا ہوتا۔ کیتھولک مذہب والے سے شادی ہوتی تو پراٹسٹنٹوں کی موافقت میں جو تصفیہ کیا تھا، وہ کمزور ہو جاتا اور کسی پراٹسٹنٹ سے عقد کرتی تو کیتھولک عقیدے کے انگریز میری (اسکوئیہ) کے حامی و مددگار بن جاتے۔ غرض ان اسباب نے شادی ہی کو خطرناک بنا دیا تھا اگرچہ وطن اور بیرون وطن میں لوگ مدت تک پورا یقین رکھتے تھے کہ وہ آخر میں کسی نہ کسی سے شادی ضرور کرے گی۔ اسی لئے اتنے معزز رشتے کے بہت لوگ آرزومند رہے اور اس سے الزبتھ نے پورا پورا فائدہ اٹھایا۔ بہت دن تک یہ سمجھا جاتا تھا کہ وہ روبرٹ ڈڈلی سے جو آگے چل کے امیر لیسٹر بنایا گیا، شادی کرے گی۔ لیکن اس میں بہت کچھ شبہات ہیں۔ وہ لیسٹر کو پسند ضرور کرتی تھی اور اسے یقین تھا کہ اُسے محبت لیسٹر کو وفادار خادم بنائے رکھے گی لیکن قرائن کہتے ہیں کہ خود اسے عمر بھر صحیح معنی میں کسی سے محبت پیدا نہیں ہوی۔

مارچ ۱۵۵۹ء میں فرانس و اسپین کی جنگ عہد نامہ کاتوں کاں بریسی کے ذریعے ختم ہوی۔ اس یادگار صلح نے ملک ثانی کی اس طویل کشاکش کا جسے چارلس ہشتم کی اطالیہ پر فوج کشی نے شروع کیا تھا، خاتمہ کر دیا اور تاریخ یورپ کے (صلح نامہ ویسٹ فالیہ، ۱۶۴۸ء) ایک نئے دور کا آغاز ہوا جس میں دول یورپ کے باہمی تعلقات کی بنا زیادہ تر مذہبی ہم خیالی تھی۔ اسی صلح کی خوشی میں جو رنگ رنگ کے جلسے ہوے ان میں سپاہیانہ فنون کی نمائش میں شاہ فرانس اتفاقیہ زخمی ہو گیا اور جولائی میں وفات پائی۔ اور تخت پر اس کا بیٹا فرانسس ثانی اور اسکاٹ لینڈ کی ملکہ میری متمکن ہوے۔ لیکن خود فرانسس ۱۵۶۱ء میں مر گیا اور چونکہ میری سے اس کی اولاد نہ تھی، لہذا فرانس و اسکاٹ لینڈ کا اتحاد بھی باقی نہ رہا اور تھوڑے ہی دن بعد میری اپنے وطن کو چلی آئی اس عرصے میں اسکاٹ لینڈ کی حالت بہت کچھ بدل چکی تھی ۱۵۵۹ء یعنی میری کے جانے کے بعد سے اصلاح کلیسائی تحریک پھیلنے

اسکاٹ لینڈ میں تحریک اصلاح کا اثر

ملک میں پھیل گئی اور کامل انقلاب پیدا کر دیا۔ اسکوٹی کلیسا بہت دولت مند اور بہر اہر خرابیوں میں مبتلا تھا۔ لیکن مدت سے وہاں کے بادشاہ ہیملٹن آرجائل وغیرہ خاندانوں کے خلاف (جو ابھی تک پرانے جاگیرداری حقوق رکھے اور جانباز کاشتکاروں کی تھوڑی بہت فوج بھی میدان میں لا سکتے تھے) اسقفوں کی مدد لیتے رہے تھے اور یہی سبب تھا کہ اصلاح کلیسا کی تحریک شروع ہوئی تو ان امیروں کو بادشاہ اور کلیسا دونوں کی قوت توڑنے کی سب سے اچھی صورت یہ نظر آئی کہ طالبانِ اصلاح کے ساتھ ہو گئے۔ پادریوں نے پراٹسٹنٹ خیالات کو روکنے کی بہت دن تک جان توڑ کوشش کی اور بہتوں کو موت کے گھاٹ اتارا جن میں مشہور و معروف جارج واشرٹ بھی شامل ہے لیکن انگلستان میں الزبیتھ کا دور آیا تو پراٹسٹنٹ فرقے کو اپنے مذہب کا اعلان کرنے کی جرات ہو گئی اور امیروں کے ایک گروہ نے "امراے جماعت" کے نام سے ایک قرارداد پر دستخط کر دیئے اور مطالبہ کیا کہ انگلستان کی کتاب نماز کو اسکاٹ لینڈ میں بھی مروج کیا جائے۔ پھر بھی جان نوکس کی ۱۵۵۹ء میں واپسی تک زیادہ ترقی نہ ہو سکی تھی۔ البتہ اُس کے آنے سے رنگ بدل گیا۔ اُس وقت نوکس کی عمر ۵۴ سال کی تھی سینٹ انڈروز کاسل کی تسخیر کے وقت وہ قید ہوا اور فرانسیسی جہازوں پر (بطور غلام کے) بھیجدیا گیا تھا۔ مگر بچ کر بھاگ نکلا اور ایڈورڈ ششم کا امام مقرر ہوا۔ وہاں سے نکل کر وہ کالوین کے پاس جنیوا پہنچا اور اس کے عقائد اختیار کر لئے۔ میری ملکۂ انگلستان کے خلاف "دی مونسٹرس رجیمینٹ آف وی مین" نام کی کتاب لکھکر کافی بدنامی کمائی۔ اسکاٹ لینڈ پہنچتے ہی اس نے بت پرستی کے خلاف وعظ شروع کیا اور اس کی جوش انگیز فصاحت نے لوگوں میں عجیب ہیجان پیدا کر دیا۔ پرتھ میں ایک وعظ کے بعد سامعین کا یہ حال ہوا کہ اُٹھ کر گرجا کی صلیب و مورتیں، منقش شیشے توڑ ڈالے اور تمام ملک میں اسی قسم کا ہنگامہ برپا ہو گیا۔ اس ہمہ ہمی کی بدولت امراے جماعت اور میری میں علانیہ جنگ کی نوبت پہنچی۔ اس نے فرانس کو مدد کے لئے پکارا اور امیروں نے انگلستان سے التجا کی۔

ان کی تجویز یہ تھی کہ الزبیتھ ہیملٹن خاندان کے سرگروہ شہزادہ شاتل ہیرول کے فرزندِ اکبر، امیر ایران سے شادی کرلے جو شاخ اسٹولوٹ میں میری کے بعد وارث خاندان تھا اور اگر الزبیتھ یہ رشتہ منظور کرلیتی تو میری کو معزول کرکے ایران کی بادشاہی کے لئے کوشش کی جاسکتی تھی۔ مگر ملکہ انگلستان کو یہ منصوبہ بہت مخدوش نظر آیا۔ دوسرے ایران سے خود ملی تو اسے جسم و دماغ دونوں اعتبار سے کمزور دیکھکر اُس نے بالکل انکار کردیا۔ تاہم وہ اسکوٹی امیروں کو فرانسیسی سپاہ کے خلاف مدد دینے پر آمادہ ہوگئی بشرطیکہ یہ اُمرا ملکہ کے وفادار رہیں۔ اسی کے مطابق عمل ہوا۔ نتیجہ اس تمام خلفشار کا یہ نکلا کہ اسکاٹ لینڈ کے تقریباً سب باشندے اشد خیال کے پراٹسٹنٹ ہو گئے اور کیتھولکی مذہب امرا کے چند خاندانوں یا پہاڑی باشندوں میں باقی رہ گیا۔ تمام خانقاہیں مسدود اور ان کی اراضی امرا کے جماعت کے قبضے میں آگئیں۔ بڑے کلیسا اور طلقوں کے گرجا تک جگہ جگہ سے توڑ پھوڑ دیئے گئے۔

میری ملکۂ اسکوٹیاں میری بیوہ ہوکر اسکاٹ لینڈ آئی تو انیس سال کی تھی۔ اس کی تصویروں میں بہت اختلاف پایا جاتا ہے، لیکن معاصرین اُس کے حسین ہونے پر متفق ہیں۔ وہ اعلیٰ درجے کی قابلیتیں رکھتی تھی اور جن لوگوں سے سابقہ پڑا، ان سے سیاسی معاملت کرنے میں کچھ کم ہوشیار ثابت نہ ہوی۔ کئی سال تک یہ سوال طے نہ ہوا کہ میری اور الزبیتھ کے باہمی تعلقات کیا ہوں گے۔ کوئی بہت خاص وجہ ان کی دوستی میں مانع نہ تھی۔ خود شادی نہ کرنے کے باوجود الزبیتھ اپنی رشتے کی بھانجی[۱] سے شادی کرنے کی تاکید کرتی رہی، اور اس کے لئے لیسٹر کا نام خود پیش کیا۔ میری نے بظاہر تو اس پر غور کرنے کا وعدہ کیا لیکن حقیقت میں طے کرلیا کہ اپنی سوتیلی پھپی مارگریٹ داور امیر لناکس) کے بیٹے ہینری ڈارن لی سے عقد کرے گی۔ چنانچہ ۱۵۶۵ء میں یہ ارادہ حیز عمل میں آگیا۔ ڈارنلی، باپ کی جلاوطنی کے زمانے میں

[۱] شجرے کی رُو سے میری، الزبیتھ کی پھپی کی پوتی تھی۔ مترجم

انگلستان میں پیدا ہوا اور الزبتھ اُسے خوب جانتی تھی۔ شادی سے ٹیوڈر خاندان کی دو شاخیں باہم مل گئیں (دیکھو صفحہ ۳۴۷) اور ہیری کے دعاوی وراثت گویا قوی تر ہو گئے۔ مگر ہیری کی کم نصیبی کہ ڈارنلی کے ذاتی اوصاف بہت ادنیٰ قسم کے ثابت ہوے۔ وہ بلند قامت اور خاصا خوبصورت تھا لیکن خصائل ناقص اور طینت بہت بری پائی تھی مطلق امور ملک داری کی صلاحیت نہ تھی اور اسی لیے میری کو ملک کے انتظامات پہلے کی طرح اب بھی خود کرنے پڑے اور اس نے ایک اطالوی مطرب ڈاوڈ رزیو کو اپنا دبیر بنالیا جو ابتداءً سیووائے کے سفیر کے ہمراہ اسکاٹ لینڈ آیا تھا۔ وہ ممالک غیر کی زبانوں سے واقف تھا اسی لئے ہیری کو بہت کار آمد معلوم ہوا اور پھر تھوڑے ہی دن میں اس کا معتمد علیہ بن گیا۔ بخلاف اس کے ڈارنلی کو اُس نے تخت نشینی میں بھی شریک نہ کیا اور یہ احمق نوجوان بیوی سے بگڑ کر پراٹس ٹنٹ فرقے میں جا ملا۔ اسی فرقے سے مل کر اُس نے رزیو کو مار کر خود انتظامات ملک حاصل کرنے کی سازش کی اور اس کا پہلا حصّہ کامیاب ہو گیا کہ قاتل، رزیو کو ملکہ کے دستر خوان پر سے گھسیٹ لائے اور برابر کے کمرے میں ہلاک کر دیا۔ مگر اہل سازش کی دوسری غرض پوری نہ ہوئی۔ ڈارنلی اپنی تاجدار بیوی کے ہاتھوں میں موم کی گڑیا تھا اور اس نے امیر بوتھ ویل کی مدد سے اہلِ سازش کو ایسی زک دی کہ انھیں جان بچا کے بھاگتے ہی بن پڑی۔

۱۹ جون ۱۵۶۶ء کو میری کا بیٹا جیمس پیدا ہوا اور چونکہ کیتھرائن گرے کے دعاوی اسی زمانے میں مردود ہو گئے تھے، لہذا بیٹا ہو جانے سے میری کے دعوی کو اور قوّت پہنچی۔ کیتھرائن کا قصّہ یہ ہے کہ ۱۵۵۳ء میں لارڈ ہربرٹ سے عقد کیا تھا جو منسوخ ہو گیا اور ۱۵۶۱ء میں اس نے امیر کبیر سمرسٹ کے بیٹے ہارٹ فرڈ سے خفیہ شادی کر لی۔ اسی سے ایک بیٹا پیدا ہوا تھا مگر صدر اسقف یارک نے واقعات کی تحقیقات کر کے اس شادی ہی کو ناجائز قرار دیا اسی بنا پر کیتھرائن اور اس کا بیٹا دونوں کے حقوق ساقط ہو گئے، اور اہل انگلستان بھی میری کے دعاوی کو زیادہ موافقت کی نظر سے دیکھنے لگے کیونکہ اُس نے اسکاٹ لینڈ کے پراٹس ٹنٹوں سے بھی کچھ بیجا برتاؤ نہیں کیا تھا۔

مگر عین اس وقت کہ میری کو دوبارہ عمدہ موقع اور خیر خواہوں کا معقول گروہ مل گیا تھا، ایک واقعہ ایسا پیش آیا جس نے ان سب امیدوں پر پانی پھیر دیا۔ اور یہ حضرتِ دل کی کارستانی تھی۔

میری اور بوتھ ویل

ڈارنلی تو توقع کے بالکل خلاف بیکار آدمی ثابت ہوا پس میری ایک ایسے شوہر کی آرزو مند ہوگئی جس پر وہ بھروسہ کر سکے اور اس کے تمام ضروری اوصاف اُسے سرحدی شمشیر زن امیر بوتھ ویل میں نظر آئے اور وہ اس پر دل وجان سے عاشق ہوگئی۔ بوتھ ویل کی بیوی موجود تھی اور وہ اُسے دل سے چاہتا تھا لہٰذا میری کے اقدام کا اُس نے بظاہر اُسی جوش خروش کے ساتھ جواب نہیں دیا۔ تاہم تقدیر کی سازگاری سے پورا فائدہ اٹھانے پر تیار ہوگیا اور میری کو ڈارنلی کے قتل کرا دینے کی ترغیب دی۔ بیٹا ہونے کے بعد سے اس غریب کو کوئی پوچھتا تک نہ تھا۔ دسمبر ۱۵۶۶ء میں گلاسگو میں اُس کے چیچک نکل آئی مگر کچھ روز میں صحت ہوگئی اور میری خود اسے ایک الگ تھلگ سے مکان "کرک او فیلڈ" میں لے آئی جو پرانے اڈن برو کے جنوب میں ہولی رڈ محل کے قریب واقع تھا اور اس محل کی ہوا تازگی میں مشہور تھی۔ بہر حال، مذکور بالا مکان میں میری کبھی کبھی ڈارنلی سے جاکر مل آتی تھی۔ ۱۰ر فروری کی رات کو ایک زور کا دھماکا لوگوں نے سنا اور تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ "کرک او فیلڈ" سرنگ لگا کے اڑا دیا گیا۔ طرفہ تر یہ کہ ڈارنلی اور اس کے نوکر دونوں کی لاشیں باغ میں اس طرح پائی گئیں جیسے گلا گھونٹ کے مارے گئے ہوں اور آگ سے انھیں کوئی ضرر نہ پہنچا تھا عام طور پر بوتھ ویل کو اس خون کا مجرم سمجھا جاتا تھا اور ڈارنلی کے باپ نے باقاعدہ مقدمہ چلانے کی درخواست کی۔ عدالت نے ۱۲ر اپریل کی تاریخ سماعت مقرر کی تھی مگر اس دن اڈن برو میں بوتھ ویل کے پیا ہی آبھرے مستغیث نے اپنی جان کے خوف سے مقدمہ چلانے سے انکار کیا اور بوتھ ویل رہا کر دیا گیا۔ اسی کے چند روز بعد میری اپنے بچے کو دیکھ کر آرہی تھی کہ راستے میں بوتھ ویل نے اسے پکڑ لیا اور قلعہ ڈن بر میں بھگا لایا۔ اپنی بیوی کو طلاق دینے کی اجازت

حاصل کی اور پھر میری سے عقد کر لیا۔ (۱۵ مئی)

یہی شادی میری کی خانہ بربادی تھی۔ بہت کم لوگ ہوں گے جنھیں اب اس بات میں شبہ رہ گیا ہو کہ ڈارنلی کے قتل میں ضرور اس کا ہاتھ تھا۔ اُدھر بوتھ ویل کے غرور سے لوگ سخت نفرت کرتے تھے اور ملکہ نے اُسے شوہر بنا کے اسکاٹ لینڈ کے سارے اُمرا کو اپنا دشمن بنا لیا۔ اس متفقہ اور عام مخالفت کو بوتھ ویل نے دبانے کی کوشش کی مگر کچھ نہ چل سکی۔ اپنے رفیقوں کو جمع کر کے وہ میری سمیت ایڈنبرو پہنچنا چاہتا تھا کہ شہر سے پانچ میل شرق میں، کاربری پہاڑی پر اُمرا کی فوج نے آگھیرا (۱۵ جون) بوتھ ویل کے سپاہی یہ رنگ دیکھ کے کھسکنے لگے اور آخر وہ خود مایوس ہو کر فرار ہو گیا۔ اُسی کے بچ کر نکل جانے کی خاطر خود ملکہ نے اپنے تئیں حریفوں کے حوالہ کر دیا۔ لیکن پہلے ڈن بار پھر اورکنی وغیرہ مقامات پر کچھ مدت آوارہ پھرنے کے بعد وہ ڈین مارک والوں کے ہاتھ پڑا اور انھوں نے بحری قزاق سمجھ کر قید میں ڈال دیا۔ بوتھ ویل نے اسی قید میں (۱۵۷۷ء میں) زندگی ختم کی۔ اور اُدھر میری فضیحت کی تصویر بنی ہوئی جلوس کے ساتھ ایڈنبرو میں لائی گئی جہاں لعنت ملامت کے آوازوں سے اس کا خیر مقدم ہوا اور جھنڈیاں اڑائی گئیں جن پر اس کے شیر خوار بچے کی تصویر تھی کہ اپنے باپ کے قاتلوں سے انتقام لینے کی فریاد کر رہا ہے۔ شہر میں پہنچ کر بھی میری کے ساتھ کوئی حد گزر نہ کی گئی۔ اُمرا نے جن کا سرغنہ جیمس ڈگلسی (امیر مورٹن) تھا اسے لوک لیون قلعے میں بند کر دیا اور دھمکا کر اپنے شیر خوار بچے کے حق میں تخت سے دست برداری لکھوائی اور شیر خوار بادشاہ کا اتالیق ملکہ کے رضاعی بھائی امیر مرے کو تجویز کیا۔ لیکن میری قید میں بھی ساز باز کرتی رہی اور آخر بھاگ کر خاندان ہیملٹن کے لوگوں کے پاس جا پہنچی جن سے بھروسہ تھا کہ کیتھولک فرقے کو اُس کی حمایت پر کمر بستہ کر دیں گے۔ اس کے پاس خاصی فوج جمع ہو گئی جن میں معزول اساقفہ اور علما و مشائخ کا جوق کا جوق شامل تھا۔ اسے امید تھی کہ ڈمبارٹن کا مضبوط قلعہ ہاتھ آجائے گا لیکن ۱۳ مئی ۱۵۶۸ء کو، گلیس گو کے قریب، لینگ سائڈ پر اتالیقِ شاہ نے ایک مختصر

جمعیت سے اس کا مقابلہ کیا اور میری کی فوج کو جس میں بھانت بھانت کے سپاہی بھرے تھے، کامل شکست دی۔ خود ملکہ کو مسلسل ساٹھ میل گھوڑے پر چلنا پڑا تب کہیں سول وے فرتھ پہنچ کر اپنی سلامتی کا اطمینان ہوا۔ یہاں اُس نے فیصلہ کیا کہ انگلستان سے دستگیری کی التجا کرے اور اس بات کی ہمت یوں ہوی کہ اُمرا سے گذشتہ کشمکش کے موقع پر الزبیتھ نے کچھ زبانی تائید کر دی تھی۔ غرض ۱۶ مئی کو میری تھوڑے سے ساتھیوں کے ہمراہ جہاز میں بیٹھکر ساحلِ کمبرلینڈ تک آئی اور ورکنگ ٹن کے مقام پہ اُتر کر کارلائل روانہ ہوی۔

میری انگلستان میں

میری کا انگلستان آنا، الزبیتھ کے لئے کچھ کم گھبراہٹ کا موجب نہ تھا وہ کوئی مایوس اور پریشان حال پناہ گزین بن کر نہیں آئی بلکہ ایک برابر کے تاجدار کی حیثیت سے، جو دوسرے تاجدار سے اپنی باغی رعایا کے مقابلے میں مدد کا متمنی ہو، آئی تھی۔ اور کامل توقع رکھتی تھی کہ الزبیتھ بے تامل اس کی پشت پناہی کرے گی۔ مگر خود الزبیتھ مشکل میں تھی کہ کیا کرے۔ غالباً سب سے اچھی صورت تو یہ ہوتی کہ میری کو اسکاٹ لینڈ کے اتالیقِ شاہ کے حوالے کر دیا جاتا اور وہ اسے محفوظ مقام پر قید کر دیتا۔ لیکن الزبیتھ یہ کہواناکہ وہ باغیوں سے اتحاد رکھتی ہے، پسند نہ کرتی تھی۔ چنانچہ کچھ اور وقت گزارنے کی غرض سے اُس نے اصرار کیا کہ پہلے ڈارنلی کے قتل کے متعلق تحقیقات ہونی چاہیئے کہ آیا میری کی اس میں کوئی شرکت ثابت ہوتی ہے؟ پھر اس تحقیقات کا انتظام ہونے تک اس نے حکم دیا کہ میری، یارک شر کے قلعہ بولٹن میں رکھی جائے جہاں سے کارلائل کی نسبت، اس کے بھاگنے یا بھگا لئے جانے کا اندیشہ کم تھا۔ اکتوبر میں اسکاٹ لینڈ کی طرف سے مرے، مورٹن وغیرہما انگلستان کے وکلا سے جن کا سرخیل شہزادہ نارفک ٹامس ہاورڈ تھا، یارک میں ملاقی ہوئے تحقیقات میں اسکاٹ لینڈ والوں نے سب سے اہم شہادت یہ پیش کی کہ چند خطوط دکھائے جو اُن کے بیان کے مطابق میری نے بوتھ ویل کو لکھے اور ایک چاندی کی صندوقچی میں پائے گئے جسے بوتھ ویل، ایڈن برو

کے قلعے میں بھولے سے چھوڑ گیا تھا۔ اب یہ کہنا دشوار ہے کہ یہ خطوط جعلی تھے یا اصلی۔ مگر جب پیش ہوئے تو ملک بھر میں سناٹا سا پیدا ہو گیا۔ بہر حال، الزبیتھ کی در اصل یہ غرض ہی نہ تھی کہ میری قتل کی مجرم ثابت ہو یا بے گناہ۔ اور چونکہ اسے معلوم ہوا کہ ابھی سے نارفاک، میری سے خود شادی کے توڑ جوڑ کر رہا ہے، لہذا کسی تدبیر سے اس پنچائت کو برخاست کرا دیا اور جنوری ۱۵۶۹ء میں مرے اپنے وطن واپس چلا گیا اور میری، ٹٹ بری میں نظر بند کر دی گئی۔

الزبیتھ کے اسباب تقویت

الزبیتھ کو بادشاہ ہوئے دس سال گزرے تھے اور اس مدت میں اُس کی قوت ملک میں اور باہر برابر بڑھتی رہی۔ ملک کے اندر تو اُس کی پر امن اور کفایت پسند حکومت نے گذشتہ حکومتوں کے نقصانات کی تلافی کرنے کا موقع بہم پہنچایا۔ سکے کا عیار درست کر دیا گیا اور سرکاری خزانے کی ساکھ پھر جم گئی۔ جنگی جہازوں کی مرمت اور قلعوں کے پہرے چوکی کا انتظام ہوا۔ مزید برآں ملکہ نے کیتھولک عقیدے کے امرا سے آشتی کا برتاؤ کیا اور حتیّ المقدور کوشش کی کہ کوئی فرقہ بالکل ہی آزردہ ہونے نہ پائے اس حکمت عملی نے ایک مستقل گروہ ایسے اشخاص کا مرتب کر دیا جو اپنے فرقے کی بجائے وطن کی اغراض کو مقدم جانتے تھے۔ ممالک خارجہ میں الزبیتھ کی یہ حکمت عملی کہ فرانس و اسپین کی باہمی رقابت سے فائدہ اٹھا کر خود ان کے حملے سے بچی رہے، آیندہ واقعات سے بالکل مناسب و صحیح ثابت ہو رہی تھی۔ دوسرے مذکورہ بالا رقابت کے علاوہ بعض اور اسباب کام کر رہے تھے جنھوں نے ان یورپی سلطنتوں کی اصلی قوّت کو کم کر دیا اور اس طرح انگلستان مقابلۃً قوی تر ہو گیا۔

ان اسباب میں سب سے اوّل تو فرانس کی مذہبی جنگ و جدال تھی کہ وہاں پر اٹس ٹنٹ فرقہ عوام الناس میں کبھی مقبول نہ ہو سکا اور لوآر کے جنوب کے اضلاع میں امرا اور متوسط طبقے کے افراد اس کے حامی بن گئے۔ اس علاقے کا صدر مقام روشیل ہے مگر اس سے بھی بڑھ کر گنیں گنی اور اس کے

نواحی اقطاع میں نئے عقیدے نے فروغ پایا اور غالباً اس کے پیرووں کی تعداد کیتھولکوں سے بھی بڑھ گئی حالانکہ فرانس کے دوسرے اقطاع میں وہ اِکّا دُکّا کہیں نظر آتے تھے۔ ہینری ثانی شاہ فرانس کے تین بیٹوں کی حکومت کے زمانے میں اصلی اقتدار اُن کی ماں کیتھرائن دمیدیچی کے ہاتھ میں رہا اور چونکہ طاقتور خاندان گیز کا سرگروہ شہزادۂ فرانسس (فاتح کالے) اس کا حریف بن گیا تھا لہٰذا خود کیتھولک ہونے کے باوجود یہ ملکہ نئے عقیدے والوں سے باربار اتحاد کرنے پر مجبور ہوتی تھی۔ فرانس میں فرقۂ جدید ہیوگینو کہلاتا تھا اور ان کے سرِ جیل شاہ نوار کا بھائی شہزادہ کوندے اور امیر البحر کولینی تھے۔ ۱۵۶۲ء میں کیتھرائن نے چاہا کہ ہیوگینو فرقے کو قانونی جواز حاصل ہو جائے۔ اس پر علانیہ جنگ کی نوبت آئی کوندے شکست کھاکے پکڑا گیا۔ گیز خونی کا شکار ہوا اور اس طرح جو لڑائی چھڑی وہ سخت عناد کے ساتھ برابر جاری رہی۔ ملکۂ انگلستان کے لئے اب خدشے کی صورت یہ ہوسکتی تھی کہ اگر خاندان گیز فتحمند ہوا تو ممکن تھا کہ وہ اسکاٹ لینڈ کی میری سے الزبیتھ کے خلاف کام لے۔ نظر بر این الزبیتھ نے احتیاط کے ساتھ ہیوگینو فریق کو مدد دی اور کفالت میں قصبۂ ہاور قبول کر لیا۔ مگر کیتھرائن نے آپس میں صلح صفائی کر لی جس سے انگریزوں کو بھی ہاور کا تخلیہ اور صلح قبول کرنی پڑی۔ اس وقت سے الزبیتھ نے اپنی حکمت عملی کا بنیادی اصول ہی یہ قرار دیا کہ حکومتِ فرانس کے ساتھ صلح قائم رکھی جائے۔

اسی زمانے میں ندرلینڈز کی پیچیدگیوں سے اسپین کی قوت کم ہو گئی۔ اس علاقے میں سترہ اضلاع تھے جن پر خاندان برگنڈی مختلف خطابات کے ساتھ قابض رہا اور اب وہ سب فلپ ثانی کے ورثے میں آئے دو جداگانہ خطوں میں جن کی سرحدی حدِ فاصل شیلیٹ کی کھاڑی کو سمجھنا چاہیئے، شمالی باشندے ہولندیزی نسل سے، مذہب کے پراٹسٹنٹ اور مفلوک الحال تھے۔ بہ خلاف اس کے جنوب میں فلیمنگی خون اور دولتمندی زیادہ تھی مگر اصلاحی عقائد کو اتنا فروغ نہ ہوا تھا شمال میں کوئی معقول شہر ہی اس وقت نہ تھا لیکن جنوب میں بروسلز، بروژز، اینٹورپ اور گان یورپ کے سب سے دولتمند

شہروں میں شمار ہوتے تھے۔ ان شہر والوں نے جس کشادہ دلی سے اپنے حاکموں کو روپیہ دیا، اس کے عوض میں یہ حکام ان سے بڑی عزت کا برتاو کرتے رہے اور چارلس بھی اس کا بہت پاس کرتا تھا۔ لیکن فلپ باپ کی طرح گشت لگاتا نہیں پھرا بلکہ زیادہ تر اسپین ہی میں مقیم رہا اور اپنی آنکھوں ملک کے حالات دیکھنے کی بجائے مقامی عہدہ داروں کی اطلاعوں پر اعتماد کرتا تھا۔ اسی لئے وہ ٹھیک اندازہ نہ کرسکا کہ ندرلینڈز والے کس درجہ آزادی یافتہ ہیں، اور نزاع واختلاف سے بڑھتے بڑھتے یہ نوبت پہنچی کہ وہاں کے لوگ ہتیار لے کے اپنے بادشاہ کے خلاف اٹھ کھڑے ہوے۔ اس بغاوت نے الزبیتھ کو دوہرا فائدہ پہنچایا۔ اور وہ یہ کہ اوّل تو فلپ کی قوّت اُسی حصّہ سلطنت میں کمزور ہوی جہاں سے وہ انگلستان پر بہ آسانی حملہ کر سکتا تھا۔ دوسرے فلپ کے سپہ سالار آلوا نے سخت مظالم کئے تو پورے تیس ہزار پراٹس ٹنٹ جلا ہے وطن چھوڑ کر انگلستان کے شمال مشرقی اضلاع خصوصاً نارفک اور سفک میں آبسے اور اپنی دستکاری کی مہارت ساتھ لائے۔ آیندہ سے اہل انگلستان کو اپنا اون ندرلینڈ بھیجنے کی ضرورت نہ رہی بلکہ ملک ہی میں اون بُنا جانے لگا اور نئی صنعت نے زراعت، چرائی اور صناعی کے درمیان توازن قائم کرنے میں بڑی مدد دی جو سابقہ سنین میں وسیع احاطہ بندی کے باعث بگڑ گیا تھا۔

۱۵۶۹ء کی بغاوت

بایں ہمہ اسکاٹ لینڈ کی میری کی موجودگی الزبیتھ کو کافی پریشان کرتی رہی۔ یارک کی پنچائت ہی میں یہ خیال ظاہر کیا گیا تھا کہ اس کی نارفک سے شادی ہو جانی چاہیئے چونکہ یہ امیر کبیر کیتھولک فرقے کا سرغنہ تھا، لہذا یہ شادی انگلستان بھر میں پسندیدہ سمجھی جاتی البتہ پراٹس ٹنٹ فرقہ سخت ناراض ہوتا اور اسی بنا پر الزبیتھ نے سختی سے روک دیا کہ آیندہ یہ بات زبان پر بھی نہ لائی جائے۔ اس قدغن کا نتیجہ یہ ہوا کہ نارفک گروہ کے بڑے بڑے امیر بہت بگڑے اور بغاوت کے منصوبے بنانے لگے جس میں آلوا سے بھی فوجی مدد ملنے کی توقع تھی۔ آلوا نے شرط لگائی کہ اگر انگیریز کیتھولک، سیسل کو گرفتار کرے تو مدد دی جائے گی۔ مگر یہ کام

نارفک سے نہ بن پڑا اور الزبیتھ نے نارفک کو تو بجا طور پر نامخدوش سمجھکر آزاد رہنے دیا مگر ٹامس پرسی (امیر نارتھمبرلینڈ) اور چارلس نویل (امیر ویسٹ مورلینڈ) کی گرفتاری کا حکم دیا کہ دونوں سرحد کے جنگلی کاشتکاروں کی جمعیتیں رکھتے تھے اور آئے دن کی لڑائیوں نے انھیں جنوبی امیروں کی نسبت زیادہ جنگجو اور مضبوط بنا دیا تھا۔ قید کا حکم سنتے ہی دونوں امیروں نے ہتیار سنبھالے ڈرہم پر جبراً قبضہ کیا اور اس کے پرشکوہ کلیسا میں (آخری دفعہ) لاطینی مناجات گوائی۔ پھر میری کو لینے جنوب کی طرف چلے کیونکہ وہ ٹٹ بری قلعے میں رہا کرتی تھی۔ لیکن الزبیتھ اُن سے بڑھ کر تیز تھی۔ اُس نے امیر سیکس (ٹامس ریٹ کلف) کو تو فوراً مقابلے کے لئے روانہ کیا اور میری کو عقب میں کوونیٹری بھیجدیا کہ اُس کے خیر خواہ بادشاہی فوج سے لڑے بغیر اُس تک نہ پہنچ سکیں سسیکس خود کیتھولک عقائد کا امیر تھا لیکن الزبیتھ اُس پر پورا بھروسہ رکھتی تھی۔ اُدھر باغی امیروں کا منصوبہ ناکام ہوا تو انھوں نے لڑائی کی نوبت آنے سے پہلے فوج منتشر کردی۔ اُن کی پیش قدمی کے زمانے میں پُرانے اور نئے عقائد کی حدِ فاصل بھی عیاں ہوگئی کہ یارک شہر میں دیہاتیوں نے تو بلا استثنا باغی امیروں کی تائید کی اور قصبات جہاں کہیں پارچہ بافی کی صنعت رائج ہوگئی تھی، ملکہ کی وفاداری میں ثابت قدم رہے۔ چنانچہ لیڈز برج باغیوں کے مقابلے میں اُڑ گیا اور ہیلی فیکس نے اُن کے خلاف فوجی دستہ تیار کر کے سسیکس کو بھیجا۔ بہر حال اپنے عہد کی یہ پہلی اور آخری بغاوت دیکھکر الزبیتھ نے سخت تدابیر اختیار کرنی ضروری سمجھیں۔ شمال میں احکام بھیجے گئے کہ وہارف اور ٹائن کے درمیان ہر پنٹھ کے قصبے اور بڑے گاؤں میں گرفتار شدہ باغیوں کو جوق درجوق سولیوں پر لٹکا دیا جائے اور اس ظالمانہ سیاست کی بہت سی یادگاریں اب تک باقی ہیں مقتولوں کی مجموعی تعداد ۳۱۴ تخمینہ کی گئی ہے۔ دونوں امیر بھاگ کر اسکاٹ لینڈ پہنچ گئے تھے مگر نارتھمبرلینڈ کو وہاں کے اتالیق شاہ نے پکڑ کر الزبیتھ کے حوالے کر دیا اور ۱۵۷۲ء میں سزائے موت پائی ویسٹ مورلینڈ اسکاٹ لینڈ کے سرحدی مقامات میں کچھ مدت چھپا رہا پھر ہالینڈ بھاگ گیا

اور وہیں وفات پائی۔

یہ تشویش انگیز فتنہ مشکل سے فرو ہوا تھا کہ ایک اور سازش کا انکشاف ہوا۔ اس وقت پاپاؤں نے مختلف وجوہ سے الزبیتھ کی تکفیر نہیں کی تھی لیکن ۱۵۷۰ء میں پائیس پنجم نے ایک فتوٰی شائع کیا جس میں ملکۂ انگلستان خارج از ملت اور اس کی رعایا اطاعت کے فرض سے آزاد قرار دی گئی تھی۔ اس فتوے نے خواہی نخواہی تازہ سازش کا دروازہ کھولدیا اور نارفک اور بعض امرائے جنوب اسپین کے ساتھ غدارانہ خط کتابت کرتے رہے۔ ان کا کارندہ لندن کا ایک اطالوی نژاد ساہوکار رڈولفی تھا جو اپنے بیوپار کے سلسلے میں بے تکلف اسپین، اطالیہ وغیرہ ممالک میں آجا سکتا تھا۔ لیکن سیسل کو ان سب کارروائیوں کی خبر تھی اور بالآخر اسپین سے فوج بلانے کی سازش کا پورا ثبوت ہاتھ آگیا جس میں دوسرے اشخاص کے منجملہ نارفک، ارنڈیل اور خود میری پوری طرح شریک پائی گئی۔ دوبارہ الزبیتھ کو سختی کرنی ضروری معلوم ہوئی اور ۱۵۷۲ء میں امیر کبیر نارفک کا سر قلم کرادیا گیا۔ امرا کی بے وفائی اور

پارلیمنٹ کی وفاداری۔

کج ادائی سے الزبیتھ کو کافی تکلیف پہنچی لیکن دارالعوام کی روز افزوں وفاکیشی نے اس کا پورا بدل کر دیا۔ بلکہ یہاں مبعوثین کی افراطِ عقیدت سے وہ پریشان ہوی جب سے عہدہ داروں پر افضلیت کا حلف واجب ہوا، پارلیمنٹ میں کسی راسخ العقیدہ کیتھولک کی گویا گنجائش نہ رہی۔ دوسرے دارالعوام میں اکثریت جنوب کے نمایندوں کی تھی جہاں پراٹسٹنٹی عقائد کا زور تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ یہ ایوان مجموعی طور پر پکے غیر مقلد خیال کے لوگوں کی مجلس بن گیا۔ اس سے ملکہ کو بڑی قوت پہنچی اور جب کبھی وہ اپنے امرا یا بیرونی دول کو یہ بتانا چاہتی کہ قوم اُس کی حامی ہے، تو اس کی سیدھی تدبیر یہ تھی کہ پارلیمنٹ کا جلسہ منعقد کر دیا جاتا۔ چنانچہ ۱۵۷۲ء کی پارلیمنٹ نے بھی نہ صرف نارفک کی قتل کی تحریک پیش کی بلکہ میری کے خلاف غداری (خرابیٔ خون) کا فتوی صادر کیا اور اپنی طرف سے تو یہی تحریک کی کہ وہ بھی فوراً قتل کرادی جائے لیکن الزبیتھ نے اس فیصلے کا

اخلاقی اثر کافی تصور کیا اور اسے منظوری نہیں دی۔ صرف ایک مسئلہ شادی کا ایسا تھا جس میں الزبیتھ اور اس کی پارلیمنٹ مختلف الرّائے تھے۔ اشد خیال کے پراٹسٹنٹ چاہتے تھے کہ ملکہ شادی کرے اور انھی کے خیالات کا اثر پارلیمنٹ کی تجاویز میں نمایاں تھا جس نے بار بار عریضہ پیش کیا کہ الزبتھ شادی کر لے تا اُس کی اولاد میری ملکہ اسکاٹ لینڈ کی وراثت کی نوبت نہ آنے دے۔ مگر الزبیتھ اپنی مصلحتیں خود ہی خوب سمجھتی تھی اور اُس نے اُن سے صاف کہہ دیا کہ بس اپنے کام سے کام رکھیں۔

فرانسیسی رشتے کی تجویز

اصل یہ ہے کہ وہ اسی زمانے میں اپنی شادی کا لالچ دے کے ایک بڑی سیاسی کامیابی حاصل کرنے کی فکر میں تھی۔ یہ صاف نظر آنے لگا تھا کہ انگلستان کا اصلی دشمن اسپین ہے اور اسی سے نوبت جنگ آجانے کی توقع تھی، لہذا فرانس کے ساتھ عہد و پیمان کر لینا بہت ضروری ہو گیا جس میں فرانس کو دوست بنائے رکھنے کے علاوہ بڑی مصلحت یہ تھی کہ اسکاٹ لینڈ کی طرف سے پیچیدگی پیدا نہ ہونے پائے نظر برایں الزبیتھ نے فرانس کے ہینری شہزادہ انژو سے رشتے پر غور کرنے کی آمادگی ظاہر کی۔ قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ فی الواقع شادی کرنے کا کوئی پختہ ارادہ نہ رکھتی تھی تاہم محض آمادگی نے دربار فرانس کے ساتھ انگلستان کے تعلّقات کو دوستانہ بنا دیا ساتھ ہی یہ عہد نامہ مرتّب ہو گیا کہ اہل معاہدہ میں سے کسی پر، کسی وجہ سے بھی کوئی حملہ ہو، تو دوسرا چھ ہزار سپاہیوں سے مدد کرے گا۔ اسکاٹ لینڈ بھی عہد نامے میں شریک کیا گیا اور یہ شرط بڑھا دی گئی کہ نہ فرانس و انگلستان کو اسکاٹ لینڈ کے اندرونی معاملات میں دخل دینا چاہیئے اور نہ کسی دوسرے ملک کو اجازت دی جائے گی کہ وہ اسکاٹ لینڈ میں مداخلت کرے۔

انژو کے رشتے میں فیصلے کا وقت آیا تو مشکلات نکل آئیں اور تجویز یہ ہوئی کہ اُس کے چھوٹے بھائی فرانسس کے ساتھ قرارداد ہو جائے تو پھر کوئی دشواری نہ ہو گی۔ فرانسس کی عمر سترہ سال کی تھی اور اس کا الزبیتھ سے کچھ بھی جوڑ نہ ہو سکتا تھا۔ پھر بھی گیارہ سال تک اس معاملے میں غور ہوتا رہا اور کئی بار

فرانسس انگلستان آیا۔ وہ بدصورت، پستہ قامت، بڑے سر اور رکھروہ ناک کا نوجوان تھا۔ الزبیتھ ہنسی سے اسے "میرے بینڈک" کہہ کر پکارتی تھی لیکن بناوٹ سے اس کی عاشقی کا دم بھرنے لگی تھی۔ اس کی خارجہ حکمت عملی کا سارا مدار ہی فرانس کے اتحاد پر تھا اور کئی صدمے پہنچنے کے باوجود وہ اسے نباہے گئی۔ ان صدمات میں بارتھول میو کا قتل عام واقعہ ۱۵۷۲ء سب سے سخت تھا۔ ایسی حکومت کے ساتھ دوستی قائم رکھنی جس نے ایسے سفاکانہ جرم کا ارتکاب کیا، گویا اہل انگلستان کے محسوسات کی سخت آزمائش تھی، لیکن الزبیتھ جانتی تھی کہ مخالفت کی گئی تو دربار فرانس اسپین سے دوستی کرنے پر مجبور ہو جائے گا، لہٰذا اس خطرے کے زائل ہونے تک وہ اپنی حکمت عملی پر برابر جمی رہی۔

اتحادِ فرانس کو جس طرح ممکن ہو استوار رکھنا، اس لئے ضروری تھا کہ اسپین کی طرف سے انگلستان کو خطرہ تھا۔ ولندیزیوں کا قلع قمع کرنے کی غرض سے شہنشاہ فلپ فوج پر فوج ندرلینڈز میں بھیج رہا تھا۔ اُس کے بہترین سپہ سالار فوجوں کے ہمراہ تھے اور ان کی موجودگی سے انگلستان کو حملے کا ہر وقت اندیشہ رہنا بجا تھا۔ ولندیز باغیوں کی آزادی کو علانیہ تسلیم کرنا تو الزبیتھ کو پسند نہ تھا، تاہم فلپ کی دشواریاں بڑھانے کی غرض سے اُس نے اپنی رعایا کو ولندیزی فوج میں داخلے کی اجازت دے دی۔ اور وقتاً فوقتاً روپے سے بھی باغیوں کی مدد کرتی رہی۔ ان سب باتوں کے باوجود ۱۵۷۷ء میں آسٹریہ کے شہزادے ڈان جان نے ۱۵۷۱ء میں ہنگامی طور پر جنگ رکوادی سپانٹو پر ترکوں کو شکست دینے کے باعث ڈان جان تمام (عیسائی) دنیا میں نامور ہو گیا تھا۔ اب اُس نے بلا تاخیر انگلستان پر فوج کشی کی تیاری کی جہاں اسکاٹ لینڈ کی میری سے خود شادی کر کے وہ الزبیتھ کو نکال باہر کرنے کی امید میں تھا۔ مگر شہنشاہ کو اپنے سوتیلے بھائی کا اتنا حسد تھا کہ اس منصوبے پر عمل کرنے کی اجازت نہ دی۔ ڈان جان کے وکیل متعینہ اسپین (مسمی اِس کو ویڈوم) کو خونیوں نے موت کے گھاٹ اتارا

اور پھر ۱۵۷۸ء میں خود جان ختم ہوگیا۔ یہ شبہ ضرور کیا جاتا تھا کہ اسے زہر دیا گیا۔ ندر لینڈز میں امیر کبیر پارما اس کا جانشین ہوا اور غالباً وہ اپنے عہد کا سب سے بہتر سپہ سالار تھا ندر لینڈز کے جنوبی علاقے کو اس نے آناً فاناً اطاعت پر مجبور کیا اور معلوم ہوتا تھا کہ ولندیزوں کو بھی اب سر اطاعت خم کر دینا پڑے گا۔

ادھر انگلستان کے اندرونی معاملات میں بھی تبدیلی واقع ہو رہی تھی۔ پہلے دس برس میں الزبتھ نے مذہبی معاملات میں ایسا بے لاگ طریقہ اختیار کیا کہ اسے ملک کی تائید حاصل ہوگئی لیکن دوسرے دہے میں اس حکمت عملی پر قائم رہنا دشوار ہوگیا جس کا بڑا سبب یہ تھا کہ خود کیتھولک مذہب میں کافی تبدیلیاں

انگلستان کا کیتھولک فرقہ

رونما ہوئیں۔ پراٹسٹنٹ تحریک یہ تھی کہ مذہب کو زیادہ روحانی چیز بنایا جائے۔ اور روما سے قطع تعلق کر لیا جائے۔ اس کے بعد ہی خود رومی کلیسا میں ایک تحریک پیدا ہوی جسے اصلاح کلیسا کی جوابی تحریک یا اصلاح جوابی کہتے ہیں۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ بہت سی خرابیاں جن کے باعث یہ مذہب صدی کے آغاز میں بدنام تھا، دور ہوگئیں اور الگزنڈر ششم اور لیو دہم جیسے پاپاؤں کی بجائے پیئس پنجم وغیرہ جیسے لوگ اس منصب پر فائز ہوئے جن کا دینی جوش مسلّم اور اسی کے ساتھ ذاتی اعمال بے داغ تھے۔ اصلاح جوابی کی تحریک پھیلانے کی غرض سے ایک نیا فرقہ جیز وئٹ نامی مرتب ہوا کہ پراٹسٹنٹ ممالک میں جدید مذہب کی تکذیب کرے اور مذکورۂ بالا پاپاؤں نے اس فرقے سے خوب کام لیا۔ جدید پاپائی تبلیغ کا انگلستان میں بڑا وکیل ولیم ایلن آکسفرڈ کا ایک پرانا آدمی تھا جس نے ندر لینڈز میں بمقام ڈوا ایک درسگاہ قائم کی کہ یہاں سے دنیا دار پادریوں کو تعلیم دے دے کے انگلستان بھیجا جائے۔ فلپ ہی کے علاقے میں ایک اور مدرسہ سینٹ اومر کے مقام پر انگریز جیفرائٹوں کے واسطے بنایا گیا۔ انگلستان میں از روے قانون لاطینی نماز خوانی اور بادشاہ کی افضلیت کے خلاف کچھ کہنا، بغاوت میں داخل تھا۔ لیکن یہ قانون ڈرانے کے واسطے تھا، اس پر عمل کرنا مقصود نہ تھا۔ تاہم ۱۵۸۱ء میں، کیمپیون جو انگریز

کیمپ پیون کو سزائے قتل

جیزوئٹ میں سب سے پرجوش و مخلص آدمی تھا، انگلستان میں طویل قیام کے بعد، گرفتار کر لیا گیا۔ حکومت مثال قائم کرنے پر تُلی ہوئی تھی اور کیمپ پیون کو اس بنا پر غداری کا مجرم قرار دے کے سزائے موت دی گئی کہ اُس نے پاپا کے اس حق کو کہ وہ بادشاہوں کو معزول کر سکتا ہے، ناجائز ماننے سے انکار کیا۔ اس واقعے کے بعد سے کیتھولک پادری جان جوکھوں میں ڈال کر ہی اپنے فرائض دینی ادا کر سکتے تھے اور چارلس اول کے زمانے کی خانہ جنگی شروع ہونے تک بہت سے اشخاص کے سزائے موت پانے کا حال مذکور ہے۔ مذکورۂ بالا تشدد کے ساتھ گرجا میں نہ آنے والے منکرین پر جرمانے کی مقدار بڑھا کر بیس پونڈ کر دی گئی۔ ان واقعات نے ان دونوں مذہبی فرقوں میں عناد و مخاصمت بڑھا دی اور الزبیتھ کی پہلی حکمت عملی کی بدولت جو کیتھولک فرقے کی تعداد رفتہ رفتہ زائل ہو رہی تھی، وہ عمل بھی رُک گیا۔

الزبیتھ کا تصفیہ اہل کلیسا کی اکثریت نے بظاہر تسلیم کر لیا تھا تاہم صدر اسقف کو ہر جگہ یکسانی قائم کرنے میں کافی دشواری پیش آئی۔ اس کا ایک سبب تو یہ تھا کہ وہ اُسقف جو خود جدید طریقوں کو پوری طرح صحیح نہ جانتے تھے، اپنے ماتحتوں سے تاکید کرنے میں تامل کرتے۔ دوسرے تعلیم یافتہ واعظ کافی تعداد میں بہم پہنچانا آسان نہ تھا۔ بایں ہمہ الزبیتھ کو اصرار تھا یکسانی ضرور ہونی چاہیئے اور ۱۵۶۶ء میں پارکر نے لندن کے پادریوں کو بلا کے ہدایت کی کہ قانون یکسانی کی پوری پابندی کی جائے تیس سے زیادہ نے انکار کیا اور اُن کی معاش موقوف کر دی گئی۔ نورِوچ کے اُسقف نے یکسانی پیدا کرنے کی مطلق کوشش نہیں کی بحالیکہ ڈرہم کے اُسقف پل کنگ ٹن نے

بڑے کلیسا میں بھی بالکل غیر مقلدانہ اصول پر نمازیں پڑھوانی شروع کر دیں۔ ان مشکلات میں پارکر سرکار کے مقررہ طریقے کا پابند بنانے میں پوری کامیابی حاصل نہ کر سکا اور اُن لوگوں کی تعداد برابر بڑھتی گئی جو گرجا میں داخل رہنے کے باوجود اس کی جدید مراسم کی پابندی نہ کرتے تھے۔ ۱۵۷۵ء میں پارکر فوت ہوا۔ گرنڈل، صدر اُسقف یارک نے اس کی جگہ لی مگر بہت جلد ملکہ سے مناظرے کے مسئلے پر اس کا جھگڑا ہو گیا۔ اُس زمانے میں شرعی مسائل پر بحث و گفتگو کی غرض سے جلسے ہوا کرتے تھے جن میں عالم و غیر عالم دونوں شریک ہوتے اور کلیسائی حکام بھی یہ سمجھ کر کہ ان سے علما کی معلومات میں اضافہ اور غور و فکر کی عادت پیدا ہو گی، ایسے جلسوں کی ترغیب دیتے تھے ملکہ کو بظاہر یہ خیال ہوا کہ یہ محض بے علم لوگوں کے مناظرے ہوتے ہیں۔ اور اس نے گرنڈل کو ان کے روک دینے کا حکم دیا۔ گرنڈل غیر کلیسائی اشخاص کو روکنے پر خوشی سے تیار ہو جاتا مگر علما کا یہ حق قائم رکھنے کا خواہشمند تھا۔ اس نے ملکہ کی بات نہ مانی اور اسی بنا پر عہدے سے معطل کر دیا گیا۔ مناظرے شاہی فرمان سے ممنوع قرار پائے ۱۵۸۳ء میں گرنڈل نے وفات پائی اور جان وہٹ گفٹ (اُسقف ورسٹر) اس کا جانشین ہوا جو خاص ملکہ کے گوں کا آدمی تھا۔ اُس کے نزدیک ضابطہ قائم رکھنا بجائے خود ایک اہم مقصد تھا اور وہ تلا ہوا تھا کہ اسے جبراً نافذ کرے۔

مذہبی فرقے

لیکن اب یہ کام سخت دشوار ہو گیا تھا۔ اصل میں تو اساقفہ اور غیر مقلد پادریوں کا مذہبی رسوم پر تھا مگر اب اس کلیسائی نظم و نسق کا مسئلہ بھی داخل ہو گیا۔ غیر مقلدوں کے بھی اب دو فرقے بن گئے۔ ایک تو افتراقی یعنی وہ جنھوں نے علانیہ گرجا کو چھوڑ دیا اور دوسرے وہ جو گرجا میں داخل رہے لیکن اس کے طریقوں کو بدلوانے کی پوری کوشش

کرتے تھے۔ افتراقیوں میں سب سے باوقعت گروہ رابرٹ براؤن کے متبعین کا تھا۔ براؤن کا قول تھا کہ ہر مسیحی جماعت اپنے انتظامات کی مختار ہونی چاہئے اسی لئے اس کے ہم خیالوں کو اختیار پسند (Independents) بھی کہتے تھے۔ عقائد میں وہ کالورین کا متبع تھا۔ ایک اور گروہ اصطباعیین یا لااصطباغیین (Anabaptists) کا بھی پیدا ہو گیا تھا۔

کلیسا کے اندر رہنے والوں میں سب سے ممتاز شخص ٹامس کارٹ رائٹ گزرا ہے۔ اسے کیمبرج میں الٰہیات کی استادی کے عہدے سے اپنی آزاد خیالی کی بنا پر علیحدہ کیا گیا۔ یہ خیالات اس نے "کتاب انضباط" کی شکل میں مرتب کئے جس میں پادریوں کو مشورہ دیا تھا کہ اپنا انتظام خود کرنے کی غرض سے چھوٹے چھوٹے گروہوں میں منقسم ہو جائیں اور جہاں تک ممکن ہو اسقفوں کی حکومت کو نظر انداز کریں۔ یہ خیالات بہت مقبول ہوے اور اسی زمانے سے کلیسائے انگلستان کے اندر ایک گروہ ایسے لوگوں کا قائم ہو گیا جو اصولاً پرس بی ٹیرین تھے۔ ان آزادی پسندوں کی امیدیں دار العوام سے وابستہ تھیں اور جنوب مشرقی اضلاع میں انکا سب سے زیادہ زور تھا۔ ان کی بڑی کمزوری یہ تھی کہ اس گروہ کے بعض افراد بہت ہی اشد تھے اور انھی نے "مارپری لیٹ" رسائل کا ایک سلسلہ شائع کیا جس میں اسقفوں کے خلاف سخت زبان درازی کی گئی تھی۔ ان بے اعتدالیوں نے بعض قوی حامیوں کو بھی بیگانہ بنا دیا اور ۱۵۹۳ء میں پارلیمنٹ نے فتنہ انگیز تحریروں کے خلاف ایک سخت قانون نافذ کیا جس کے باعث مناظرے آیندہ حد سے گزرنے نہ پائے۔ کلیسا کی طرف سے سب سے مشہور لکھنے والا رچرڈ ہوکر تھا اور اس کی کتاب "ایک کلیزیس ٹکل پولی ٹی" "سیاست دینی" کا منشا یہ ثابت کرنا تھا کہ کلیسای حکومت نہ صرف مذہبی اعتبار سے لائق احترام ہے بلکہ افادۂ عام کی بنا پر قائم رہنی چاہیئے۔

الزبیتھ سے عقیدت مندی

الزبیتھ کو حکمرانی کرتے اب ربع صدی ہو چکی تھی۔ انگریزوں کی نوخیز نسل کو اپنا بنانے میں اس نے نسوانی دلربائیوں سے بھی کام لیا اور بہت سے نوجوانوں کی نظر میں اپنی کنواری ملکہ کی

عقیدت و وفاداری زندگی کا اصل اصول بن گئی جن کا نمونہ سر فلپ سڈنی، اسپینسر شاعر اور سر والٹر ریلے وغیرہم تھے اور یہ دعویٰ کرتے تھے کہ ملکہ کیلئے تن من دھن قربان کرنے میں مطلق باک نہ کریں گے۔ تمام عہد حکومت میں الزبیتھ کو ہمیشہ دو قسم کے درباریوں سے سابقہ رہا۔ ایک تو سیسل اور بیکن جیسے لوگ جو مجلس وزارت کے رُکن رہے اور جن سے ملکہ ایک برابر کے مدبّر کی حیثیت سے ملکی معاملات پر بحث و گفتگو کرتی تھی۔ اور دوسرے اس کا قدیم دوست امیر لیسٹر تھا کہ اُس کی نوعمری سے اور ذات سے محبت رکھتا تھا اور گو وہ اعلیٰ درجے کی قابلیت کا آدمی نہ تھا لیکن نازک موقع پر ملکہ اُس کی کامل وفاداری پر بھروسہ کر سکتی تھی۔ اس کے علاوہ زندہ دل سر کرسٹوفر ہیٹن اور ریلے وغیرہ نوجوان درباریوں کا غول کا غول الزبیتھ کو گھیرے رہتا تھا۔ کرسٹوفر کی نسبت کہا جاتا ہے کہ فقط ناچنے میں کمال دکھانے کی بدولت پیشکاری کے عہدے پر فائز کیا گیا۔ اسپینسر شاعر جیسے لوگوں کا ایک گروہ ایسا بھی تھا جو فقط دور سے درباری زندگی کی جھلک دیکھ سکتا تھا لیکن ملکہ کی اجازت سے محبت و عقیدت پھیلانے کے معاملے میں یہ سب گروہ برابر کا حصہ لیتے تھے۔ عجیب بات یہ

فلپ اور الزبیتھ

ہے کہ بہت دن تک فلپ اور الزبیتھ کی حکمت عملی ایک دوسرے کے ساتھ یکساں رہی۔ یعنی دونوں لڑائی سے بچنا چاہتے تھے مگر دونوں اسے آیندہ کسی وقت میں ناگزیر سمجھتے تھے، اسی کے ساتھ علانیہ جنگ کی نوبت لائے بغیر دونوں ایک دوسرے کو زیادہ سے زیادہ نقصان پہنچانے کی فکر میں تھے۔ الزبیتھ اپنی رعایا کی پیٹھ تھپکتی تھی کہ نذرلینڈز والوں کی مدد کریں۔ فلپ اسپین والوں کو بھیجتا تھا کہ آئرستان کے بغاوت پسندوں کا ساتھ دیں۔ بایں ہمہ دونوں نے اپنے اپنے سفیر حریف کے دربار میں برابر رہنے دیئے اور سرکاری خط و کتابت میں حفظ مراتب کا پورا لحاظ رکھا۔

ڈلوبی۔ ڈیوس۔ ہاکنس۔ ڈریک۔

در پردہ اسپین سے دشمنی کرنے میں ملکہ کو سب سے اچھے کارندے ڈیون شر کے جہازیوں میں ہاتھ آئے اس علاقے کی

بندرگاہوں میں اب تک ٹھیک اسی نمونے کے ملاح آباد تھے، جن کا چاسر نے مرقع دکھایا ہے۔ وہ بحری قزاقی اور تجارت دونوں کے لئے یکساں مستعد اور فن جہازرانی میں اپنا مثل نہ رکھتے تھے۔ منتظم حکومتوں کے قیام نے یورپ کے سمندروں میں قزاقی کو بہت خطرناک بیوپار بنا دیا تھا لہٰذا نئی دنیا کی دریافت ان لوگوں کے حق میں ایک ازغیبی مدد ثابت ہوی۔ پاپای اقتدار سے انحراف کی تحریک پیدا ہونے سے قبل تو معلوم ہوتا ہے انگریز نئی دنیا کے معاملات میں زیادہ دخل نہ دیتے تھے کیونکہ پاپا نے اِن ممالک کو اسپین و پرتگال میں بانٹ دیا تھا۔ لیکن پاپا سے رشتۂ انقیاد قطع ہوا تو ان کے ہاتھ کھل گئے اور یکے بعد دیگرے بہت سے جیوٹ ملاح میدان میں اتر آیے جن میں سے بعض نئے ممالک یا باقاعدہ تجارت کے مواقع کی تلاش میں نکلے اور بعض کا مقصد بحری قزاقی سے کچھ ہی مختلف ہوگا۔ یہ منچلے انگلستان و اسپین کے سیاسی تعلقات کی زیادہ پروانہ کرتے تھے اور اپنی دراز دستیوں کو ضابطے میں لانے کی غرض سے انھوں نے یہ مقولہ تصنیف کیا تھا کہ "حد کے باہر، صلح ختم"۔ ان میں سے نئی زمینوں کی تلاش کرنے والوں میں سب سے مشہور سرہیو ولوبی گزرا ہے جو ۱۵۵۴ء میں شمالی ایشیا کے راستے چین پہنچنے کی کوشش میں ہلاک ہوا۔ مارٹن فروبشر نے نئی بستیاں بسانے کی دھن میں لیب رے ڈور اور نیو فاونڈلینڈ کے ملک ڈھونڈ نکالے۔ جان ڈیوس پہلا انگریز تھا جس نے شمال مغربی راستے کی کوشش کی مگر ان میں زیادہ شہرت بہادر سرجان ہاکنس کو حاصل ہوی جس نے سب سے اوّل افریقہ سے حبشی غلاموں کو امریکہ کی ہسپانوی آبادیوں میں لے جا کے فروخت کرنا شروع کیا۔ یہ تجارت اُن دنوں بالکل مباح اور دین عیسوی کے حبشیوں میں اشاعت کے اعتبار سے قابل تعریف چیز سمجھی جاتی تھی۔ لیکن عوام الناس میں عہد الزبیتھ کا سب سے بڑا انگریز جہازراں سرفرانسس ڈریک مانا جاتا ہے جو ایک معزز خاندان میں (۱۵۳۹ء میں) پیدا ہوا اور قریب قریب ساری عمر سمندر ہی پہ گزاری۔ ساحلی تجارت

باب پنجم

کی مشق کرتے کرتے وہ بڑے بڑے بحری سفر کرنے لگا اور نہایت عمدہ جہاز راں بن گیا۔ ۱۵۶۷ء میں ہاکنس نے جو اس کا رشتہ دار بیان کیا جاتا ہے اسے غرب الہند کو غلام لے جانے کے کام میں شریک کیا تھا مگر یہ سفر سازگار ثابت نہ ہوا کیونکہ ہاکنس جوش دلاوری میں ایک قوی تر ہسپانوی فوج سے اُلجھ پڑا تھا۔ ۱۵۷۲ء - ۱۵۷۳ء میں ہم ڈریک کو پھر غرب الہند میں ہسپانوی کشتیوں پر حملہ کرتے اور ساحلی بستیوں میں لوٹ مار مچاتے دیکھتے ہیں خاکنائے پناما پر لنگر ڈال کے اُس نے بحرالکاہل کا معائنہ کیا اور یہ خیال سوچا کہ جنوبی امریکہ کے گرد گھوم کر اسپین والوں پر اُدھر سے حملہ کرے جدھر وہ اپنے آپ کو بالکل محفوظ سمجھتے ہیں۔ چنانچہ نومبر ۱۵۷۷ء میں پانچ کشتیاں اور ۱۶۳ ملاحوں کے ساتھ پلی متھ سے جنوبی امریکہ روانہ ہوا اور آبنائے ماگل ہین سے گزر کر ناگہاں بحرالکاہل میں داخل ہو گیا۔ ان کی سب سے بڑی کشتی کا وزن ۱۰۰ ٹن سے زیادہ نہ تھا مگر اسی مختصر مہم نے پہلے چلی کے صدر مقام وال پرے زو پر دھاوا کیا اور پھر شمال کی طرف اسپین والوں کی جتنی ساحلی بستیاں تھیں سب جگہ ٹھیر ٹھیر کر سونا چاندی جو یورپ بھیجنے کے لئے وہاں جمع تھا، دل بھر کر لوٹا اور کسی نے ان کی مزاحمت نہ کی۔ پھر کیلی فورنیا کے عرض بلد تک بڑھ کر، شمال میں انتہا تک جانے کا ارادہ چھوڑ کر ڈریک جاوا کی طرف مُڑا اور راس امید ہوتا ہوا ستمبر ۱۵۸۰ء میں واپس پلی متھ پہنچ گیا اور دولت کثیر کے علاوہ جس کا اندازہ آٹھ لاکھ اشرفی کرتے ہیں، یہ لافانی شہرت کمائی کہ کرۂ ارض کا پورا چکر لگایا جو اس سے پہلے انگلستان کے کسی جہاز راں کو میسر نہ ہوا تھا۔ ۱۵۸۵ء میں وہ فروشر کے ساتھ غرب الہند میں دوبارہ اہل اسپین پر حملے کرتا رہا اور وطن واپس آتے ہیں ایک نو آبادی کے پس ماندوں کو بچا کر ساتھ لے آیا جو اسی سال شمالی امریکہ میں بسی اور پھر اجڑ گئی تھی۔

سیاسی حالت

۱۵۸۴ء سے ملکہ الزبیتھ کے عہد کا نیا باب شروع ہوا۔ اب تک وہ مجموعی طور پر صلح کی حکمت عملی کو نباہتی اور ایسی کارروائی کرنے سے

نیکمتی رہی جس سے قطعی طور پر کسی غیر حکومت کی مخالفت متصور رہو۔ لیکن سنہ مذکور میں پے در پے ایسے واقعات پیش آئے کہ یہ حکمت علمی قائم رکھنی غیر ممکن ہو گئی۔ اوّل تو ماہ جون میں شہزادہ آنژو نے وفات پائی جسے الزبیتھ نے ابھی تک بناوٹ سے اپنا منگیتر بنا رکھا تھا۔ وہ ہینری ثالث شاہ فرانس کا بھائی تھا اور چونکہ شاہ مذکور کے اولاد نہ تھی لہذا تخت فرانس کی آیندہ وراثت خاندانِ بوربون کے ہینری شاہ نوار کو پہنچتی جو فرانس کے فرقہ ہیوگینو کا سرگروہ تھا اس امکان نے وہاں کے کیتھولک گروہ اور خصوصاً پیرس والوں کو سخت پریشان کیا اور امیران گیز کی قیاوت میں ایک جتھا مرتب ہوا کہ شاہ نوار کو تخت فرانس تک نہ پہنچنے دے۔ ہینری ثالث نے اوّل اول شاہ نوار کو آیندہ وارث مان لیا تھا مگر وہ بھی مجبور رہوا کہ گیزوں کا طرفدار ہو جائے۔ اس کے ساتھ ہی فرانس میں خانہ جنگی شروع ہو گئی اور ملکہ انگلستان کو معلوم ہوا کہ اب وہ فرانس کے اتحاد پر بھروسہ نہیں رکھ سکتی اور نہ بیرونی حملے کی صورت میں اسے موعودہ فوجی امداد فرانس سے مل سکتی ہے۔

شہزادہ آنژو کو مرے ہوئے ایک مہینہ گزرا تھا کہ ولیم امیر اورینج جیرارڈ کے ہاتھ سے قتل ہوا۔ ولندیزوں نے شاہ فرانس سے اعانت کی درخواست کی مگر کچھ نتیجہ نہ نکلا اور انھیں یہی مشورہ قابل عمل نظر آیا کہ الزبیتھ کو اپنا مربی بنائیں۔ ملکہ انگلستان یہ درخواست قبول نہ کر سکتی تھی کیونکہ اول تو اس کے معنی یہ تھے کہ دوسرے بادشاہ کی رعایا کو اس کی اجازت کے بغیر دوسرے کی اطاعت اختیار کرنے کی اجازت دی جائے۔ اور ثانیاً اس لئے بھی کہ اس نے پراٹسٹنٹ فرقے کے جتھے کی سرداری قبول کرنے کا کبھی ارادہ نہ کیا تھا۔ ان سب دقتوں کے باوجود، فرانسیسی حلیف کا ساتھ چھوٹ جانے کے باعث وہ ولندیزوں سے غیر رسمی عہد و پیمان کرنے پر مجبور ہوی اور سنہ ۱۵۸۵ء میں اس نے ایک انگریزی فوج بھی ان ریاستوں کی مدد کے واسطے روانہ کر دی۔ امیر کبیر لیسٹر اس فوج کا سپہ سالار تھا مگر اس نے ملکہ کے حکم کے خلاف وہاں کے والی کا خطاب اور اختیارات قبول کر لئے اور یہ وہ پیرایہ تھا

باب پنجم

جس کے ذریعے ولندیزا الزبیتھ کو خواہی نخواہی اپنا مربی بنانا چاہتے تھے۔ اِس حرکت سے ملکہ بہت ہی ناخوش ہوئی اور لیسٹر کو حکم دیا کہ عہدے سے استعفا دے دے اور اس طرح یہ ثابت کیا کہ وہ نِدر لینڈز والوں کی صرف خیر خواہ ہے اور ولندیزوں کی ناگواری کی بھی پروا نہ کی۔ اُدھر حربی معاملات میں لیسٹر امیر کبیر پارما کا مدِمقابل ثابت نہ ہوا۔ لڑائیوں میں سب سے بڑا معرکہ زوٹ فن میں پڑا اور یہیں سر فلپ سڈنی کی جان گئی۔ "آرکیڈیا" کا یہ مصنف صرف ۳۲ سال کا تھا لیکن معاصرین اُسے انگریزی شرافت کا بہترین نمونہ جانتے تھے اور قابلیت کے اعتبار سے بھی وہ نہایت ممتاز سفیر، درباری، فوجی اور مصنف تھا۔ زوٹ فن کے معرکے کے بعد لڑائی سست ہو گئی۔ لیسٹر ۱۵۸۷ء میں وطن چلا آیا اور پارما کی مستعدی دوسری جانب منتقل ہو گئی۔ ۱۵۸۶ء میں اسکاٹ لینڈ کی میری کی زندگی میں بھی بڑا تغیر پیش آیا۔ اب تک وہ قیدی کی بجائے ایک مہمان کی مثل رکھی جاتی تھی۔ اور اسے

میری کی ریشہ دوانیاں اور قتل

کافی آزادی حاصل تھی۔ پارلیمنٹ کی دانست میں اتنی رعایت بالکل نامناسب تھی اور ۱۵۷۲ء ہی میں دارالعوام نے اس کے قتل کئے جانے کی عرضی پیش کی تھی۔ ۱۵۸۶ء میں ایک تازہ سازش کا انکشاف ہوا جس میں چیشر کا ایک شخص تھراگ مورٹن اور سفیر اسپین شریک تھے اور اس کا مقصد ملکہ الزبیتھ کو قتل کرا دینا تھا۔ اس میں کوئی شبہ نظر نہ آتا تھا کہ میری کی زندگی سے خواہی نخواہی الزبیتھ کو قتل کرنے کی طمع پیدا ہوتی تھی۔ دوسرے الزبیتھ کی زندگی ختم ہو جانے کی صورت میں پراٹسٹنٹ فرقہ میری کی جانشینی کو کسی طرح نہ روک سکتا تھا کیونکہ کوئی دوسرا امیدوار موجود نہ تھا اور نہ خود یہ فرقہ اچھی طرح منظم اور قوی تھا۔ نظر برایں پارلیمنٹ نے دوبارہ اِدھر توجہ کی اور ایک قانون منظور کیا جس کا منشا یہ تھا کہ اگر ملک پر کوئی حملہ ہو، یا بلکہ قتل یا اس کی سازش کی جائے تو اس میں کسی ایسے شخص کی شرکت جو خود بھی سلطنت کا دعویدار ہو اسے ملزم بنانے کے لئے کافی ہوگی اور اس کی تحقیقات ایک شاہی عدالت خاص کے ذریعے انجام پائے گی۔ دوسرے ملکہ کے قتل کئے جانے کی صورت میں امرائے مجلس خاص

اور دوسرے عمائد ایسے مدّعی سلطنت کو قتل کراویں گے۔ قانون کے علاوہ ایک انجمن بھی قائم کی گئی کہ اگر ملکہ قتل کردی جائے تو اُس کے قاتل یا جس شخص کے لئے قتل عمل میں آیا ہو، اسے زندہ نہ چھوڑے۔

زیادہ زمانہ گزرا تھا کہ بہت سی شہادتوں سے میری کا اس قانون کی زد میں آنا ثابت ہوگیا۔ الزبیتھ اپنی خدمات کے متعلق کسی قسم کی مذہبی تفریق نہ کرتی تھی اور بہت سے کیتھولک بھی دربار شاہی سے علاقہ رکھتے تھے۔ انھی میں سے چند نوجوانوں اور اینٹنی بیبنگ ٹن نے ملکہ ملکہ کو قتل کرنے کا منصوبہ سوچا اور ادھر فرانسس وال سنگ ہم نے ایک خاص تدبیر سے میری کی خط کتابت کا احتساب کیا اور چند ہی روز میں اس کے دو خط بیبنگ ٹن کے نام پکڑ لئے جن میں سازش کی تحریص موجود تھی۔ تب اہل سازش کو گرفتار کرکے بذریعہ عدالت سزائے قتل دی گئی اور اکتوبر ۱۵۸۶ء میں ایک خاص جماعت تحقیقات نے، جیسا کہ مذکورہ بالا قانون، میں قرار پایا تھا، میری کی سماعت کی اور اسے سازش میں شرکت کا مجرم پایا۔ چند ہی روز بعد پارلیمنٹ کا اجلاس ہوا اور اس نے بھی درخواست کی کہ عدالت کے فیصلے کے مطابق عمل کیا جائے۔ اس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ پارلیمنٹ کی یہ درخواست قوم کی متفقہ رائے کا آئینہ تھی۔ بایں ہمہ خود الزبیتھ قتل سے حد درجے اِبا کرتی تھی اور غالباً اس کا خیال تھا کہ جیسے ۱۵۶۸ء میں ہوا، اسی طرح اب بھی سازش کا طشت ازبام کردیا جانا، میری کے انفعال کے لئے کافی ہے۔ لیکن وزیروں نے اصرار کیا تو بالآخر اُس نے قتل نامے پر دستخط کردئے۔ ممکن ہے وہ یہ سمجھتی ہو کہ اس کے معتمد قتل کی کارروائی اس طرح کرینگے کہ آئندہ ساری ذمّہ داری انھی پر رہے اور انھیں حسب موقع سزا دی جاسکے۔ لیکن ان دونوں معتمدوں نے مجلس خاص کے جس قدر ارکان قریب موجود تھے، اُن سب کو جمع کیا اور ان دس نے امیرانِ کینٹ و شروزبری کے نام متفقہ دستخطوں سے حکم جاری کیا کہ مجرمہ کو سزائے موت دی جائے۔ چنانچہ ۸ فروری ۱۵۸۷ء کے دن فودرنگے کے قلعے میں اس پر عمل درآمد ہوا اور چونکہ تمام کارروائی ضابطے کے مطابق ہوئی تھی اس لیے کسی وزیر یا معتمد پر کوئی الزام نہ آسکا۔ تاہم وال سنگ ہم کے ساتھ کا معتمد ڈیوی سن نے قتل نامے پر

باب پنجم

ملکہ سے دستخط لئے تھے، طویلے کی بلا اس کے سر گئی وہ عہدے سے برطرف اور اس پر جرمانہ ہوا۔ عام طور پر ملک میں قتل کی خبر سے لوگوں کو اطمینان ہوا بلکہ چراغاں اور گھنٹے بجا بجا کے، جیسے کسی جنگی فتح کی صورت میں ہوتا تھا، خوشیاں منائی گئیں کیونکہ لوگ خیال کرتے تھے کہ اب اگر اسپین کے حملہ آور آئے بھی تو خود ملک میں کوئی کیتھولک گروہ اُن کی حمایت پر کمربستہ نہ ہوگا۔

اسپین سے جنگ

مرتے وقت، میری نے اپنی وراثت کا حق بیٹے کے نام منتقل نہیں کیا جو سخت پراٹسٹنٹ بن گیا تھا۔ بلکہ فلپ کی تیسری بیوی سے ایک لڑکی کے نام اس کی وصیت کی جو جان دگونٹ کی نسل میں تھی۔ فلپ نے بھی یہ ترکہ منظور کر لیا اور فوراً انگلستان پر پورے اہتمام سے حملے کی تیاریاں کیں۔ اعلان جنگ تو نہیں ہوا لیکن اسی وقت سے انگلستان و اسپین ایک دوسرے کے دشمن ہو گئے۔ ڈریک کو فی الفور ساحل اسپین کی طرف روانہ کیا گیا اور وہ صرف چوبیس جہازوں کے ساتھ ایک دن قادص کی بندرگاہ میں گھسا اور باوجود اسباب دفاع کے جو اسپین کے جنگی جہازوں اور قلعوں کی شکل میں اس بارگاہ میں موجود تھے اس نے سو کشتیاں اور سامان حرب کی مقدار کثیر جو انگلستان پر حملے کے لئے فلپ نے جمع کی تھی، تباہ کر دی۔ (اپریل)۔ یہ ایسی دلیری تھی جسے سن کر سارا یورپ دنگ رہ گیا۔ اس نے واپسی میں ٹیگس کے دہانے میں گھس کر اسی قسم کی کارروائی کرنی چاہی تھی کہ وہاں بھی حربی ذخایر جمع تھے، مگر اس میں کامیابی نہ ہوئی۔ تاہم ان کارناموں کی بدولت ایک سال تک حملہ نہ ہو سکا اور اس سے بڑا نقصان فلپ کو یہ ہوا کہ امیر کبیر پارما کی سرداری میں جو تیس ہزار سپاہی انگلستان پر حملے کے لئے ندرلینڈز میں مہیا تھے، وہ سردیاں گزرنے کے بعد جب کہ فی الواقع ہسپانوی بیڑے نے حرکت کی، گھٹ کر سترہ ہزار رہ گئے۔ ڈریک ان کارناموں کو شاہ اسپین کی ڈاڑھی جلانے سے تعبیر کرتا تھا۔

آرماڈا کی روانگی

۱۵۸۸ء کی گرمیوں میں سب تیاریاں مکمل ہو گئیں تو بالآخر اسپین کے جنگی بیڑے نے (جسے آرماڈا کہتے ہیں) امیر کبیر مدنیہ سدونیہ کی قیادت میں اپنی بندرگاہوں سے حرکت کی۔ اسے حکم تھا کہ

رود بار انگلستان میں پہنچ کر پہلے ساحل فرانس کے قریب رہے اور امیر کبیر پارما
کی فوج کو ڈنکرک سے اُتھلی کشتیوں میں جو اسی غرض کے لئے بنوائی گئی تھیں،
لے جا کے ٹیمس کے دہانے میں داخل ہو جائے۔ ادھر انگریز بھی غافل نہیں رہے
تھے۔ شاہی بیڑے کے چونتیس جہاز جو الزبتھ ہی نے بنوائے تھے، اور ۱۶۳
تجارت کے جہاز مسلح کر کے، انھیں دو حصوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ ایک کے سردار
افنگھم کا لارڈ ہاورڈ، سر فرانسس ڈریک، سر جان ہاکنس اور مارٹن فروبشر
تھے اور یہ پلی متھ میں مقیم تھا۔ دوسرے بیڑے کی سرداری ہینری سیمور کے
تفویض ہوئی تھی کہ وہ نیدرلینڈز کی بندرگاہوں کی ناکہ بندی کرے۔ لندن میں
تہتر ہزار آدمی، جن میں سے اکثر کے پاس بندوقیں تھیں جمع کئے گئے اور ان کی
سرداری فرانس وغیرہ ممالک کے جنگ آزمودہ لوگوں کے سپرد ہوئی۔ سالار لشکر
امیر لیسٹر مقرر کیا گیا۔ یہ بھی انتظام تھا کہ اسپین کا زبردست بیڑا آئے تو آتش بازی
کے ذریعے ہر جگہ خبر کر دی جائے اور خبر ہوتے ہی پرگنے کی بے قاعدہ فوج طلب
کر لی جائے اور اسپین والوں کے مقابلے میں مُلک بھر کے قابل جنگ مرد فراہم
کر لئے جائیں۔

رود بار کی بحری لڑائیاں

احکام کے خلاف اسپین کا امیر البحر اپنے بیڑے کو پلی متھ کے قریب
لے آیا اور ۲۰ جولائی کو اس کے سامنے سے گزرا تو انگریزی بیڑا
بھی پیچھے پیچھے روانہ ہوا کیونکہ گو ہسپانوی جہاز وزن میں دگنے
اور توپوں کی چوگنی تعداد سے مسلح تھے اور ان میں سپاہیوں کا
شمار بھی فی جہاز زیادہ تھا، تاہم انگریز سرداروں کو اپنے ملاحوں کی کاردانی پر اعتماد
تھا اور چونکہ ہوا جنوب مغربی چل رہی تھی اس لئے وہ جب چاہتے پیچھے رہ جاتے
اور جب چاہتے تیز بڑھ کر دشمن کے جہازوں تک پہنچ سکتے تھے بحالیکہ اسپین والوں
کے لئے یہ ممکن نہ تھا۔ غرض اس طرح دونوں بیڑے آہستہ آہستہ رود بار میں روانہ
ہوئے اور ہفتہ بھر کے بعد آرماڈا نے کالے کے سامنے لنگر ڈال دیا۔ آتے میں
فریقین کافی شرباری کرتے آئے تھے حتیٰ کہ انگریزوں کا توگولہ باروت ہی ختم
ہو چلا تھا۔ لیکن آدمیوں کا نقصان زیادہ تر اسپین والوں نے اٹھایا کہ ان کے

جہازوں پر سپاہیوں کا جمگھٹ رہتا تھا بخلاف اس کے انگریزوں کی چھوٹی کشتیاں خود اُن کی توپوں کی زد میں نہ آتی تھیں۔

کالے پہنچ کر امیر البحر کو امید تھی کہ پارما فوج سے لئے ڈنکرک پر تیار مل جائے گا۔ لیکن معلوم ہوا کہ وہ ہنوز بروژ میں ہے اور کوئی تیاری نہیں کر سکا۔ ادھر انگریز تلے ہوئے تھے کہ موافق مراد ہوا کا رُخ بدل جانے سے پہلے وہ وہاں تک کر لئے جائیں ورنہ ہوا کا رُخ بدلنے پر ممکن ہے معاملہ دگرگوں ہو جائے۔ لہٰذا انھوں نے آتش باز جہاز جن میں آتش گیر مسالا بھرا ہوا تھا، آرماڈا کے بیچ میں پہنچا دیئے۔ دشمن کے ملاح ان سے گھبرا اٹھے اور لنگر کاٹ کاٹ کے سخت ابتری میں مبتلا ہو گئے۔ صبح ہوتے انگریزی بیڑے نے پھر حملہ کیا اور دن بھر کی لڑائی میں فتح خاصی طرح اسی کے پہلو پر رہی۔ رات ہوئی تو شمالی مشرقی آندھی نے اسپین کے جہازوں کو فلینڈرس کے کنکریلے ساحل پر دھکیل دیا اور یہ سلسلہ جاری رہتا تو ان کے سارے بیڑے کا خاتمہ ہی ہو جاتا۔ بارے ہوا پھر جنوب مغربی چلنے لگی اور وہ کھُلے سمندر میں باہر آ سکے۔ لیکن رودبار کے راستے واپسی ناممکن تھی اور سوائے اس کے چارۂ کار باقی نہ تھا کہ پورے جزیرۂ برطانیہ کا چکر لگا کے وطن جائیں۔ اب آسمان نے ان کے ساتھ دشمنی کی کہ طوفانی ہواؤں نے بعض جہازوں کو ناروے اور بعض کو اسکاٹ لینڈ اور آئرستان کے پہاڑی ساحلوں پر پھینک دیا۔ صرف خلیج سلی گو کی ریتی پر ان کی جو لاشیں ملیں وہ دو ہزار سے کم نہ تھیں۔ اور آخر میں صرف ترپن جہاز تھے جو واپس اسپین جا سکے۔ فلپ نے ان مصائب پر جیسا صبر دکھایا وہ اس سے بہتر آدمی کے لئے بھی قابل ستائش ہوتا۔ اس نے اپنے جہازیوں سے کہا کہ "میں نے تم کو آدمیوں سے لڑنے بھیجا تھا نہ کہ عناصر سے۔" مگر اس کا کہنا غلط تھا۔ کیونکہ ڈنکرک تک عناصر نے برابر اسپین والوں کا ساتھ دیا اور وہاں کی شمال مشرقی آندھی پہلی آسمانی آفت تھی، جو اُن پر آئی۔ ان کی مصائب کا اصلی سبب ایک تو انگریزوں کی اعلیٰ جہازرانی کو سمجھنا چاہیئے اور دوسرے پارما کے وقت پر تیار نہ ملنے کو ورنہ پارما، انگلستان میں جا اترتا تو غالباً لڑائی وہی جیت لیتا۔ اگرچہ سارے ملک کی فتح یا وہاں

باب پنجم

بہت عرصے تک قیام کرنا قرین قیاس نہ تھا۔ اور وہ خود ان مشکلات کا ٹھیک اندازہ رکھتا تھا۔ دوسرے اعتبارات سے بھی آرماڈا کی ہزیمت عہد الزبیتھ میں نئے باب کا آغاز کرتی ہے ۱۵۸۸ء وہ ختم ہونے سے قبل لیٹر آئندہ سال وال سنگ ہم ۱۵۹۰ء میں ملیٹن نے وفات پائی۔ نکولس بیکین ۱۵۷۹ء میں مرچکا تھا۔ اور اس کے معنی یہ ہوئے کہ تخت نشینی کے وقت جو اعیان واکابر سلطنت موجود تھے ان میں سے بجز سن رسیدہ برلے کے اور کوئی باقی نہ رہا اور نئے لوگوں نے پرانوں کی جگہ لی۔ ان میں سب سے مشہور روبرٹ سیسل، والٹر ریلے اور امیر اسیکس ہیں۔ پہلا شخص تو برلے کا بیٹا تھا اور اس نے شروع ہی سے اپنے جانشین فرزند کی تعلیم وتربیت خود کی تھی۔ اسے بہت سے اوصاف باپ سے ورثے میں ملے تھے اور ہر چند اتنا عمدہ سیاس نہ تھا، پھر بھی عام امور سے واقفیت اور باپ کے رموز مملکت سے آگہی نے اسے بہت کارآمد وزیر بنادیا۔

ریلے اور امیر اسکس

والٹر ریلے سیسل سے دس سال پہلے ۱۵۵۳ء بمقام ڈیون شر پیدا ہوا اور بالکل دوسری حیثیت کا آدمی تھا۔ دربار میں رسائی پالینے کے بعد اس کی خوش رُوی اور حاضر جوابی نے ملکہ کو بھی جلد متوجہ کرلیا اور زر وزمین کی صورت میں بہت کچھ انعام اکرام اسے حاصل ہوئے۔ فوج رکاب کا سردار بھی بنایا گیا لیکن مجلس وزرا کی رکنیت یا سیاسی معاملات میں ملکہ کا یہ منظور نظر زیادہ دخل نہ پاسکا۔ دراصل وہ کام کرنے والا آدمی تھا لیکن برابر والوں یا بالا دستوں سے نباہنے کی قابلیت نہ تھی۔ اسے زندگی میں بہت کچھ تجربے حاصل ہوئے۔ فرانس، غرب الہند، اور آئرستان کے معرکوں میں شریک رہا اور ایک خاص ذہانت رکھتا تھا جس نے اپنے زمانے سے بڑھ کر بعد کے زمانے میں اسے بڑی شہرت بخشی۔

امیر اسیکس (روبرٹ ڈیویرو) ۱۵۶۶ء کی پیدائش اور آرماڈا کے حملے کے وقت بیس برس کا تھا۔ ریلے سے اس کی عمر پندرہ سال کم تھی لیکن وہ اسیکس کو ملکہ کی لطف وعنایت میں اپنا نوجوان حریف سمجھتا تھا۔ بخلاف ریلے کے، اسے معاصرین میں بہت کچھ شہرت حاصل ہوئی جس کا وہ حقیقت میں

مستحق نہ تھا اور بظاہر محض دکھاوے کا آدمی تھا۔ اس کی شہرت طلبی پر ایک مرتبہ برلے نے کسی نوجوان کو نصیحت کرتے وقت کہا تھا کہ نہ تو ایسے شہرت طلب بنو جیسے اسیکس اور نہ اس سے ایسی غفلت برتو جیسے ریلے۔

اسپین سے لڑائیاں

آرماڈا کے دس سال بعد تک الزبیتھ اور فلپ میں پوری طرح جنگ ٹھنی رہی۔ ۱۵۸۹ء میں ہینری ثالث ایک خونی کے ہاتھ سے مارا گیا تو ہینری شاہِ نوار اس کا وارث جائز ہوا جس کی امرائے گیز نے اسپین کی مدد سے مخالفت کی۔ الزبیتھ نے پوری قوت سے شاہ نوار کا ساتھ دیا اور تقریباً ۲ ہزار انگریز سپاہی ہینری کی فوج میں لڑائی ختم ہونے تک موجود رہے۔ ان کی قیادت عموماً امیر اسیکس کرتا رہا۔ اس کے علاوہ خود اسپین کے خلاف کئی مہمیں روانہ کی گئیں۔ ۱۵۸۹ء میں سر فرانسس ڈریک اور سر جان نورس جنگی بیڑا لیکر گئے کہ پرتگال کے دعوی دار سلطنت، شہزادہ ڈان ان ٹونیو، کی مدد کریں حالانکہ ۱۵۸۰ء سے اس ملک میں بیوی کے حق سے فلپ حکمران ہو گیا تھا۔ انگریزی فوج نے کورنا پر قبضہ کیا اور پے نیش سے لزبن تک بڑھی لیکن پرتگیزوں نے اس کی کوئی مدد نہ کی اور اسے کچھ کئے بغیر واپس آنا پڑا۔ ۱۵۹۰ء میں ٹامس ہاورڈ اور رچرڈ گرین ویل سات جنگی جہاز لیکر گئے کہ جزائر ازوریز کے سامنے پلیٹ کے بیڑے کو راستے میں جا لیں۔ مگر وہاں اسپین کے پچاس جہازوں نے ان پر حملہ کیا۔ ٹامس چھ جہازوں کو لیکر نکل آیا لیکن رچرڈ گرین ویل کا جہاز "ری وینج" کچھ بیماروں کو لانے کی غرض سے ٹھیر گیا تھا۔ اس پر دشمن کا پورا بیڑا آ پڑا اور سر فروشی سے جد و جہد کرنے کے بعد انگریز سردار نے مجبوراً ہتیار ڈال دیئے ۱۵۹۲ء میں ایک اور مہم مارٹن فروبشر کی سرداری میں بھیجی گئی۔ ۱۵۹۴ء میں ڈریک و ہاکنس غرب الہند روانہ ہوئے لیکن یہ مہم کچھ سازگار ثابت ہوی۔ اسپین والے پہلے سے تیار تھے۔ دونوں انگریزی سردار بیماری سے سمندر میں فوت ہو گئے۔ اسی زمانے میں ایک اور آرماڈا کے قادس میں تیار کئے جانے کی افواہ اڑی اور اسی کو سن کر ۱۵۹۶ء میں ہاورڈ امیرا فنگھم امیر اسیکس اور ریلے نے دوبارہ وہی کام کر دکھایا جو ۱۵۸۷ء میں ڈریک نے کیا تھا کہ

بندرگاہ میں گھس کر اسپین کے جہازوں کو ان کی گودیوں میں توڑ پھوڑ ڈالا اور ایک فوج نے اسیکس کے تحت میں بستی پر حملہ کر کے مورچے وغیرہ منہدم کر دیئے اور بہت سا مال لوٹ لائی۔ اس کارنمایاں پر تمام یورپ میں واہ واہ ہوئی۔

نوآبادیاں

اسپین کی لڑائی سے انگریزوں کو خواہ مخواہ نوآبادیاں بسانے کی تحریک ہوئی۔ ریلے کے سوتیلے بھائی ہمفری گلبرٹ نے جسے انگریزوں کی استعماری سلطنت کا اصلی بانی سمجھنا چاہیئے۔ ۱۵۷۹ء ہی میں ملکہ سے اجازت نامہ حاصل کر لیا تھا کہ غیر آباد قطعات میں بستیاں بسائے۔ چنانچہ ۱۵۸۳ء میں اس نے نیوفاونڈلینڈ میں نوآبادی بسانی چاہی اور آبادکاروں کو وہاں ٹھیرا کر جنوب کی طرف نئی زمینوں کی تلاش میں روانہ ہوا۔ افسوس ہے وطن کے راستے میں اس کی دس ٹن کی چھوٹی سی کشتی جس میں وہ بحر اوقیانوس کو عبور کر رہا تھا، ازوریز کے قریب غرق ہو گئی اور اسی میں وہ اور اس کے سب ساتھی ڈوب گئے۔ اس کی سند ریلے کے پاس منتقل ہو گئی اور اُس نے کسی بہتر مقام کی جستجو میں ایک مہم روانہ کی ۱۵۸۴ء جس نے فلورڈا کے شمال کے ساحل کی دیکھ بھال کی اور آب و ہوا کی ایسی تعریف بیان کی کہ ریلے نے وہیں اپنی نوآبادی بسانے کا فیصلہ کیا اور ملکہ نے بھی اسے ورجنیا کا نام رکھنے کی اجازت کا شرف بخشا ۱۵۸۵ء میں رچرڈ گرین ویل کی سرگروہی میں آبادکاروں کی ایک جماعت لے کر روانہ بھی ہوا لیکن گرین ویل دوسری مرتبہ اَور لوگوں کو لینے آیا تو معلوم ہوا کہ پہلے آبادکار دس مہینے نئی دنیا کی ہوا کھانے کے بعد اپنے گھروں کو لوٹ آئے۔ آبادکاروں کا یہ دوسرا گروہ بھی ہلاک ہو گیا جس کی کوئی وجہ بیان نہیں کی گئی مگر عجب نہیں کہ یہ لوگ سونے کے لالچ میں دور تک اندرون ملک میں جا کے بھٹک گئے ہوں اور یا فصل پہ کافی توجہ نہ کرنے کے باعث بھوکے مر گئے ہوں۔ ۱۵۸۷ء میں جو تازہ جماعت گئی تھی اس کا بھی ایسا ہی حشر ہوا۔

غرض ریلے کی کوشش ناکام رہی اور چالیس ہزار اشرفی اس شوق کی نذر کر کے، اُس نے آخر میں اپنے حقوق سوداگروں کی ایک شرکت کے ہاتھ فروخت کر دیئے۔ الزبتھ کے باقی سنین حکومت میں ورجینیا کی آبادکاری کی اور کوئی صورت

نہ نکلی۔ لیکن اس اثنا میں ریلے کی عرق ریزی کے لئے ایک اور میدان نکل آیا یعنی گی آنا میں سیم و زر کی افراط سن کر اس نے ۱۵۹۵ء میں ایک مہم وہاں کے سواحل کی دیکھ بھال کے واسطے روانہ کی اور اگلے سال خود ادھر آیا اور اوری نیکو دریا کے دہانے سے کشتیوں میں دُور تک اندر چلا گیا۔ دیسی باشندوں نے اس کی خاطر تواضع کی اور ان کے رئیس اور ملکۂ انگلستان کے مابین ریلے نے ایک موہوم سا عہد نامہ بھی مرتب کر لیا۔ وہاں سے وہ یہ یقین لیکر واپس پلٹا کہ علاقہ بہت دولت مند ہے اور آگے بڑھ کر اندرون ملک میں ضرور سونے کی کوئی کان موجود ہے جس تک وہ خود پہنچ نہ سکا تھا۔ مگر آیندہ ایسی مجبوریاں پیش آئیں کہ خود ریلے دوبارہ گی آنا نہ آسکا۔ البتہ اپنے دوست کپتان لارینس کیمس کو دوبارہ اُس نے یہاں روانہ کیا۔

تجارت نوآبادیاں قایم کرنے کی ان کوششوں کے علاوہ الزبیتھ کے آخر زمانے میں انگلستان کی تجارت نے بہت کچھ فروغ حاصل کیا۔ ڈریک، ریلے وغیرہ کا یہ طریقہ کہ بارہا ذاتی خرچ سے ایسے بحری سفروں کا انتظام کرتے رہے، اسی نے انگریزی قوم کو اُس کی سب سے نمایاں قومی عادت یہ سکھائی کہ ایسے کام جو دوسرے ملکوں میں محض حکومت کے بل بوتے پر ہوتے ہیں، وہاں شخصی اولو العزمی سے انجام پانے لگے۔ دُور کے ممالک سے تجارت کرنا اُن دنوں کچھ کم خطرناک و خرچ طلب کام نہ تھا اور اس غرض کے لئے اسی طرح کمپنیاں یا تجارتی شرکتیں بنانی ضروری ہوتی تھیں، جیسے آج کل ریلوں وغیرہ کے لئے بنائی جاتی ہیں۔ ان کو حکومت سے باقاعدہ سند یا منشور اور بعض مراعاتِ خاص عطا ہوتی تھیں۔ چنانچہ ملکہ الزبیتھ نے بھی متعدد سندیں عطا کیں۔

شرکہ شرق الہند ان میں سب سے مشہور شرکہ شرق الہند (ایسٹ انڈیا کمپنی) تھی جو ۱۶۰۰ء میں مرتب ہوئی۔ بہت دن تک ایشیا سے پرتگیز ایسے اخفا کے ساتھ تجارت کرتے رہے کہ اس کی قدر و قیمت کا پتہ صرف اسی وقت چلا جب قاوص سے واپسی میں ڈریک ایک شرق الہند کا پرتگیزی جہاز پکڑ لایا۔ لیکن اس کے بعد سے انگریز اور ہولندیز پرتگیزوں کی اجارہ داری توڑنے کے پیچھے پڑ گئے۔ ۱۶۱۰ء میں انگریزوں کا پہلا جہاز شرق الہند

روانہ ہوا اور ایک تجارتی مرکز یا کوٹھی کالی کٹ میں کھول دی گئی۔ تاجروں کی دوسری جماعتیں بھی قائم ہوئیں جو ترکی و روس سے تجارت کرتی تھیں اور تاجرانہ شوق کو ایسی تحریک پہنچی جو آئندہ برابر جاری رہی۔

فرانس

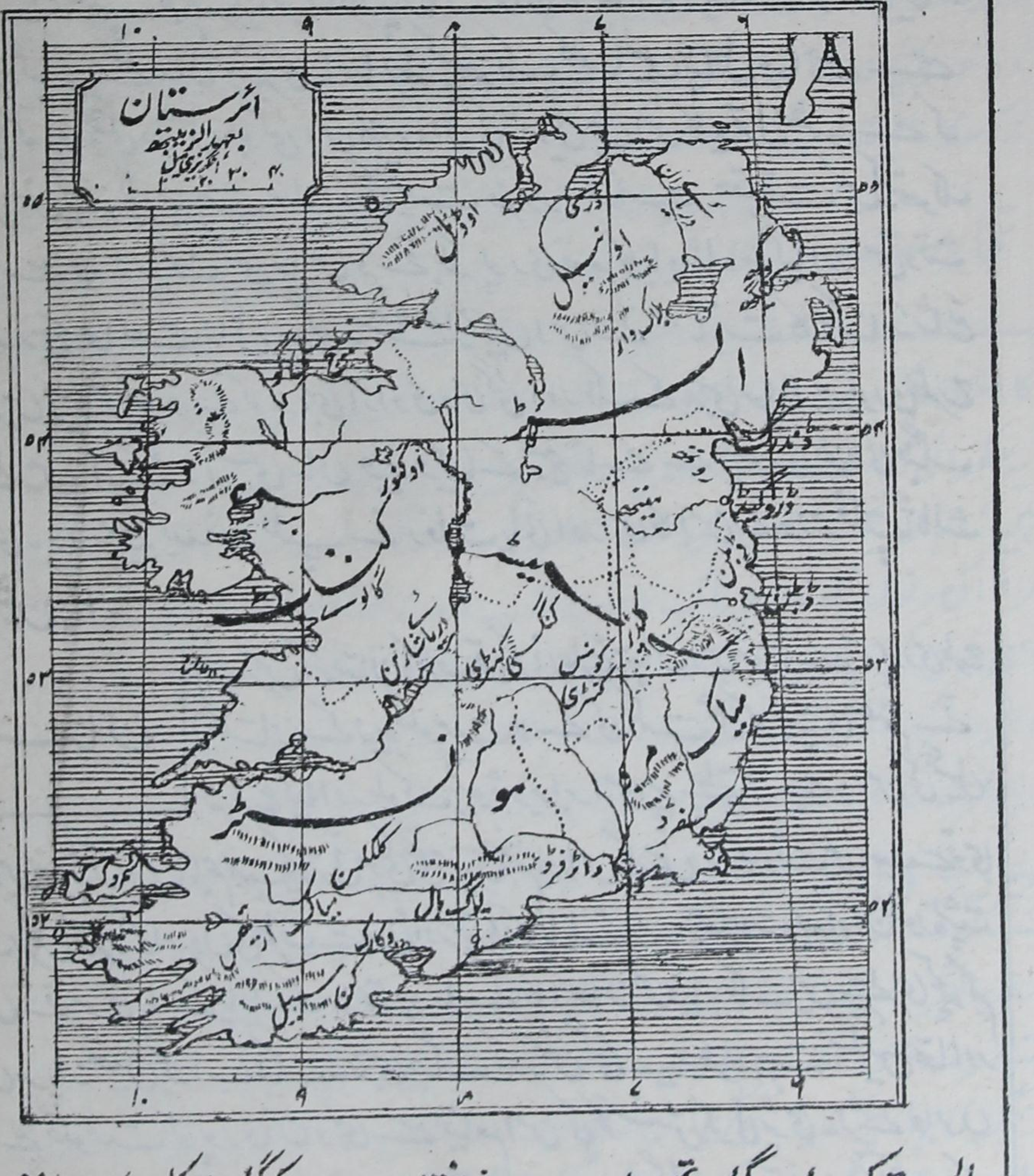
سنہ ۱۵۹۲ء میں اسپین سے جنگ کی چنگاریاں رفتہ رفتہ بجھ گئیں۔ فلپ نے ہنری شاہ نوار کو تخت فرانس تک نہ پہنچنے دینے میں جتنے جتن کئے سب ناکام رہے۔ سنہ ۱۵۹۰ء میں ہنری نے ایوری کے میدان میں اسپین اور اس کے سارے جتھے کی فوجوں کو شکست دی۔ سنہ ۱۵۹۲ء میں فلپ کا بہترین سپہ سالار پارما کہ روآن کا محاصرہ اُٹھانے کی کوشش میں تھا فوت ہو گیا۔ اگلے سال ہنری باضابطہ کیتھولک کلیسا میں شامل ہوا جس سے کامیابی کو اور پختگی حاصل ہو گئی اس کارروائی کی تاویل میں اس کا یہ قول مشہور ہے کہ ملکِ فرانس کیتھولکی جماعت صلوٰۃ کی قیمت ضرور رکھتا ہے۔ حقیقت میں کیتھولک ہونے سے وہ نہ صرف کسی خاص فرقے بلکہ پوری قوم کا بادشاہ ہو گیا اور اسی وقت سے بتدریج مخالفت زائل ہو گئی۔ سنہ ۱۵۹۸ء میں اس نے "نانٹ" کا حکمنامہ شائع کیا جس میں ہیوژنیو فرقے کو مذہبی آزادی دی گئی اور ملک کے مذہبی معاملات پوری طرح ضابطے میں آ گئے۔ اسی سال ویروین کے صلح نامے سے اسپین کی طولانی جنگ ختم ہوئی۔ دو مہینے بعد خود فلپ نے وفات پائی اور اس کا امن پسند فرزند فلپ ثالث تخت نشین ہوا۔

آئرستان

اب ہمیں آئرستان کی طرف توجہ کرنی چاہئے جہاں اس جزیرے کو پوری طرح انگلستان کے زیرِ حکومت لانے کی حکمت عملی کو ہنری ہفتم نے شروع کیا اور ملوکِ ٹیوڈر برابر اسی پر چلتے رہے۔ اس کی تکمیل میں رکاوٹیں ضرور پیش آئیں تاہم بہت کچھ ترقی ہو چکی تھی ہنری ہفتم اور اس کے پیش رو کے وقت میں سب سے قوی مزاحمت سرکش کلڈیر کے امیروں کی طرف سے ہوئی اور ہنری کا پاپائے رومہ سے جھگڑا شروع ہوا تو ان شورہ پشت امیروں نے موقع پا کے پاپا کے ساتھ ہو جانے کا اعلان کر دیا۔ ملک میں پہلے ہی کچھ کم آفتیں برپا نہ تھیں کہ اب ایک مذہبی جنگ اور ٹھن گئی۔ یہ خطرہ بہت سنگین تھا اور اسی لئے حکومت کو پوری تن دہی سے قیام امن کی کوشش کرنی پڑی۔ لڑنے والوں میں جو سرگروہ ہنری کے ہاتھ پڑا، اسے سولی دے دی گئی۔ اور آخر میں کلڈیر کے

خاندانِ جرالڈین کا صرف ایک لڑکا باقی رہ گیا ورنہ سب موت کے گھاٹ چڑھے۔

آئرستان میں اصلاح کلیسا کی تحریک انگلستان سے بالکل مختلف صورت میں تھی پہلے کلیسا کا حال وہاں بہت ہی بے قاعدہ سا تھا اور اٹھارہ اسقفوں کا جو اپنی اپنی جگہ حکومت کرتے تھے، کوئی سرخیل یا صدر نہ تھا۔ پھر ان اسقفوں میں بھی خاص خاص کاموں کی تقسیم نہیں کی گئی تھی بلکہ مختلف، خانقاہوں سے



وابستہ کردئے گئے تھے۔ اور جب یہ خانقاہیں مسدود کی گئیں تو کلیسا کا سارا نظام ہی

درہم برہم ہوگیا۔ ۱۵۳۸ء میں آئرستان کی مجلس نے افضلیت شاہی کا قانون نافذ کیا اور امیروں نے بھی اسے تسلیم کرلیا۔ انگریزی کتاب صلواۃ کے آئری زبان میں ترجمے کے بھی احکام جاری ہوئے گو ان پر غالباً عمل درآمد نہیں ہوا۔ تاہم واقعہ یہ ہے کہ اصلاح کلیسا کا روحانی پہلو اہل آئرستان کی طبائع سے مطلق مناسبت نہ رکھتا تھا۔ لوگ اپنے پرانے عقیدوں پر جمے رہے اور دورہ کرنے والے فقرا کے وعظ و پند اسی طرح سنتے رہے جیسے پہلے ہوتا تھا۔ انھی فقرا کی تلقین سے آئرستان کے کیتھولکی مذہب کی وہ مقبول قوم صورت بنی جو آج تک اسے دوسرے ملکوں سے متمیز کرتی ہے۔ اسی کے ساتھ یہ خیال کرنا ہرگز درست نہ ہوگا کہ آئرستان کے رؤسا کی حکومتِ انگلستان کے خلاف جو روش تھی اس کا اصلی سبب مذہبی محرکات تھے۔ ملکہ میری نے کیتھولک مذہب کو دوبارہ رائج کر دیا تھا باوجود اس کے وہاں کے رئیس میری کی حکومت سے برسرپیکار رہے۔ آج تک "کوئنز کاونٹی"، "میری برو"، "کنگز کاونٹی" اور "فلپس ٹاون" کے ناموں سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس کے زمانے میں انگریزی حکومت کس حد تک ترقی کرسکی تھی۔

آئرستان کا زمینداری طریقہ

آئرستانی رؤسا کی اراضی چھین کر انگریزی اضلاع کے طرز پر ان کی تنظیم کی گئی تو حکومت کو ایک تازہ اور سخت دشواری سے سابقہ پڑ گیا۔ ملکیت اراضی کی تاریخ میں تمدن کے چار مدارج یہ ہیں: قوم کی ملکیت۔ قبیلے کی ملکیت۔ خاندان یا برادری کی ملکیت اور آخر میں انفرادی ملکیت۔ انگریز برطانیہ میں آنے سے قبل انفرادی ملکیت کے درجے تک ترقی کر چکے تھے لیکن قلطی قوم قبیلے اور خاندان کی ملکیت کے بین بین تھی اور اس کی زمینداری کے طریقے سولھویں صدی کے انگریزوں کو بالکل بدویانہ نظر آتے تھے۔ آئرستان کے تمام باشندے چند گروہوں میں منقسم تھے۔ ہر گروہ کسی ایک رئیس یا سردار کی حکومت تسلیم کرتا تھا اور ان رئیسوں کی ذاتی اراضی یا جاگیر کے علاوہ آمدنی کا ایک ذریعہ یہ تھا کہ اس گروہ کے تمام افراد اسے حصۂ رسد نذرانہ ادا کرتے تھے۔ اس کے ماتحت ثانوی درجے کے گروہ سیپٹ (عشیرہ) کہلاتے اور ان سب کے ناموں کا خاندانی جزو مشترک ہوتا اور ان کے چودھری (ٹینسٹ) بھی

اسی طرح ذاتی اراضی کے علاوہ رسوم اور نذرانے وصول کرتے تھے۔ رئیس یا چودھری کی وفات پر اس کی پوری زمین تنہا وارث کے حصے میں آجاتی تھی لیکن عوام کی اراضی سب بچوں میں حتیٰ کہ اولاد ناجائز میں بھی برحصہ مساوی تقسیم ہوا کرتی تھی۔ نتیجہ یہ تھا کہ ان چھوٹی چھوٹی قطعوں کی تقسیم ہوتے ہوتے ذرا ذرا سے کھیت کنبے والوں کے حصّے میں رہ گئے تھے اور ہر شخص اسی چند جریب کی زمین پر وراثت و ملکیت کی شیخیاں ہانکتا تھا۔ لیکن روسا کی جاگیروں کو اہل آئرستان قوم یا گروہ کی مشترکہ ملک سمجھتے تھے اور اسی لئے ان جاگیروں کی ضبطی کو اپنے مال کی قزاقی کے مرادف خیال کرتے تھے۔ اس قسم کے عجیب زمینداری نظام کے باوجود انگریزوں نے اپنے اصول آئرستان میں جاری کرنے کی کوشش کی اور بڑے سرداروں کو "ارل" یا امیر اور نذرانوں کو باقاعدہ لگان یا مالیہ قرار دیا۔ اسی کے ساتھ اگر کوئی امیر غداری کا مرتکب ہو تو انگلستان کی طرح اس کی املاک ضبط کر لی جاتیں اور غالباً چودھریوں کے حقوق کی پروا کئے بغیر انھیں تازہ وارد انگریزوں میں تقسیم کر دیا جاتا تھا۔ جس کا اثر یہ ہوتا کہ ایک بغاوت کے انسداد سے دوسری بغاوت کا مادّہ پیدا ہو جاتا تھا۔

الزبیتھ کے ابتدائی عہد حکومت میں ٹائرون کے امیر شان اونیل نے سرکشی کی۔ آئرستان کے دوسرے سرداروں کی طرح شان بھی دربار انگلستان میں بہت اچھا نقش چھوڑ آیا تھا۔ لیکن وطن پہنچتے ہی اس نے ہنگامہ برپا کر دیا اور جیتے جی کم وبیش خود مختار رہا۔ حتیٰ کہ ۱۵۶۷ء کے ایک بلوے میں کسی نے اسے مار ڈالا۔ اس کے بعد اورمنڈ اور ڈیس مونڈ خاندانوں میں جھگڑا ہوا جس نے حکومت کے خلاف بغاوت کی شکل اختیار کر لی اگرچہ اس کی خطرناک نوعیت اس وقت ہوئی جب کہ ۱۵۷۹ء میں ہسپانوی فوج کی مدد سے منسٹر کے ڈیس مونڈ علانیہ باغی ہو گئے۔ لیکن انگریزوں کو جب غصّہ آیا اور وہ سرکوبی کے لئے چلے تو حسب معمول اہل آئرستان ان کے مقابلے کے لئے کمزور ثابت ہوئے۔ ڈیس مونڈ میدان سے بھاگ نکلے ہسپانوی اور اطالوی سپاہی جنھیں پاپا نے بھجوایا تھا، امان مانگنے پر مجبور ہوئے مگر امان دینے کے بعد انھیں سمروک میں کمال بے دردی سے قتل کر دیا گیا۔

روسائے آئرستان کی بغاوتیں

لیکن سب سے زبردست بغاوت آرماڈا کے حملے کے بعد بپا ہوی ڈیس مونڈول کی شکست کے بعد ان کی ساری اراضی انگریزی آبادکاروں میں بانٹ دی گئی تھیں اور انھی میں کل کول من کاسل، اسپینسر شاعر کے ہاتھ آیا کہ وہ انگریز نائب السلطنت کا معتمد تھا اور اسی کی کتاب: "آئرستان کی موجودہ حالت (View of the present State of Ireland) اس زمانے کی حالت کا بیش بہا ذریعۂ معلومات ہے۔ اسی تقسیم کے سلسلے میں سر والٹر ریلے کو بھی بہت بڑا حصّہ ملا تھا۔ اسپینسر اپنی نئی جاگیر میں خود جا کے رہا اور والٹر ریلے نے بھی پوری کوشش کی کہ انگریز کسان ان اراضی میں آباد ہوں مگر دوسرے انگریز جاگیر پانے والوں نے عموماً ان کو بسانے یا قبضہ لینے میں غفلت کی اور مقامی چودھری جنھیں نئی تنظیم سے بے حد غصہ آیا تھا، بڑی بھاری بغاوت بپا کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ اسپینسر بمشکل جان بچا کے بھاگا۔ باقی منسٹر کے انگریز آبادکار بالکل صاف کر دیئے گئے۔ بغاوت میں اصلی پائیداری اور قوت، شان اونیل کے رشتہ دار ہیو اونیل امیر ٹائی رون کی شرکت و سرگروہی سے پیدا ہوی اور غالباً آئرستان میں اُس سے بہتر سپہ سالار اس وقت تک پیدا نہ ہوا تھا۔ بے قاعدہ لڑائی لڑنے میں وہ جواب نہ رکھتا تھا اور اپنے سپاہیوں کو فراقانہ اصول سکھانے کے ساتھ اتنے قواعد و ضوابط بھی سکھا سکتا تھا کہ ایک باقاعدہ فوج کے مقابلے میں تھم سکے۔ خلاصہ یہ کہ وہ حکومت کا سب سے بے ڈھب دشمن ثابت ہوا اور سر جان نورِس جو بہترین انگریز سرداروں میں تھا، تعقب کرتے کرتے ہار گیا۔ اس کا جانشین سر ہینری بیگ نل دھوکا کھا کے ساتھ کے اکثر سپاہیوں سمیت (بلیک واٹر کے قریب مارا گیا۔ اور ان حالات کو دیکھکر مجلس خاص نے فیصلہ کیا کہ بغاوت فرو کرنے کی خدمت امیر اسیکس کے تفویض کی جائے۔

اسیکس بہت سی لڑائیاں لڑ چکا تھا اور اس سے بڑے بڑے کاموں کی توقع تھی۔ اس اعتبار سے تو وہ بہترین سپہ سالار تھا لیکن دربار میں سیسل اس کا دشمن، ریلے اور کوب ہم اس کے رقیب تھے لہٰذا ان کی دلی خواہش یہ تھی کہ وہ ناکام رہے۔ خواہ اس میں خود حکومت کا نقصان ہی کیوں نہ ہو۔ دربار میں بعض لوگ اسیکس کے موید بھی موجود تھے اور فرانسس بیکن ہی نے اسے ایک خط میں بہت مفید

باب پنجم

صلاح مشورے لکھے تھے۔ مگر آئرستان پہنچ کر اسیکس نے جس منصوبے کا انگلستان میں اعلان کیا تھا، اسے چھوڑ دیا یا اس پر عمل نہ کر سکا اور ٹائی رون پر حملہ کرنے کی بجائے جنوب کے ویران علاقوں کی لڑائیوں میں الجھ گیا جہاں معقول فائدہ حاصل کئے بغیر آدھی فوج ضائع ہوگئی اور بالآخر ٹائی رون کے سامنے پہنچا تو اتنی قوت نہ پائی کہ اس باغی امیر کا کامیابی سے مقابلہ کر سکے۔ تب اُس نے ان شرطوں پر صلح کرلی کہ آئرستان میں کسی بڑے امیر کو نائب السلطنت بنا کے بھیجا جائے اور صرف اہل آئرستان دوسرے عہدوں پر مقرر ہوا کریں۔ لیکن اسیکس بخوبی جانتا ہوگا کہ ایسے معاہدے کو ملکہ الزبیتھ ہرگز قبول نہ کرے گی اسی لئے کبھی تو وہ یہ سوچتا تھا کہ پوری فوج لیکر واپس وطن جائے اور بزور ملکہ سے معاہدے پر دستخط کرائے اور کبھی کچھ اور۔ آخر کچھ روز کے تامل و تذبذب کے بعد سپہ سالاری لارڈ مونٹ جوے کے حوالے کرکے بلا اجازت لندن پہنچا اور سفر کے میلے کچیلے کپڑے اُتارے بغیر سیدھا ملکہ کے ایوان میں گھس کر ملاقات کا طالب ہوا۔ الزبیتھ نے غصّے سے اُسے نکلوا دیا اور ہر چند پنج کے طور پر ملاقات کی نگر مجلس شاہی کو حکم دیا کہ اس کے طرزِ عمل کی تنقیح کرے۔ ارکان مجلس اسیکس کے برے ارادوں سے ناواقف تھے اور انھوں نے اسے اپنے گھر کے اندر رہنے کی جو قید لگائی تھی وہ بھی کچھ روز میں منسوخ کردی۔ تاہم دربار میں آنے کی اجازت نہ ملی

اسیکس کی غداری اور موت

اُس کی ذلّت پر جو خود اُس کی حماقت کا نتیجہ تھی، دشمنوں کو خوشی ہوی اور امیر اسیکس نے اسی غصّے میں اسکاٹ لینڈ کے بادشاہ سے غدارانہ قسم کی خط کتابت شروع کی۔ ساتھ ہی سپاہی اور کیٹس بی جیسے خوفناک بدمعاشوں کو (جنھوں نے بعد میں "باروت والی سازش" میں حصّہ لیا) گرد و پیش جمع کرنا شروع کیا۔ اس کی پُشت پر ساوتھیمپٹن وغیرہ بعض امرا بھی تھے اور ایک مرتبہ روا روی میں یہ بات کہدینے سے کہ مجھے اقتدار ملا تو کسی شخص کو مذہبی عقائد کی بنا پر نہیں ستایا جائے گا" کیتھولک اور اشد غیر مقلدوں کی بھی کسی قدر تائید اسے حاصل ہوگئی تھی۔ اس قسم کی سازش ظاہر ہے کہ حکومت کے لئے نہایت خطرناک ہوسکتی تھی۔ ملکہ اور اس کے وزیروں کو

ایسکس کے منصوبے تفصیل سے تو معلوم نہ تھے مگر اُن کا منشا بخوبی سمجھ میں آتا تھا۔ نظر بر ایں گرفتاری کا حکم دیا گیا۔ ایسکس چالاکی سے اِدھر اُدھر چھپتا پھرا۔ لندن والوں کو اس نے اپنی مدد پر اُبھارنا چاہا تھا مگر کامیابی نہیں ہوی تو اپنے مکان کو مورچہ بند کرکے شاہی فوج کا مقابلہ کیا۔ اس طرزِ عمل کو برداشت کرنا ممکن نہ تھا۔ وہ غداری کے جرم کا آپ سے آپ مجرم قرار پایا اور سنہ ۱۶۰۱ء میں اس کا سر قلم کرا دیا گیا۔ اس کی موت نے سیسل کے اقتدار کو محفوظ و محکم بنا دیا۔

اجارے

الزبتھ کے عہد کا آخری اور پارلیمنٹ سے متعلق واقعہ اجاروں کا قضیہ تھا۔ شروع کے تیس سال میں صرف آٹھ مرتبہ شاہی اخراجات کے لئے زائد محصول طلب کرنے کی ضرورت ہوی تھی لیکن یہ مفید اور قابل تعریف کفایت شعاری اسپین سے جنگ چھڑنے کے بعد نہ چل سکی۔ الزبتھ کو پندرہ مرتبہ روپیہ وصول کرنا پڑا اور شاہی اراضی فروخت کرکے اتنی رقم الگ جمع کی گئی جو دو دفعہ کی وصولیابیوں کے برابر تھی۔ اس پر بھی اسے سخت مالی مشکلات پیش آئیں۔ ابتدائی عہد حکومت میں تو اس نے اپنے باپ اور بہن دونوں کے قرض ادا کئے تھے مگر اب معمولی ضروریات کے لئے قرض فراہم کرنا دشوار ہو گیا۔ اسپین سے جنگ اور فرانس اور ہولنڈیزوں کو حسبِ معاہدہ مدد دینے میں جو غیر معمولی مصارف ہوئے وہ مزید برآں تھے۔ روپیہ وصول کرنے کی غرض سے اس نے اجارہ دینے کے شاہی اختیار سے بارہا کام لیا جس میں سے کچھ رقم سالانہ حکومت کے خزانے میں دی جاتی تھی۔ ان اجاروں نے لوگوں میں بہت بے اطمینانی پھیلائی اور سنہ ۱۶۰۱ء کی پارلیمنٹ میں یہ سوال اُٹھایا گیا تو ملکہ نظر ثانی پر رضامند ہو گئی مجموعی طور پر الزبتھ اور اس کی پارلیمنٹوں کے تعلقات نہایت دوستانہ رہے اور کوئی وقت پیش آئی بھی تو وہ یہ کہ پارلیمنٹ ملکہ سے دو قدم آگے جانا چاہتی تھی بعض موقعوں پر ارکین کا طریق عمل ایسا تھا کہ ملکہ نے انھیں حراست میں لینے کا حکم دیا بایں ہمہ اس وقت بظاہر کسی نے اس کارروائی پر اعتراض نہیں کیا۔

معاشرت کے تغیرات

عہد الزبتھ میں ملک کے لیے اقتصادی حالات میں

نمایاں تغیر ہوا صنعتی انجمنوں کا توڑا جانا بھیڑوں کے گلّوں کی کثرت اور خانقاہوں کے خاتمے سے شہر و دیہات ہر جگہ کی معاشرت پر برا اثر پڑا اور پرانے طور طریق قایم نہ رہ سکے۔ قدیم معاشرت میں ہر شخص کسی مسلّمہ برادری یا حلقے کا (جیسے کہ صنعتی انجمنیں یا زمینداری مقطعے تھے) دائمی شریک ہوتا تھا لیکن اب آجر و اجیر کے تعلقات کی بنیاد محض مزدوری رہ گئی۔ اس تغیر کا ہونا یقیناً ناگزیر تھا مگر اس میں بعض اسقام بھی تھے اول تو ایک مستقل تعلق اور معاش کی بجائے اب ایک عارضی تعلق اور غیر یقینی آمدنی کی صورت ہو گئی۔ دوسرے بے روزگاری کا مسئلہ پیدا ہونے لگا۔ ارباب حکومت نے ان خرابیوں کا سدباب یہ کیا کہ مزدوری کی شرح قانوناً مقرر کر دی۔ یہ قانون ۱۵۶۳ء میں نافذ ہوا اور عام طور سے "ملکہ الزبیتھ کا پنجم، باب چہارم" موسوم ہے۔ اس نے اول تو کاریگری کی تعریف میں یہ لازم قرار دیا کہ جس پیشے میں مزدور کام کرتا ہے، اسی میں سات برس سے کام کر رہا ہو۔ اور دوسرے حکام عدالت کو مجاز کر دیا کہ سہ ماہی اجلاس کے وقت اپنے اپنے حلقے یا ضلعے کی مزدوری کی شرح معین کریں۔ علاوہ ازیں مزدوروں پر قیود عائد کیں کہ گراں تر شرح کی تلاش میں ایک علاقہ چھوڑ کر دوسرے میں نہ جائیں۔

دوسرا بڑا قانون مساکین کے واسطے مرتّب ہوا ایڈورڈ ششم کے زمانے میں پادریوں سے کہا گیا تھا کہ اپنے اپنے حلقے میں لوگوں کو ترغیب دیں کہ فیاضی سے مقامی محتاجوں کی بسر بُرد کا انتظام کریں مگر یہ ہدایت کافی ثابت نہ ہوی اور سرکاری عمّال مقرر کئے گئے کہ ہر حلقے کے باشندوں کی آمدنی وغیرہ کا حال معلوم کریں اور وہ اپنے غربا کی مدد کرنے سے انکار کریں تو منصفوں سے ان کی شکایت کی جائے۔ پھر یہ تدبیر بھی کارگر نہ ہوی تو آخر میں ۱۶۰۱ء کا "قانون مساکین" مرتّب ہوا جس میں جملہ پہلوؤں کو پیش نظر رکھکر حکم دیا گیا کہ ناظران امن ہر کلیسائی حلقے کے امین اور دو سے چار تک مقامی باشندوں کو غربا کی خبر گیری کے لیے نامزد کریں اور انھیں زمینداروں سے باضابط امدادی رقم وصول کرنے کا اختیار دیا جائے اور یہ روپیہ مفلس بچوں اور بے روزگاروں کو کام پر لگانے میں اور ان کی دستگیری

میں خرچ کیا جائے جو کام کرنے سے معذور ہیں اور کوئی قریبی رشتہ دار نہیں رکھتے جو اُن کا خبر گیراں ہو۔ روپیہ کا تیسرا مصرف یہ تھا کہ آوارہ گردوں کی اصلاح کے لئے محتاج خانے تعمیر کئے جائیں اور غریب بچوں کو مختلف پیشوں کی تعلیم دلائی جائے۔ یہی مشہور قانون آیندہ ۱۵۳۴ء کے قانون کی بنیاد تھا۔

عہد الزبیتھ کا خاتمہ

ملکہ الزبیتھ کی زندگی کے آخری دو سال میں کوئی خاص واقعہ پیش نہیں آیا۔ اسپین سے جنگ رسمی طور پر جاری تھی مگر محض لوٹ مار کی صورت میں۔ آئرستان میں مئونٹ جوے نے ٹائی رون کو شکست دے کر ناموری پائی خود ٹائی رون کو معافی مل گئی۔ دربار میں امیروں وزیروں کی کوشش زیادہ تر یہ رہی کہ الزبیتھ کے وارث کے زمانے میں بھی ان کا جاہ واقتدار سلامت رہے۔ اب یہ بات مسلم ہو گئی تھی کہ الزبیتھ کا جانشین جیمس شاہ اسکاٹ لینڈ ہوگا۔ خاندان سفک کے حقوق فراموش ہو چکے تھے اور انگلستان واسکاٹ لینڈ کی بادشاہیوں کے متحد ہو جانے کے فوائد سب پر عیاں تھے۔ ۱۶۰۲ء تک الزبیتھ کی صحت بالکل دُرست رہی مگر آیندہ موسم خزاں سے اس میں سرعت سے تنزل آنے لگا اور مارچ ۱۶۰۳ء میں اس کے طویل وکامیاب عہد حکومت کا خاتمہ ہو گیا۔ کسی بادشاہ کے حسن وقبح بیان کرنے میں دشواری یہ پیش آتی ہے کہ خود اسے اپنے کاموں کا کس حد تک ذمہ دار سمجھا جائے اور وزیروں کو کتنا؟ لیکن الزبیتھ کے معاملے میں یہ کہنا بیجا نہ ہوگا کہ جب کبھی اسے اپنے وزیروں سے اختلاف ہوا، آیندہ واقعات نے بلا استثنا یہی ثابت کیا کہ ملکہ کی رائے صائب تھی۔ اور اس سے بھی بڑھ کر جو بات قابل ذکر ہے وہ یہ کہ یہ ملکہ اپنی سیرت کی کمزوریوں سے بھی ایسا کام لینے کی تدبیریں کرتی رہی کہ ان سے وہ مقاصد حاصل ہوں جنھیں وہ اپنی قوم کے حق میں مفید سمجھتی تھی۔

مشہور سنین

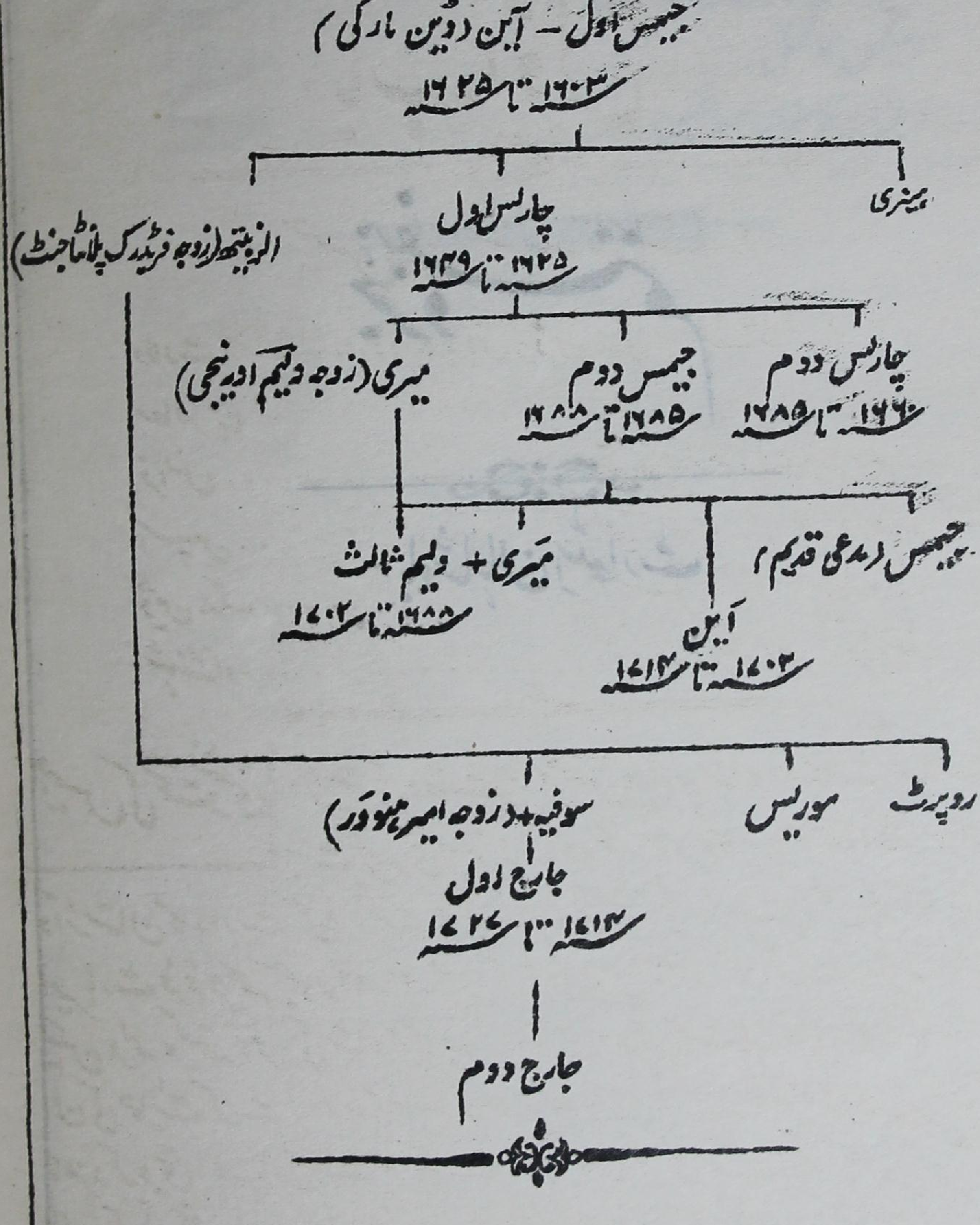
اسکاٹ لینڈ کی میری انگلستان آتی ہے ۱۵۶۸ء

شمالی مفسدے	۱۵۶۹ء
کیمپ پیون جیفریٹ کا قتل	۱۵۸۱ء
ہائی کمیشن کورٹ عدالت نظارت العالیہ کا استقلال	۱۵۸۳ء
میری کا قتل	۱۵۸۷ء
آرماڈا کی ہزیمت	۱۵۸۸ء
ایپر ٹائی رون کی بغاوت	۱۵۹۹ء
ایسکس کا قتل	۱۶۰۱ء
(پہلا) قانونِ مساکین	۱۶۰۱ء

جزو ہفتم

بادشاہان اِسٹوارٹ

شجرۂ خاندان اسٹوارٹ



باب اوّل

جیمس اول ۔ سنہ ۱۶۰۳ تا سنہ ۱۶۲۵ء

ولادت ۔ سنہ ۱۵۶۶ء ۔ ازدواج با این ڈین مارک کی) سنہ ۱۵۸۹ء

معاصرین :-

فرانس .... ہینری چہارم و لوئی سیزدہم ۔

اسپین .... فلپ سوم و چہارم ۔

ڈین مارک .... کرسچین چہارم ۔

شہنشاہ .... رڈولف ۔ متھیاس ۔ و فرڈی نینڈ ۔

جیمس کی تخت نشینی الزبتھ کی وفات پر، جیمس چہارم شاہ اسکاٹ لینڈ جو مارگریٹ بنت ہینری ہفتم (شاہ انگلستان) کا پوتا تھا، ملک انگلستان و آئرستان کا وارث تاج و تخت ہوگیا۔ ہینری ہشتم کی وصیت پر عمل ہوتا تو یہ ورثہ امیر ہارٹ فرڈ ولیم سیمور اور اور جین گرے کی بہن کیتھرائن گرے کو پہنچنا چاہئے تھا لیکن ولیم و کیتھرائن کی شادی کا جائز ہونا ہی معرض بحث میں تھا اور کوئی گروہ ملک میں ان کی حمایت کرنے والا نہ تھا۔ اگر الزبتھ چاہتی تو جیمس کو زندگی ہی میں ولی عہد نامزد کر دیتی اور پارلیمنٹ خوشی سے اسے قبول کر لیتی۔ لیکن الزبتھ اس گفتگو ہی کو ناپسند کرتی تھی البتہ اپنے مرض الموت میں اس نے پہلی دفعہ یہ اشارہ کیا کہ میرا

اسکاٹ لینڈ والا بھائی، وارث تاج و تخت ہو۔

خصائل

انگلستان کی بادشاہی حاصل ہونے کے وقت جیمس کی عمر ۳۷ سال کی تھی مگر اسکاٹ لینڈ میں وہ شیر خوارگی سے بادشاہ تسلیم کر لیا گیا تھا اور شاہی حقوق و مراتب کے متعلق بہت کچھ ہوا سر میں سمائی ہوئی تھی۔ ٹیوڈر خاندان کے بادشاہ لوگوں سے اپنی بڑی عزت کراتے رہے اور مطلق العنانی میں بھی کسی سے کم نہ تھے، تاہم اصولِ حکومت کے بارے میں وہ کبھی حیص بیص نہ کرتے تھے۔ انھیں خود مختار فرماں روا ہونے کا دعویٰ تھا جس کے معنی یہ تھے کہ وہ پاپا، شہنشاہ یا اور کسی خارجی طاقت کے زیر اثر نہیں ہیں۔ لیکن یہ نظریہ انھوں نے کبھی پیش نہیں کیا کہ بادشاہ قانون سے ماورا ہوتا ہے۔ بخلاف اس کے جیمس میں ذاتی ادب کرانے کی خصلتیں مفقود تھیں اور اسی لئے اُس کے بہت سے عمدہ اوصاف کی بھی، جو بلاشبہ اس میں موجود تھے، خاطر خواہ قدر و منزلت نہ ہوئی۔ وہ زندہ دل اور نیک نہاد آدمی تھا۔ پر اثر فیصلہ کُن تقریر کا مادہ رکھتا تھا اپنے ذی علم اُستاد جارج بیوکینن کے طفیل، تاریخ اور مذہبی مناقشوں کی تعلیم اور ممالک خارجہ کی معلومات میں اپنے اکثر امیروں وزیروں سے فضیلت رکھتا تھا۔ لیکن افسوس ہے کہ جتنا علم تھا، اتنی عقل نہ تھی اور علمی فضیلت کے غرور نے بھی اس سے ایسی ایسی غلطیاں کرائیں کہ کمتر علم و فہم کا آدمی غالباً ان کی جسارت نہ کرتا۔ جیمس کے اسی بے سود علم و فضل کی بنا پر شاہ فرانس نے اسے "دنیائے مسیحیت کے سب سے دانشمند احمق" کا خطاب دیا تھا لیکن اتنا اضافہ کر دینا قرین انصاف ہوگا کہ جس ماحول میں اُس نے بسر کی وہ بھی ایسا تھا کہ جیمس کے اوصاف پر پردہ پڑا رہے اور اُس کی خامیاں زیادہ نمایاں ہو جائیں۔

جیمس سے بنیادی غلطی تو یہ ہوئی کہ انگلستان و اسکاٹ لینڈ کی سیاسیات کے، اصولی فرق کا امتیاز نہ کر سکا۔ وہ انگلستان کے اساقفہ کو بھی اسکاٹ لینڈ کی مثل، اتنا با رسوخ سمجھا کہ اُمرا کے مقابلے میں لا کے اُن سے کام لینے کی کوشش کی اس میں دو دو غلطیاں تھیں کہ انگلستان میں اول تو امرا ہی محض اپنی مرتبے کی وجہ سے کوئی خاص اقتدار نہیں رکھتے تھے اور دوسرے پراٹسٹنٹ

فرقے کی تبلیغ نے متوسط طبقے میں اسقفوں کی آرا کو خاصا مشکوک و مشتبہ بنا دیا تھا۔ علاوہ ازیں اسکاٹ لینڈ میں انگلستان کے دار العوام کے برابر آزاد و با اثر کوئی جماعت نہ تھی اور یہ دار العوام ملکہ الزبیتھ ہی کے زمانے سے ہاتھ پاؤں نکالنے لگا تھا حالانکہ یہ ملکہ بہت ہردلعزیز اور اس کی حکمت عملی نہایت عاقلانہ رہی۔ دوسری طرف نئے بادشاہ سے یہ امید کس طرح رکھی جا سکتی تھی کہ وہ بے تکلف قدیم حقوق شاہی سے دست بردار ہو جائے گا۔ اور ان اسباب سے بادشاہ اور پارلیمنٹ میں کشاکش ناگزیر ہو گئی تھی، اسکاٹ لینڈ سے انگلستان آتے وقت ہی جیمس نے ایک جیب کترے کو جو چوری کرتا ہوا پکڑا گیا تھا، مقدمے کی رسم پوری کئے بغیر ہی سولی دلوا دی یہ فعل آئین کے اساسی اصول کے صریحاً خلاف تھا اور اس مثال سے معلوم ہو سکتا ہے کہ وہ کس طرح اپنی نئی مملکت کے قوانین و رسم و رواج سے منصب شاہی کو بالاتر تصور کرتا تھا۔

ممتاز امرا کے پاس ٹھیرتا ہوا، جیمس اطمینان سے مئی میں لندن پہنچا۔ سب سے اہم مسئلہ اُس وقت یہ تھا کہ اسپین سے لڑائی جاری رہے یا صلح کر لی جائے۔ حامیان صلح کا سرگروہ شاہی معتمد روبرٹ سیسل تھا اور مقابل گروہ کا سرخیل سر والٹر ریلے" جواب اکاون سال کی عمر میں عہد الزبیتھ کے من چلوں کا آخری نمونہ رہ گیا تھا۔ ازمنۂ مابعد میں اسے فکر و عمل دونوں اعتبار سے بڑا شخص اور انگریزوں کی استعماری سلطنت کے بانیوں میں شمار کیا گیا لیکن اسپینسر شاعر وغیرہ چند معاصرین کے سوا جو اس کی قابلیتوں کے نہایت معترف تھے، عام اہل وطن کے نزدیک وہ محض مغرور اور سازشی آدمی تھا اور ملکہ الزبیتھ نے فوج رکاب کا سردار مقرر کرنے کے علاوہ مجلس وزرا میں اسے بار نہ دیا۔ جنگ کے حامیوں میں ہونے کی وجہ سے بھی اس کی چنداں پُرسش نہ ہوئی لیکن اب اُسے امید تھی کہ نئے دور میں عہدہ و اقتدار حاصل کر سکے گا۔ اُس کے برخلاف سیسل میں کوئی خاص جودت تو نہ تھی لیکن محنتی، باقاعدہ اور قابل اطمینان شخص تھا۔ وہ عہد الزبیتھ کے آخری ایام کی صلح جوئی کا حامی، اپنے باپ کی شہرت کا وارث اور اغراض ذاتی سے مبرا تھا اور بڑی خوبی یہ تھی کہ اعتدال و مصالحت کی روش رکھتا تھا۔ جیمس نے

باب اول

اسکاٹ لینڈ ہی میں اس کے اوصاف سُن لئے تھے اور چونکہ خود جنگ سے نفرت تھی، اس واسطے وہ رالے کی طرف مطلق مائل نہ ہوا بلکہ اسے عہدے سے برطرف کرکے اسکاٹ لینڈ کے ایک سردار سر ٹامس ارسکن کو مقرر کر دیا اور سیسل بدستور معتمدی کی خدمت پر سرفراز رہا۔ رالے کو بھی غالباً یہ امید واثق تو کبھی نہ ہوئی تھی کہ سیسل کی جگہ مل جائے گی مگر برطرفی نے اسے اور اس کے دوست لارڈ کوب ہم کو سخت آزردہ کیا اور انھوں نے حالت غضب میں سیسل کے جبراً نکال باہر کرنے کی تدبیر سوچی۔ کوب ہم خود جیمس کو بھی معزول کرکے ڈارنلی کی بھتیجی، ارابیلا اسٹوارٹ کو بادشاہ بنا دینے کی فکر میں تھا۔ کہتے ہیں اسپین سے مدد لینے کے بھی واہی تباہی منصوبے سوچے گئے تھے، مگر یہ کچھ قرین قیاس نہیں ہے۔ بہرحال مذکورہ سازش کو اہل تاریخ "مین پلاٹ" کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

سازشیں

انھی دنوں کیتھولک فرقے کے لوگوں میں بھی ناراضی پیدا ہوئی جنھیں شکوہ تھا کہ جیمس نے فوراً ان کی شکایتیں دور نہیں کیں۔ شکایتوں کے بیجا ہونے میں کوئی شک نہیں کیونکہ لاطینی میں نماز خوانی نہ صرف قانوناً ممنوع کر دی گئی بلکہ امام اور مقتدی سب بدترین سزاؤں کے مستوجب بنا دئے گئے تھے۔ مانا کہ عام لوگوں کے معاملے میں اس قانون کی پوری پابندی نہ ہوتی تھی تاہم نہ آنے والوں سے مقررہ جرمانے بڑی سختی سے وصول کئے جاتے تھے۔ جیمس نے اسکاٹ لینڈ میں اس قسم کی باتیں کیں جن سے کیتھولک سمجھے کہ یہ جرمانے معاف کر دئے جائیں گے لیکن آمدنی کی یہ معقول مد مسدود ہونے سے جو مالی دشواری پیش آتی اس سے مجلس شاہی دوچار ہونے پر بالکل تیار نہ تھی اور سب کو بہت جلد معلوم ہو گیا کہ جرمانوں کا سلسلہ بدستور جاری رہے گا۔ اس پر چند سن چلوں میں یہ تجویز ہوئی کہ بادشاہ کو پکڑ کر جبراً رواداری کا عہد لیا جائے۔ ان لوگوں کے نام یہ تھے:۔ ولیم واٹسن پادری، جو اوڈن بروین جیمس سے جا کے ملا تھا۔ جارج بروک، رالے کے دوست لارڈ کوب ہم کا بھائی۔ لارڈ گرے ڈی ولٹن، جو امیر اسیکس اور کیتھولک فرقے کی سازش میں ملوث ہوا تھا۔ ان لوگوں کا منصوبہ "بای" کہلاتا ہے۔ مگر سیسل کو ان دونوں سازشوں کی خبر ہو گئی اور اس نے جملہ اہل سازش کو گرفتار کرکے ایک ہی جگہ مقدمہ دائر کرا دیا گویا دونوں سازشیں

ایک تھیں۔ اور اس حد تک ضرور صحیح ہے کہ بروک کا دونوں سازشوں سے تعلق تھا۔ قیدیوں کے خلاف، خصوصاً رالے کے خلاف، شہادت بھی بالکل ناکافی تھی مگر بغاوت و انقلاب سے ملک نہایت خوف زدہ تھا اور چونکہ غداری کی تعریف میں، بقول سکسپیر، ہر شخص داخل تھا جو اپنے ملک کی نقصان رسانی میں کوشاں ہو، لہٰذا عوام الناس بالکل تیار رکھتے کہ رالے بھی مجرم قرار پائے۔ چنانچہ تمام ملزموں پر جرم ثابت ہوا۔ بروک اور واٹسن کو سولی ملی لیکن رالے، کوب ہم اور گرے کی جان بخشی کر کے قلعۂ لندن میں محبوس کر دیا گیا۔ اس تمام مقدمے میں عوام الناس بالکل سیسل کے ہمنوا رہے اور جب رالے قید خانے کی طرف لے جایا جا رہا تھا تو راستے میں اہل بازار اُسے گالیاں دیتے تھے۔ حقیقت میں اگر بادشاہ کا سبب نہ ہوتا تو وہ اور اس کے ساتھی زندہ نہ بچ سکتے۔

کیتھولک اور پیوریٹن جیمس کی چشم عنایت کی توقع رکھتے تھے۔ کیونکہ اُس کا اُستاد تو آخر الذکر فرقے کا آدمی تھا اور ماں بھی کیتھولک تھی۔ لیکن دونوں کو مایوسی نصیب ہوئی اور جیمس نے کچھ تو مصالح وقت اور کچھ ذاتی میلان سے الزبتھ کا تصفیہ بجنسہ رہنے دیا۔

مذہبی مباحث پیوریٹن فرقے کے لوگوں نے اپنے خیالات بذریعہ تحریر پیش کئے تھے جو "ہزاری محضر" (Millenary Petition) موسوم ہوئی کیونکہ اس پر ایک ہزار پادریوں کے دستخط لئے جانے والے تھے۔ فرقۂ مذکور کے جو مطالبات الزبتھ کے زمانے میں تھے، ان میں بے شبہ کمی کر دی گئی تھی اور مار پری لیٹ رسائل یا کارٹ رائٹ کی تصانیف میں جو کلیسائی نظام کو بالکل درہم برہم کر دینے کی وکالت کی گئی تھی، اس مسئلے کو چھوڑ کر اب صرف عقائد و رسوم میں تبدیلی کی درخواست تھی۔ بایں ہمہ محضر گزار صرف مذہبی رواداری کے حامی نہ تھے بلکہ چاہتے تھے کہ ان کی اکثر مجوزہ اصلاحات جبراً نافذ کر دی جائیں۔ ان اصلاحات میں قابل ذکر یہ تھیں کہ بپتسمے میں صلیب کی اجازت نہ ہو۔ رسم نکاح میں سے شادی کا چھلا پہنانے کی رسم لازمی نہ رہے۔ "پادری" اور "نجات" کی اصطلاحات میں "تصحیح" کی جائے۔ انھیں بہتر سے بہتر واعظین کے مقرر کرنے اور یوم السبت

باب اول

کو زیادہ پابندی سے منانے پر بھی اصرار تھا۔ کلیسا نے اس محضر کی بہانگ دہل تکذیب کی مگر بادشاہ اسے سننے پر آمادہ ہو گیا۔ ۱۶۰۴ء کے موسم بہار میں ہیمپٹن کورٹ میں اساقفہ اور چار چیدہ محضر گزاروں کی ملاقات اور باہمی گفتگو کا انتظام کیا گیا۔ ان میں بھی کلیسا کی طرف سے بین کروفٹ (اسقف لندن) اور محضر گزاروں میں رینلڈس کورپس کرسٹی کالج آکسفرڈ کا صدر نشین اور چے ڈرٹن امانیول کالج کیمبرج کا ایک معلم سب سے پیش پیش تھے۔ رینلڈس کا پہلا ہی مطالبہ یہ تھا کہ ۳۹ ارکان ایمان میں لیمبتھ کے مجوزہ دفعات بھی شامل کر دی جائیں جن میں کالوینی اصول کی جھلک تھی، جیمس نے اسے قبول نہیں کیا مگر دوسری تجویز کہ انجیل کا نیا ترجمہ کیا جائے، مان لی۔ تیسرا مسئلہ یہ پیش ہوا کہ پادریوں کو مناظرے کی اجازت دی جائے جس کے روکنے میں الزبتھ نے بڑی شدت کی تھی دوران گفتگو میں کسی کی زبان سے "پرس بی ٹری" کا لفظ نکلا جیمس سمجھا کہ محضر گزار انگلستان میں بھی اسکاٹ لینڈ کا کلیسائی نظام (پرس بی ٹرین) رائج کرنا چاہتے ہیں لہذا یہ لفظ سنتے ہی بگڑ گیا اور محضر گزاروں کو خوب صلواتیں سنائیں۔ اسے اپنا یہ گر بہت پسند تھا کہ "جہاں اسقف نہیں، وہاں بادشاہ نہیں"۔ اسی خیال کے مطابق اس نے جلسہ برخاست کر دیا اور کہنے لگا کہ اگر ان لوگوں کے سارے طومار کا مطلب یہ ہے تو میں انھیں ملک میں ٹکنے نہ دوں گا یا اور بھی بری طرح پیش آؤں گا"۔ بادشاہ کے اس طرز عمل سے اساقفہ اور پیورٹن کے درمیان گویا لڑائی کی بنیاد پڑ گئی۔ اسی سال بین کروفٹ صدر اسقف کینٹربری مقرر ہوا اور مجلس کلیسا نے چند نئے ضوابط اس کی نگرانی میں مرتب کئے۔ انھیں تین سو سے زیادہ پادریوں نے قبول نہ کیا اور اپنے وظیفوں سے محروم اور گویا مجبور کر دئے گئے کہ پیورٹن فرقے میں جا ملیں۔ غنیمت ہے کہ ان اختلافات سے انجیل کے ال کر ترجمہ کرنے کے کام میں رکاوٹ نہ پیدا ہوئی اور دونوں فرقوں کے ۴۷ علما جو بلا نہ ورعایت منتخب کئے گئے تھے، نظر ثانی وغیرہ میں شریک رہے۔ ان میں اینڈروز (اسقف ونچسٹر) سر ہینری سیویل، ناظر مرٹن کالج آکسفرڈ، اور چے ڈرٹن زیادہ مشہور ہیں۔ ۱۶۱۱ء میں نیا ترجمہ مکمل اور "مسلم الثبوت ترجمے" کے نام سے شائع

کر دیا گیا۔ یہ سابقہ ترجموں کی بہترین عبارت پر مبنی تھا اور اُس عہد کے بہترین علما نے اس کی تصحیح کی تھی، لہذا انشا پردازی اور صحت، دونوں اعتبار سے اُس زمانے کا بہترین بلکہ ایسا علمی کارنامہ تھا کہ غالباً اس سے بہتر انگریزی زبان میں تیار کرنا ہی ممکن نہیں ہے۔

کیتھولک فرقے سے جیمس کو دلی ہمدردی تھی مگر اسے عمل میں لانا آسان نہ ہوا۔ گرجا سے غائب رہنے والوں کو جو جرمانہ ادا کرنا پڑتا تھا، وہ آمدنی کی معقول مد بن گیا تھا اور یوں بھی پارلیمنٹ میں کیتھولک فرقے کی مخالفت اس قانون کو بدلنے کی سازگار نہ تھی۔ لیکن جیمس کو بہت کچھ امید یہ رہی کہ بادشاہی افضلیت کی قسم کے الفاظ ایسے قرار پا جائیں گے جن میں کیتھولکوں کو کوئی مذہبی دشواری نہ رہے اور حکومت بھی ان کی وفاداری کی طرف سے مطمئن ہو جائے۔ اس بارے میں بادشاہ نے کافی دماغ کاوی اور جدت طرازی سے کام لیا، پھر بھی کوئی کامیابی نہ ہوئی اور ادھر بعض اشد کیتھولکوں کی بے اعتدالی نے معاملہ اور زیادہ خراب کر دیا۔

پارلیمنٹ جیمس کی پہلی پارلیمنٹ مارچ ۱۶۰۴ میں منعقد ہوئی۔ انتخاب کے حکمنامے جاری کرتے وقت بادشاہ نے معمول کے خلاف انتخاب کرنے والوں کو صلاح مشورے بھی دئے اور تنبیہ کی کہ "ایسے بیرون از قانون مجرم یا بے عقل اشخاص کو مبعوث نہ بنائیں جو افراط یا تفریط میں مشہور ہوں یا فتنہ انگیز مزاج کے عادی سمجھے جاتے ہوں"۔ یہاں تک تو یہ خلاف آئین مشورہ اصولاً مناسب تھا مگر سب سے زیادہ خلش اعلان شاہی کے آخری فقرات سے پیدا ہوئی جن میں ہدایت کی گئی تھی کہ نتائج انتخابات مالگزاری کی کچہری میں پیش کئے جائیں اور کوئی انتخاب اعلان کے خلاف پایا گیا تو اسے "خلاف قانون اور نادرست سمجھ کر منسوخ کر دیا جائے گا"۔

مبعوثین کے نام محکمہ مالگزاری میں پیش ہوئے تو بکنگھم کا مبعوث سر فرانسس گاڈون مجرم پایا گیا جسے محکمۂ مذکور نے خارج کر کے نئے انتخاب کا حکم دیا اور سر جان فورٹس کیو منتخب ہو گیا باوجود اس کے پارلیمنٹ کا اجلاس ہوا تو گاڈون نے اپنی جگہ کا مطالبہ اور دار العوام نے اسے تسلیم کر لیا۔ بادشاہ سے نزاع کی نوبت پہنچی اور اسی ضمن میں جیمس نے یہ عجیب و غریب دعویٰ کیا کہ "وہ تمام رعایات ہماری منظوری سے حاصل ہو سکتی ہیں"۔ آخر میں دار العوام نے خود یہ قانون منظور کیا کہ قانونی مجرموں کو آئندہ پارلیمنٹ میں نشست کی

باب اول

اجازت نہ ہوگی مگر اپنے حق پر اڑے رہے اور بزور دعوی کیا کہ انتخابات کے متعلق جملہ اختلافات کا فیصلہ صرف پارلیمنٹ کر سکتی ہے۔ آخر جیمس دب گیا۔ دونوں امیدوار ہٹا لئے گئے اور ایک تیسرا آدمی منتخب ہوا مگر ظاہر ہے کہ اس میں دار العوام ہی ورر ہا اور سچ یہ ہے کہ بادشاہ جیت جاتا تو آئندہ وہ جسے چاہتا نامزد کر دیا کرتا اور انتخاب محض کھیل رہ جاتا۔ اس جھگڑے میں دار العوام کی رہنمائی سر فرانسس بیکن کے مشوروں سے ہوئی۔ تھوڑے ہی دن گذرے تھے کہ دار العوام کو ایک اور فتح سر ٹامس شرلے کے معاملے میں ہوئی جسے انتخاب ہونے کے بعد قرض ادا نہ ہوسکنے کے باعث قید کر دیا گیا تھا۔ پارلیمنٹ نے دعوی کیا کہ غداری، خیانت مجرمانہ یا نقض امن کے علاوہ اور کسی وجہ سے کوئی معبوب اجلاس پارلیمنٹ کے زمانے میں قید نہیں کیا جا سکتا۔ ان دونوں کامیابیوں کے باوجود جیمس کی رعایات وامتیازات کے بارے میں مذکورہ بالا رائے سے معوثین بہت پریشان تھے اور انھوں نے میقات ختم ہوتے وقت یہ رائے بھی قلمبند کی کہ ” اس ایوان کے امتیازات اور ضمناً تمام ملک کی آزادی اور استحکام پر یہ ایسی ہمہ گیر و خطرناک ضرب صادر کی گئی ہے کہ ہم سمجھتے ہیں پارلیمنٹ کے آغاز سے اب تک کبھی نہ لگائی گئی ہوگی“۔ انھوں نے یہ بھی لکھا کہ بادشاہوں کے امتیازات برابر زیادہ ہوتے جاتے ہیں لیکن اگر رعایا کے حقوق میں کوئی کمی آئی تو سخت خلفشار کے بغیر اس کی تلافی نہ ہو سکے گی“!

قانون قبل تولد

سیاسی مسائل میں بھی پارلیمنٹ جیمس کی ہمنوا نہ رہی۔ اگرچہ اس باب میں بادشاہ معوثین سے زیادہ دور اندیش پایا جاتا ہے چنانچہ اس نے اصرار کیا کہ انگلستان اور اسکاٹ لینڈ کو متحد کر دیا جائے اور اس غرض سے ایک مجلس نظارت بھی قائم کرا دی جس نے ۱۶۰۶ء میں کیفیت ورائے پیش کی۔ اس زمانے کے لحاظ سے ارکان نظارت کی تجاویز نہایت معقول تھیں کہ ایک دوسرے کی مخالفت میں جو سرحدی قوانین بنائے گئے تھے انھیں منسوخ کر دیا جائے۔ اور ایک ملک کے مجرم دوسرے ملک میں پناہ نہ پا سکیں۔ انگلستان سے اُون، اور اسکاٹ لینڈ سے اِدھر مویشی کی درآمد تو بند کر دی جائے لیکن دوسری اشیا میں تجارت کی کامل آزادی ہو اور انگلستان کے باشندے اسکاٹ لینڈ میں اور وہاں کے باشندے یہاں تجارت کرنے کے مجاز ہوں۔ اسکاٹی باشندوں کے انگلستان

میں شہری حقوق پانے کا مسئلہ ذرا دشوار تھا۔ اس بارے میں مجلس نظارت کی کی رائے یہ تھی کہ الزبتھ کے زمانے میں جو لوگ پیدا ہوئے انھیں خاص "قانون کے کے ذریعے اور جیمس کے عہد کے پیدا ہونے والوں کو از خود انگلستان کا باشندہ تسلیم کر لیا جائے۔ لیکن اس تجویز سے امتیازات شاہی کے مسائل پیدا ہونے کے علاوہ، سوداگروں کو تجارت میں اور ملازمین کو سرکاری خدمات میں اسکوٹی حریفوں کے بازی لے جانے کا اندیشہ ہوا اور چونکہ بادشاہ کے سوا بہت کم لوگ اتحاد کے بے شمار فوائد کا اندازہ رکھتے تھے، لہذا یہ تجویز ناکام رہ گئی۔ مخالفانہ قوانین کی منسوخی کے علاوہ اور پارلیمنٹ نے کچھ نہ کیا۔ البتہ عدالتوں نے عہد جیمس کے پیدا ہونے والوں کو انگلستان کی متوطن رعایا قرار دیا۔ اسی سلسلے میں یہ واقعہ بھی قابل ذکر ہے کہ ایک مبعوث نے اسکاٹ لینڈ والوں کو "غدار، باغی، بھیک منگے" کے الفاظ سے یاد کیا اور پارلیمنٹ کو اسے سزا دینے پر توجہ دلائی گئی تو دار العوام نے اُسے پارلیمنٹ سے خارج کر کے قلعۂ لندن میں بھجوا دیا لیکن اسی کے ساتھ اعلان کیا کہ دار العوام کے مبعوث سے بجز دار العوام کے اور کہیں (عدالت وغیرہ میں) باز پُرس نہیں کی جا سکتی۔

پیورٹین مذہب

مذہبی مسائل میں بھی بادشاہ اور پارلیمنٹ میں اختلاف رہا۔ دار العوام کی اکثریت پیورٹین علما کی بعض تجاویز کو قانون بنانے کی خواہشمند تھی۔ بعض ارکان دین کے ماننے نہ ماننے کا اختیار دینے، وعظ کے لئے خاص خاص شرائط مقرر کرنے، اماموں کے تعداد اور عدم قیام کو روکنے اور جُبّے یا صلیب کے استعمال سے انکار کرنے والوں کو سزا سے مستثنیٰ کر دینے کے قوانین بھی مرتب کئے گئے تھے لیکن دار الامرا نے انھیں نامنظور کر دیا۔ اگرچہ ان مسودوں سے یہ صاف ظاہر ہو گیا کہ جیمس اور بین کرہ وقت کی روش سے عام اہل ملک کو کس قدر اختلاف تھا۔ اسی طرح کیتھولک فرقے سے کسی قسم کی نرمی و رعایت کرنے کی پارلیمنٹ نے پہلے ہی جلسے میں سخت مخالفت کی۔

اسی علانیہ مخالفت کو دیکھ کر کیتھولک فرقے میں سخت انتشار پھیلا اور ان میں زیادہ جوشیلے اشخاص ہر قسم کی انتہائی کارروائی کرنے پر آمادہ ہو گئے۔

باروت والی سازش

اس گروہ کا سرخیل روبرٹ کیٹس بی تھا۔ کہتے ہیں اس میں سرداری کی قدرتی صلاحیت تھی وارک شر کے ایک زمیندار خاندان میں پیدا ہوا۔ مذہبی جوش کی وجہ سے سیاسی معاملات میں دخل دینے لگا اور پہلے بھی اسیکس کی سازش میں شریک ہوا تھا۔ قرضے میں اس کا بال بال بندھا تھا اور اس وجہ سے بھی ہر کام کر گزرنے پر تیار ہوجاتا تھا۔ چنانچہ اس نے یہ منصوبہ سوچا کہ پارلیمنٹ کے افتتاح کے وقت جب کہ بادشاہ اور مجلس عوام، دارالامراء میں موجود ہوں، اس پورے ایوان کو اڑا دیا جائے۔ ایرل نارتھمبرلینڈ کے ایک عزیز ٹامس پرسی کو اس نے شریک کر لیا اور اسی طرح ٹامس ونٹر اور گائی فاکس کو جن میں سے پہلا شخص اسپین سے حملہ کرانے پر مُصر تھا اور دوسرا یارک شر کا باشندہ تھا جو نیدر لینڈز میں اسپین کی طرف سے لڑتا رہا۔ سازش کا نقشہ بہت اچھا تیار ہوگیا اور دارالامرا کے نیچے چند حجرے کرائے سے لیکر اہل سازش نے باروت کا ذخیرہ جمع کر لیا۔ مگر پارلیمنٹ کی افتتاح کی تاریخیں بار بار بدلتی رہیں۔ اہل سازش کا سرمایہ ختم ہوگیا اور انھیں بعض دولت مندوں کو شریک راز بنانا پڑا۔ انھی میں ایک شخص فرانسس ٹریشم تھا جس نے سازش کو کامیاب بنانے میں بہت کچھ حصہ لیا لیکن چونکہ امراء میں اس کے بہت سے دوست اور عزیز موجود تھے، اسی لئے یہ راز فاش ہوگیا۔ راز فاش کرنے والے نے ایک گمنام خط ٹریشم کے برادر نسبتی لارڈ مونٹ ایگل کو بھیجا اور اس کا مطلب یہ تھا کہ نام بھی ظاہر نہ ہو اور خود اہل سازش کو علم ہوجائے کہ راز کھل گیا۔ لیکن وزراء نے ارادہ کر لیا کہ آخر وقت تک خاموش رہیں اور اسی سے سازشی دھوکے میں پڑ گئے۔ ۵ر نومبر کو پارلیمنٹ کا افتتاح ہونے والا تھا اور سازش کا سارا سامان تیار تھا کہ ۴ر نومبر کی شام کو فاکس کے حجروں کی تلاشی لی گئی اور باروت وغیرہ سب تیاریاں ظاہر ہوگئیں۔ اہل سازش کا ایک گروہ ڈن چرچ (وارک شر) میں بھی جمع ہورہا تھا کہ پارلیمنٹ کے اڑتے ہی اہل دیہات کو اشتعال دے اور جیمس کی بڑی بیٹی الزبتھ کو بھی گرفتار کر لے۔ لیکن دوستوں نے فاکس کے پکڑے جانے کی خبر کر دی اور یہ لوگ یہاں سے فرار ہوئے اور ہول بیچ ہاؤس کے مقام پر جان سے ہاتھ دھو کر لڑے۔ اتفاق سے اُن کی

باروت میں آگ لگ گئی اور مدافعت کی ساری امید یں خاک میں مل گئیں۔ کیٹس بی اور پرسی پہلے ہی گراپ میں مارے گئے۔ ونٹر وغیرہ زخمی ہو کر لندن لائے گئے جہاں فاکس کے ساتھ عدالت میں مقدمہ چلا اور سب کو اس زمانے کی بدترین عقوبتوں کے ساتھ موت کی سزا ملی۔ کیتھولک فرقے کے حق میں ان پرجوش مگر گمراہ لوگوں کی ناکامی بھی کامیابی کی نسبت بہتر تھی۔ باوجود اس کے بھی ملک میں کیتھولکوں کے خلاف غیظ و غضب برپا ہو گیا اور عوام نے مٹھی بھر مذہبی دیوانوں اور خود اُس مذہب کی امن پسند اکثریت میں امتیاز کی مطلق پروا نہ کی بلکہ پورے کیتھولک فرقے کے خلاف سخت تدابیر اختیار کرنے کا مطالبہ کیا۔ چنانچہ سابقہ قیود کے علاوہ یہ پابندیاں اور بڑھا دی گئیں کہ کیتھولک فرقے کے لوگ عدالتوں میں حاضر نہ ہو سکیں گے۔ سوائے تجارتی اغراض کے لندن کے باہر سکونت نہ رکھیں گے اور اپنے گھر سے پانچ میل سے زیادہ دُور نہ جا سکیں گے۔ خلاف ورزی کی صورت میں انھیں سزائے قید کا مستوجب قرار دیا گیا تھا۔ وکالت اور مطب کی ممانعت کر دی گئی۔ ان کی سب کتابیں جلوا دی گئیں اور حکم دیا گیا کہ ان کے مکانات کا ہر وقت معائنہ کیا جا سکے گا۔ ان قوانین کی شدت سے اندازہ ہوتا ہے کہ لوگوں میں کیتھولک فرقے کی طرف سے کیسی دہشت پھیل گئی تھی باوجود اس کے یہ انگریزی قوم کی خاص ضبط کی نشان تھی کہ پارلیمنٹ کا اجلاس ٹھیک وقت پر اور ہر کام پوری باقاعدگی کے ساتھ اسی طرح ہوا جیسے کوئی بات خلاف معمول پیش ہی نہیں آئی۔ مذکورۂ بالا قیود پر کتنی سختی سے عملدرآمد ہوتا رہا اور وہ جرمانوں کے علاوہ کس حد تک کیتھولک مذہب والوں کے حق میں سوہانِ روح بن گئیں، اس کا صحیح اندازہ کرنا مشکل ہے۔ نئے قوانین اُس وقت تک کہ کوئی شخص چارہ جوئی کرے عمل میں نہ آسکتے تھے اور ظاہر ہے کہ سیدھے سادے بھلے آدمیوں کو اس کے ہمسائے خواہ مخواہ تنگ نہیں کیا کرتے۔ البتہ یہ سچ ہے کہ باروت والی سازش کے چند سال بعد تک کیتھولکوں سے سخت بدظنی رہی۔ لوگ سمجھتے تھے کہ وہ ہر قسم کے جُرم کا خواہ وہ کتنا ہی سخت یا احمقانہ کیوں نہ ہو، ارتکاب کر سکتے ہیں۔ اور اسی لئے اگر کوئی یہ ارادہ کرتا کہ ان قانونی سختیوں میں کچھ نرمی کرا دی جائے تو

اس کا ملک میں غیر مقبول ہو جانا یقینی تھا۔

مالیات

جیمس کے ابتدائی عہد حکومت سے شاہی مداخل و مخارج کا نمایاں تفاوت فکر و تشویش کا موجب رہا۔ صرفِ خاص کی مالگزاری جاگیری رسوم، عدالتی جرمانے اور نماز میں نہ آنے والوں کے جرمانے شاہی آمدنی کی وہ مدات تھیں جو پارلیمنٹ کی منظوری سے مستثنیٰ تھیں، ان کے علاوہ پارلیمنٹ کی طرف سے چنگی وغیرہ کے محاصل کی ناجیات منظوری سے الزبتھ کو کل ۳ لاکھ پونڈ کے قریب سالانہ آمدنی ہوتی تھی۔ مگر کفایت شعاری اور کوئی پونے چار لاکھ کی اراضی فروخت کرنے کے باوجود اس کے مرتے وقت چار لاکھ کا قرض ہو گیا تھا اور نئے بادشاہ کو اسکاٹ لینڈ سے آنے، ملکہ متوفیہ کی تجہیز تکفین اور تاج پوشی وغیرہ ہی میں ایک لاکھ پونڈ اور خرچ کرنا پڑا۔ اب اگر جیمس حقیقت میں نہایت محتاط حسابی آدمی ہوتا تو بھی آمد خرچ برابر کرنے میں اسے بڑی دردسری اٹھانی پڑتی۔ بخلاف اس کے وہ ابتدا ہی سے اس مغالطے میں رہا کہ ایک مفلس ملک چھوڑ کر خوش حال ملک کی بادشاہی مل رہی ہے لہذا وہ ایک دولتمند بادشاہ ہو گیا ہے۔ اس لئے دریا دلی سے انعام و اکرام دینے شروع کئے خانگی مصارف یا سرکاری محکموں کے روز افزوں اخراجات کو روکنے پر توجہ ہی نہ کی اور دوسرے سال ۷ لاکھ ۳۵ ہزار پونڈ کا قرضدار ہو گیا۔ جس میں سے چالیس ہزار صرف تحفے تحائف میں اٹھے تھے۔ جیسا کہ خود لکھتا ہے "اس فضول و غیر معقول" اسراف نے خزانے میں بہت جلد ابتری پیدا کر دی اور ۱۶۰۸ء میں خود سیسل کو حسابات اپنے ہاتھ میں لینے پڑے۔

مالگزاری بڑھانے کے دو طریقے نئے وزیر خزانہ کے ذہن میں آئے۔ اول تو یہ کہ "ٹنیج" اور "پونڈیج" کے نام سے جو محصول لئے جاتے تھے، ان میں اضافہ کر دیا جائے اور دوسرے یہ کہ جاگیرداری رسوم و سربراہی کو وقتی اور بے قاعدہ کی بجائے مستقل محصول بنا دیا جائے۔ اول الذکر محصول کو بڑھانے کا حق عدالت کے ایک فیصلے سے بھی حاصل ہوا جس کی تفصیل یہ ہے کہ ۱۶۰۶ء میں ایک سوداگر بیٹ نامی سے کشمش پر چار ہزار پونڈ کا محصول طلب کیا گیا جو پہلے لی وانٹ کمپنی ادا کیا کرتی تھی۔ بیٹ نے محصول دینے سے انکار کیا اور دارالعوام سے بھی اسی کی

تائید ہوئی۔ جیمس نے تمباکو کشی کو روکنے کی غرض سے تمباکو پر جو محصول (۶/۲/۳ شلنگ) عائد کر دیا تھا اس پر بھی دار العوام کو اعتراض تھا۔ بایں ہمہ مالگزاری کی کچہری میں یہ مقدمہ پیش ہوا تو ارکانِ عدالت نے میری اور الزبتھ دونوں کے عہد کی نظائر پر فیصلہ کیا کہ بادشاہ کو اموال درآمد و برآمد پر محصول لگانے کا حق حاصل ہے۔ اس فیصلے سے قوت پا کر سیسل نے محاصل کی ایک جدید فہرست شائع کی جس میں بعض محصول گھٹا دئے اور بعض بڑھا دئے گئے اور مجموعی طور پر ستر ہزار پونڈ کی توفیر نکالی تھی دار العوام کی طرف سے شور بھی اٹھا اور ایڈورڈ ثالث کے تصدیقی منشور مجریہ سنہ ۱۳۴۰ء کے حوالے دیے گئے لیکن بیٹ کے فیصلے کی نظیر سنہ ۱۶۴۱ء تک برابر نافذ العمل رہی۔

تعہد کبیر

جاگیرداری رسوم اور سربراہی کا مسئلہ بھی پارلیمنٹ میں زیر بحث تھا۔ خصوصاً سربراہی، یعنی بادشاہ کا مال اسباب کے لئے گاڑیاں پکڑوا بلانا اور بہیر کے لئے سامان رسد طلب کرنا، ایسا حق تھا کہ کم سے کم نارمن فتح کے وقت سے لوگ اس کے شاکی تھے کہنے کو تو ہر چیز کے دام عام نرخ کے مطابق ادا کر دئے جاتے تھے لیکن حقیقت میں قیمت سرے سے وصول ہی بہ مشکل ہوتی تھی اور سرکاری محصل "ہارپیز" (یعنی "ڈائنوں") کے لقب سے یاد کئے جاتے تھے۔ گاڑیاں پکڑنے والے خاص کر سخت موذی تھے اور سربراہی لینے والوں کا کسی کا باغ کاٹ کر ایندھن فراہم کرنا معمولی بات تھی۔ اس زحمت کے عوض میں مقررہ محصول کی امر آنے تائید کی مگر عوام رضامند نہ ہوئے اور اسی طرح جاگیرداری رسوم کے متعلق بھی سیسل کو کامیابی نہ ہو سکی۔ واضح رہے کہ جاگیرداری طریق کے زمانے سے نگرانی کے جو حقوق بادشاہ کو حاصل تھے، وہ اب جب کہ فوجی خدمات کی بھی شرط باقی نہ تھی، نہایت گراں گزرتے تھے اور ہر چند وہ باقاعدہ تین شاہی محاصل جن کی منشور اعظم میں بھی منظوری دی گئی تھی، ہنری ہفتم کے زمانے سے وصول کرنے کی نوبت نہیں آئی تاہم جیمس کا بڑا بیٹا ہنری سن رشد کو پہنچا تو اس وقت یہ نذرانہ وصول کیا گیا اور اس لے یہ سب بھولے ہوئے محاصل یاد دلا دئے۔ دار العوام کے مبعوثین تیار بھی ہو گئے تھے کہ دو لاکھ سالانہ مستقل محصول کے عوض میں اس بے قاعدہ نذرانے سے معافی حاصل کر لی جائے لیکن محض

جزوی امور میں اختلاف پیدا ہو جانے سے یہ تجویز، جسے "تعہد کبیر" کہتے تھے (۱۶۱۱ء تک کے لئے) ملتوی ہوگئی۔

سیاسیات خارجہ

سیاسیات خارجہ میں بھی جیمس کو اپنی رعایا کی ہمنوائی میسر نہ آئی۔ تخت نشینی پر بارن ولٹ ولندیزی اور ہینری چہارم (شاہ فرانس) کا ناموروزیر روزنی (جو بعد میں امیر کبیر سلی بنادیا گیا) انگلستان آئے کہ جیمس کو الزبتھ کی روش پر چلنے کی ترغیب دیں۔ لیکن اس بادشاہ کو اسپین سے لڑائی کا مطلق ولولہ

اسپین

نہ تھا اور اس نے ٹھان رکھی تھی کہ جس قدر جلد ممکن ہو صلح کرلی جائے۔ زیادہ افسوس کی بات یہ ہے کہ وہ ولزلی یا الزبتھ کی طرح صلح کی صورت میں بھی انگلستان کے بالکل آزاد رکھنے کا جویا نہ تھا بلکہ اسپین سے اتحاد کرلینا چاہتا تھا اور یہ حکمت عملی سخت نامقبول تھی کیونکہ بہت سے انگریز تو اسپین سے جنگ کرنا ایک مذہبی فرض سمجھتے تھے اور انگریز جہازرانوں کو اسپین کے قصبات اور زروجواہر کے جہاز لوٹ لینے میں کافی نفع ہوتا تھا لیکن بادشاہ نے کسی کی نہ سنی اور ۱۶۰۴ء میں صلح نامے پر دستخط ہوگئے۔ لندن میں لوگ یہ سن کر پکار اٹھے کہ "ہمارے ہولینڈ اور زی لینڈ کے ہمسایوں کا اب خدا حافظ!" بایں ہمہ مجموعی طور پر دیکھئے تو خود عہد نامہ انگلستان کے حق میں مفید تھا۔ ادھر ولندیزی اتنے قوی تھے کہ بطور خود مقابلے پر جمے رہے حتیٰ کہ ۱۶۰۹ء میں انھوں نے بھی ہنگامی صلح کرلی۔ جب تک سیسل (جو امیر سالسبری بنادیا گیا تھا) زندہ رہا، اس وقت تک انگلستان کی روش خاصی طرح آزادانہ رہی اور فرانس اور پراٹسٹنٹ سلطنتوں کے ساتھ دوستانہ روابط قائم رہے۔

جرمانیہ

اسپین اور ہولینڈ کی جنگ ختم ہوئی تو یورپ کی توجہ جرمانیہ پر منعطف ہوگئی۔ اس ملک میں معاہدہ آوگزبرگ مرتبہ ۱۵۵۵ء کی رو سے ہر ضلع کا مذہب وہ تھا، جو وہاں کے حاکم کا تھا۔ اسی لئے لوتھری، کیتھولکی اور کالونی ریاستوں کا جال سا بنا ہوا تھا۔ جیسوئٹ فرقے کی پادری اور اسپین و آسٹریہ کی سرپرستی سے کیتھولکی مذہب کی قوت بڑھتی جاتی تھی اور اس کی پراٹسٹنٹوں سے لڑائی بھی سر پر تلی نظر آنے لگی تھی۔ ۱۶۰۹ء میں یولیش اور کلیوز کی

ریاستوں کی مسند نشینی میں الجھن پیدا ہوئی اور جنگ چھڑنے میں کچھ دیر نہ رہی تھی کہ ہینری چہارم خونی کے ہاتھ سے مارا گیا اور لڑائی تھوڑی مدت کے لئے ملتوی ہوگئی جیمس مجموعی طور پر پراٹسٹنٹوں کی طرف مائل تھا اس کا بڑا بیٹا ہینری بھی اُن کا پرجوش طرفدار تھا۔ ۱۶۱۲ء میں انگلستان کی شہزادی الزبیتھ کی نسبت بھی جرمن پراٹسٹنٹوں کے سرگروہ فریڈرک امیر ریاست رائن سے قرار پاگئی۔ لیکن شادی نہ ہونے پائی تھی کہ سیسل اور شہزادہ ہینری دونوں فوت ہوگئے۔

سیسل اور شہزادہ ہینری کی وفات

سیسل کثرتِ کار سے تھک کر ۱۶۱۲ء میں فوت ہوا۔ وہ الزبیتھ کے وزیروں میں آخری آدمی تھا اور ہرچند اضافہ محاصل نے آخر زمانے میں اسے مطعون کیا، تاہم اس کی موت کا سب کو صدمہ ہوا۔ اسی سال شہزادہ ہینری نے وفات پائی جس سے اہل دربار کو سخت رنج پہنچا۔ اس کی عمر ابھی انیس سال کی تھی لیکن اپنی سرگرمی اور لطف آمیز باتوں سے وہ محبوب خلائق ہوگیا تھا۔ رالے کی نسبت اس کا یہ قول زبان زد خاص و عام ہوگیا تھا کہ میرا باپ ہی یورپ بھر میں ایسا بادشاہ ہے جو ایسے پرندکو پنجرے میں رکھنا پسند کرتا ہے۔" پیورٹین فرقے سے اس کی دوستی دیکھ کر بازاریوں نے یہ گیت بنایا تھا:-

ہینری ہشتم نے ڈھایا رہبان کے حجروں حجروں کو
ہینری نہم اب دے گا مٹا اسقف کے گھنٹوں ٹنٹول کو

افسوس ہے کہ میعادی بخار کے دوران میں بدپرہیزی کی بدولت اس کی بیماری بڑھ گئی اور ۱۶۱۲ء کے جاڑوں میں وہ ختم ہوگیا۔ ان دونوں کے مرنے کے بعد جیمس اپنی حکمت عملی مرتب کرنے میں بالکل آزاد ہوگیا اور اسپین سے اور بھی زیادہ دوستانہ روابط قائم کرنے میں ساعی ہوا۔ سالہا سال تک وہ اس فکر میں رہا کہ کسی طرح اس کا پس ماندہ بیٹا، چارلس، کسی ہسپانوی شہزادی سے منسوب ہوجائے وہ سمجھتا تھا کہ ایسے رشتے سے اسے یہ موقع مل جائے گا کہ جرمنیہ کے پراٹسٹنٹ روسا اور اسپین میں ثالثی کرے اور دوسرے یہ بھی امید تھی کہ اسپین کی شہزادی اتنا جہیز لائے گی کہ وہ اپنے خرچے بھگت سکے گا۔

باب اول

آیرستان

اس عرصے میں ملک کی سرگرمیوں کے لئے نئے نئے میدان نکل آئے تھے۔ امیر اسیکس کی ناکامی کے بعد آیرستان کا نایب لارڈ ماونٹ جوے مقرر ہوا تھا جو سپاہیوں کے خاندان کا آدمی، اور صاحب فکر و مستقل خراج تھا۔ اس نے اسیکس کی سی غلطی نہیں کی بلکہ اسپنسر شاعر نے اپنی کتاب "آیرستان کی حالت حاضرہ" میں جو تدبیر سمجھائی تھی اس کے مطابق، بلفاسٹ لو سے خلیج سلی گو تک تمام جنگی مواقع پر قلعوں کا ایک سلسلہ تعمیر کر دیا۔ یہ چھوٹی چھوٹی مگر مستحکم گڑھیاں تھیں جن میں معقول فوج اور کچھ مدت تک قلعہ بند رہ کر لڑنے کا انتظام تھا۔ ان قلعوں سے یہ مقصد کہ اہل السٹر لڑنے کے لئے جمع نہ ہو سکیں، پوری طرح حاصل ہو گیا۔ امیر ٹائی رون نے بہت جلد اطاعت قبول کی اور اوڈونل فوت ہو گیا ماونٹ جوے کا جانشین آرتھر چیسٹر بنایا گیا، جو تجربہ کار سردار اور ماونٹ جوے کا بہترین ماتحت تھا۔ آرماڈا کے خلاف اور قادص میں بھی شریک جنگ رہا۔ خصائل پسندیدہ اور وسیع خیالات رکھتا تھا۔ اس کا منشا یہ تھا کہ اہل آئرستان کو حکومت انگریزی، ایسی مضبوط اور بے لاگ طاقت نظر آئے جو ضعیفوں اور غریبوں کی حق رسی، اور امیروں یا ان کے سینہ زور ساتھیوں کی طماعی اور قانون شکنی کا سدباب کر سکتی تھی وہ اس مقصد میں بڑی حد تک کامیاب ہوا۔ اہل آئرستان کو پراٹسٹنٹ بنانے کی کوئی خاص کوشش ابھی تک نہیں کی گئی تھی حالانکہ گرجا والوں نے اس کے عقائد کو برائے نام اختیار کر لیا تھا۔ مگر پراٹسٹنٹ اسقف عموماً اپنے عہدوں کے مطلق اہل نہ تھے۔ کیشل کے صدر اسقف کے قبضے میں تین تین اسقفیاں اور ستتر امانتیں تھیں۔ انجیل اور کتاب صلوٰۃ کا آئرش زبان میں ترجمہ ہی نہ ہوا تھا۔ جو پادری نکال دئے گئے تھے، اگر وہ مذہب کے لئے وقف نہ ہوتے، تو ساری آبادی پھر شرک و بت پرستی میں مبتلا ہو جاتی۔ چیسٹر نے انجیل وغیرہ کے ترجمہ کرانے کی کوشش کی۔ کلیسا کی اصلاح کا بھی کچھ نہ کچھ کام انجام دیا اور کیتھولک فرقے کے ساتھ عملاً رواداری جائز کر دی۔ بد قسمتی سے آئرستان کے امیروں کو یہ حکمت عملی ذرا نہ بھائی کیونکہ وہ انگلستان کے باقاعدہ لگان کے طریقے کی بجائے بے قاعدہ نذرانے وصول کرنے کے پرانے رواج کو ترجیح دیتے تھے۔

باب اول

لیکن جب ٹائی رون کی طرف سے سابقہ طریقے کے مطابق خراج کا مطالبہ ہوا تو اہل قبیلہ نے فوراً حکومت سے فریاد کی ٹائی رون نے اپنے علاقے میں سرکاری عامل کا تقرر بھی منظور نہ کیا اور لڑائی کی تیاریاں کرنے لگا۔ مگر چیسٹر اس سے اتنا زیادہ طاقتور تھا کہ سنہ ۱۶۰۹ میں وہ ملک چھوڑ کر چل دیا۔

اس واقعے سے ملک کے دوامی بندوبست کر دینے کی بہت اچھی شکل نکل آئی اور چیسٹر نے تجویز کی کہ اُمرا کے خدم اور ملازمین کو کافی و وافی اچھی اراضی دینے کے بعد، ضبط کردہ جاگیروں کی باقی زمین چیدہ انگریزوں اور اسکاٹوں میں احتیاط سے تقسیم کر دی جائے جو حکومت کی قابل قدر خدمات انجام دے چکے تھے۔ دونوں ملکوں کی بدقسمتی سے عمل اس تجویز کے بالکل خلاف ہوا۔ یعنی بہترین اراضی تو آبادکاروں کو دی گئیں اور جو ناکارہ بچ رہی تھی وہ قدیم اہل آئرستان کے حصے میں آئی۔ آئرستان کی ہر برادری کا آدمی اپنے آپ کو جاگیروں میں حصہ دار سمجھتا تھا لہذا یہ تقسیم ان لوگوں کو انتہا درجے کی ناانصافی نظر آئی۔ نئے آبادکار بڑے مستعد ثابت ہوئے اور ان کے ہاتھوں میں السٹر جو پہلے سب سے جنگلی علاقہ تھا، آئرستان کا سب سے خوش حال ضلع بن گیا۔ بایں ہمہ اہل ملک کے ساتھ جو بے انصافی کی گئی تھی، وہ کبھی فراموش نہ ہوئی۔

ورجنیا

سر والٹر رالے کی قید کے بعد ورجنیا کو آباد کرنے کا نام سوداگروں کی ایک جماعت اور دوسروں نے شرکت ورجنیا کے نام سے اپنے ذمے لیا اور سنہ ۱۶۰۶ میں آبادکاروں کا ایک گروہ امریکہ بھیجا گیا۔ انھی میں ایک شخص جان اسمتھ تھا کہ اُس اولوالعزمی کے دور میں بھی اپنے عجیب عجیب تجارب کے باعث ممتاز ہوا۔ وہ لنکن شر کے ایک کسان کا بیٹا تھا لیکن کم عمری ہی میں سمندر تک پہنچ گیا تھا۔ اسپین کے خلاف نیدرلینڈز میں اور ترکوں کے مقابل ہنگری میں لڑائیاں لڑا۔ ساتھ کے فرانسیسی ملاحوں نے ایک بار اسے جہاز سے اٹھا کے بحر روم میں پھینک دیا۔ کچھ مدت ترکوں کی قید میں گزری اور دریائے ڈون کے کوسک (قزاق)، قبائل کی غلامی بھی کرنی پڑی۔ آبادکاروں کا جو قافلہ ورجنیا گیا۔ اس کا سردار تو اسمتھ نہ تھا لیکن روح رواں ضرور تھا اور اسے جو کچھ کامیابی ہوئی

باب اول

وہ قریب قریب کلیۃً اسمتھ کے باعث ہوئی۔ یہ لوگ جیسا پیک کے دہانے پر لنگر انداز ہوئے اور شاہی خاندان کے اعزاز میں دہانے کے آگے جو ٹکڑے نکلے ہوئے تھے، انھیں راس ہینری اور راس چارلس اور اپنی آبادی کے مقام کو جیمس ٹاون موسوم کیا۔ ان کو سخت مشکلات کا سامنا کرنا پڑا اور سرگروہوں کی نا اہلی نے اور بھی دقت پیدا کر دی۔ مگر اسمتھ کی قدرتی ہمت زائل نہ ہوئی تھی۔ وہ امریکہ کے اصلی باشندوں کے ہاتھ پڑ گیا تو پہلے تو اصطرلاب کے عجائبات دکھا کے تھوڑے دن بچا رہا اور پھر وحشی رئیس کی بیٹی پوکاہونٹس کی منت سماجت کی بدولت فوری قتل سے محفوظ رہا۔ آخر اسمتھ نو آبادی کا حاکم بنا دیا گیا اور معاملات خاصی طرح درست ہوتے جاتے تھے کہ نظمائے شرکت نے جنھیں اصلاح حال کی خبر نہ تھی، لارڈ ڈلاوار کو صدر بنا کے روانہ کیا۔ اس کے آنے سے قبل اسمتھ اتفاقی چوٹ کھا کے وطن روانہ ہو گیا تھا لیکن اسمتھ کی رہ نمائی سے محروم ہو کر نو آبادی کا شیرازہ بکھر گیا کھانے پینے کا سامان ختم ہو گیا۔ آبادکاروں کی وحشیانہ حرکات نے دیسیوں کو آمادہ بہ جنگ کر دیا اور ۶ مہینے میں صرف ساٹھ آبادکار زندہ رہ گئے۔ یہ سب بھی واپس چلنے کی تیاری کر رہے تھے کہ ڈلاوار ضروری سامان لے کے آ پہنچا اور آبادی از سر نو قائم ہوئی۔ اس تاریخ سے نو آبادی کی خوش حالی میں فرق نہ آیا۔

دوسری نو آبادیاں جن دنوں اسمتھ اور اس کے ساتھی براعظم کے اندرونی علاقے میں کشمکش کر رہے تھے، اسی زمانے میں انگریزوں کی ایک اور جماعت نے باربیڈوس میں قدم جمائے اور اس اعتبار سے کہہ سکتے ہیں کہ انگلستان کی استعماری سلطنت کا اصلی آغاز ۱۶۰۷ء میں ہوا کچھ عرصے تک نو آبادیوں کا نظم و نسق لندن سے کرنے کی کوشش کی گئی لیکن جلد ہی حکومت مقامی کی ضرورت کا احساس ہو گیا اور ۱۶۱۹ء میں ورجنیا کی پہلی پارلیمنٹ یا مجلس ملکی منعقد ہوئی۔ (ملاحظہ ہو نقشہ صفحہ ۷۸۹) اندرونی علاقے میں نئے آبادکار بھی ان لوگوں سے بہت مختلف تھے، جو مدت تک اپنے آپ کو "ورجنیا" کہتے رہے۔

کینٹربری کے کئی صدر اسقفوں کی یکے بعد دیگرے کوشش رہی کہ عقائد و اعمال میں یکسانی پیدا کی جائے افتراق پسند گروہ میں ان کوششوں سے بڑی ناراضی پھیلی

باب اول

اور بہت پہلے، یعنی ۱۶۰۶ء ہی میں آزادی پسند فرقے کی ایک جماعت گینس برو سے
اٹھ کر ہولینڈ چلی گئی۔ ناٹنگھم شر کے مقام اسکروبی والوں نے بھی ۱۶۰۸ء میں
ان کی تقلید کی مگر یہ لوگ اول ہی اول لیڈن میں آکے اُترے تو وہاں کی شہری زندگی
پسند نہ آئی اور انھوں نے شرکت ورجینیا سے ضروری شرطیں طے کر کے مے فلاور
نامی جہاز میں امریکہ کا رخ کیا (سنہ ۱۶۲۰ء) اور بھٹک کر راس کاڈ کے قریب اُتر پڑے
جہاں اپنی بستی کو انھوں نے "نیو پلیمتھ" موسوم کیا۔ خوش قسمتی سے تھوڑے ہی
دن پہلے دیسی باشندوں نے یہاں کے فرنگی آبادکاروں پر سخت ظلم توڑے اور
اسی کے بعد اُن میں چیچک پھیلی تھی، لہذا یہ دیسی باشندے نووارد انگریزوں کے ساتھ بہت
اچھی طرح پیش آئے اور دیسیوں ہی کی مدد سے انگریز یہاں کے پہلے جاڑے کی
سخت تکالیف کو جھیل لے گئے۔

یہ بستی جسے **نیو انگلینڈ** کہتے تھے، شروع سے ورجینیا سے مختلف تھی جنوب
کے آبادکار، شریف لوگ تھے اور امریکہ میں وہی مرنجاں مرنج دیہاتی زندگی پیدا
کرنا چاہتے تھے جس کی وطن میں انھیں عادت تھی۔ انھوں نے ملک کو بڑے بڑے
قطعات میں تقسیم کیا اور مزدوری کے لئے افریقہ سے حبشی غلام بہم پہنچائے وہ سب سے
بڑھ کر تمباکو کی تجارت کرتے تھے اور اس کی ترقی نے بہت جلد نوآبادی کو مستقل طور
پر خوش حال بنا دیا۔ بخلاف ان کے، شمالی آبادکار معمولی طبقے کے، کسان، دکاندار،
اہل حرفہ وغیرہ تھے جنھیں اپنے ہاتھ سے کام کرنے کی عادت تھی۔ انھوں نے
چھوٹے چھوٹے کھیت بانٹ لئے تھے۔ ان کے مکان بھی گرجا کے گرد کھچ کھچ بنے
ہوئے تھے اور وہ سیدھی سادی سپاہیانہ معاشرت پر قانع تھے بلکہ مذہبی عقائد کے
باعث تہذیب وشائستگی کو کسی قدر نفرت سے دیکھتے تھے۔ غلام فراہم کرنے میں
اس وقت تک کوئی اخلاقی تردد تو نہ تھا مگر انھیں غلاموں کی ضرورت ہی نہ تھی۔ ابتدا
سے شمال وجنوب کے ان آبادکاروں میں گہری عداوت کا تخم پڑ گیا تھا باہم
ان دونوں کے درمیان بہت سا غیر مقبوضہ علاقہ پڑا تھا اور دریائے ہڈسن پر
نیو ایمسٹرڈیم کے نام سے ولندیزوں کی ایک نوآبادی بھی حائل تھی

تجارت ملکہ الزبتھ کے عہد میں ہندوستان، افریقہ اور بحر متوسط

باب اول

کی بندرگاہوں سے جو تجارت شروع ہوئی، وہ اس کے جانشین کے زمانے میں سرعت سے ترقی کرتی رہی۔ اُن دنوں انفرادی طور پر بہت کم لوگ اتنی استطاعت رکھتے تھے کہ پورا جہاز مہیا کرسکیں اور بحری قزاقوں یا دشمن کے جنگی جہازوں سے جن کے مل جانے کا احتمال رہتا تھا، اس کی حفاظت کے لئے ضروری اسلحہ وغیرہ بھی خود بہم پہنچا سکیں۔ اسی لئے مشترکہ سرمایے سے تجارتی شرکتیں قائم ہوئیں جو تجارت کے الگ الگ شعبوں میں کام کرتی تھیں۔ ان میں سب سے مشہور یہ ہیں:۔ شرکۂ شرق الہند (ایسٹ انڈیا کمپنی) شرکہ سمرنا، شرکہ ترکی۔ شرکہ لیوانٹ (سواحل ترکی) شرکہ مسکووی (روس کے لئے) شرکہ ہولینڈ فلینڈرس و جرمانیہ۔ ان شرکتوں کے حقوق کو لوگ اجارہ سمجھ کر رشک کرتے تھے اور اس بات سے بھی خوش نہ تھے کہ ملک کی ساری تجارت شہر لندن میں سمٹ آئی ہے۔ مثال کے طور پر ۱۶۰۴ء میں لندن کی بندرگاہ کی کروڑگری ایک لاکھ دس ہزار پونڈ اور باقی سارے ملک کی کل ستر ہزار پونڈ تھی۔ تجارت کی اس ترقی سے لندن کا وسیع ہونا دیکھ کر اہلِ دربار بھی متردد تھے لیکن پارلیمنٹ کو اس ترقی سے تقویت پہنچتی تھی کیونکہ تاجر عموماً حکومت کے نقاد ہوتے تھے۔ دوسرے ارکان دارالعوام تو اپنے حلقوں کے فائدے کی خاطر لندن کے تاجروں کی اجارہ داری منسوخ کرنے پر آمادہ بھی تھے مگر دارالامرا کی مخالفت نے انھیں اس پر عملدرآمد نہ کرنے دیا۔

شاہی مقرب

تمام عمر جیمس کو ارباب تدبر کی بجائے نیم خواندہ ہنسنے ہنسانے والے مصاحبوں کی صحبت زیادہ پسند رہی۔ سیسل کے مرنے سے یہ لوگ بادشاہ کے مزاج میں کامل درخور پاگئے اور کوئی ان کی روک تھام یا بات کے دوسرے پہلو پیش کرنے والا ہی باقی نہ رہا۔ ۱۶۱۲ء میں ایک شیکیل اسکاٹ، مرد برٹ کار نامی، سب سے منہ چڑھا مصاحب تھا۔ درباری نیزہ بازی کے مقابلے میں ایک دفعہ اس کی ٹانگ ٹوٹ گئی جس نے بادشاہ کو اس کی جانب ملتفت کیا اور پھر سیاسیات سے بے بہرہ ہونے کے باوجود وہ بادشاہ کا محرمِ راز اور امیر روچسٹر بنا دیا گیا۔ جب لوگوں کو علم ہوا کہ جیمس، کار کی سفارش کے بغیر کوئی کام نہیں کرتا تو پھر اس خوش نصیب مصاحب پر تحائف کی بارش ہونے لگی۔ کچھ مدت بعد کار، الزبیتھ

کے مصاحب امیر اسیکس کی کمسن بیوی پر عاشق ہوگیا۔ اسیکس بہت اچھے چال چلن
کا ذرا سخت مزاج آدمی تھا۔ اس کی بیوی نے کار سے شادی رچانے کے شوق میں
شوہر پر ایک نہایت شرمناک الزام لگاکر خُلع کی درخواست کی جیمس نے بے وقوفی
سے اپنے مصاحب کی اعانت کی اور انھی اثرات سے بیگم اسیکس کی درخواست
منظور کر لی گئی۔ خُلع کے بعد اس نے کار سے شادی کی جو اسی زمانے میں امیر سمرسٹ
بھی بنا دیا گیا۔ ملکی معاملات میں دخل دینے کا تو کار بہت کم مادہ رکھتا تھا لیکن
کفایت شعاری کے حق میں اس کا رسوخ سخت مُضر ثابت ہوا اور سیسل (یا امیر سالسبری)
کی وفات سے ایک سال کے اندر اندر جیمس کی مالی حالت پہلے سے بڑھ کر پیچیدہ ہوگئی

پارلیمنٹ

آخر کار دوسری پارلیمنٹ کے انعقاد کا چرچا ہونے لگا۔ پارلیمنٹ
کے فرائض و وظائف کے بارے میں بھی اس زمانے میں اختلاف
تھا۔ بعض لوگ تو اسے محض روپے کی منظوری دینے والی ایسی جماعت سمجھتے تھے جسے
شدید ضرورت کے سوا اور کسی وقت طلب کرنا مناسب نہ تھا۔ بخلاف اس کے
بیکن وغیرہ بعض اشخاص کی رائے تھی کہ پارلیمنٹ حکومت کا ضروری جُز ہے اور
اسی کے ذریعے بادشاہ اپنی رعایا کی ضروریات سے مستند طریق پر آگاہی حاصل کرسکتا
اور پھر سب سے اعلیٰ انتظامی عہدہ دار کے فرائض کامیابی سے انجام دے سکتا ہے
باقی یہ خیال ہوگیا بھی تو معدودے چند ہی کا ہوگا کہ پارلیمنٹ خود حکمت عملی کی طرح
ڈال سکتی ہے۔ وزرا کے انتخاب میں کسی خاص دخل پانے کا تو ذکر ہی کیا ہے جو
صرف لینکیسٹری بادشاہوں کے عہد میں مبہم طور پر قوم کے ذہن میں آنے لگا تھا۔
بہر حال، چونکہ بادشاہ کی ضرورتیں تاخیر کی گنجائش نہ رکھتی تھیں اور بعض خیر خواہوں
نے ذمہ لیا کہ وہ حسب دلخواہ مبعوثین کا انتخاب کرادیں گے، لہذا جیمس نے نئے
انتخاب کے حکم نامے جاری کر دئے۔ مگر ۱۶۱۴ء میں پارلیمنٹ مجتمع ہوئی تو معلوم ہوا
کہ ذمہ لینے والوں سے اُلٹا نقصان پہنچا۔ عوام کے تین سو نئے مبعوثین منتخب ہوئے
لیکن پارلیمنٹ کے حقوق و امتیازات کی حمایت میں وہ بھی ایسے ہی سرگرم و مضبوط
تھے جیسے اُن کے پیش رو۔ اصلی بحث محاصل کے متعلق پیش آئی اور عوام اس پر
جم گئے کہ رقوم کی منظوری، شکایات کو رفع کرنے کی ملزوم ہونی چاہئے۔ ان کے اصرار

باب اول

سے جیمس جھلا گیا۔ اُن کی صاف گوئی سے درباری گھبرا گئے۔ حامیان اسپین کو خوف ہوا کہ بادشاہ اور دار العوام کی مصالحت ہوگئی تو لا محالہ پراٹسٹنٹ گروہ کو قوت پہنچ جائے گی۔ آخر جیمس کا پیمانہ صبر چھلک پڑا اور قبل اس کے کہ کوئی قانون منظور ہو سکے اُس نے پارلیمنٹ کو برخاست کر دیا۔ استہزا کرنے والوں نے اس پارلیمنٹ کا نام "گندی پارلیمنٹ" رکھا۔

وِلی ارز۔ اسی سال جیمس کی چشم عنایت ایک انگریز جارج وِلی ارز کی طرف پھر گئی جو ایک خوش مزاج لبست و دو سالہ نوجوان تھا۔ اُس کی ماں نے شاہی مجلس میں امتیاز حاصل کرنے کی غرض سے اُسے آداب ظاہری میں طاق کر دیا تھا لیکن دل و دماغ کی تربیت کو ضروری نہ جان کر بے پروائی برتی تھی۔ وِلی ارز کی پشتی ان لوگوں نے بھی لی جو سمرسٹ اور اسکاٹ درباریوں سے بیزار تھے اور بہت جلد اسے سمرسٹ کا حریف بنا دیا۔ بیکن بھی وِلی ارز کو اچھا سمجھتا تھا اور اسے امید تھی کہ وِلی ارز حکومتِ عاملہ کو ایسا مستعد بنا سکے گا جیسی کہ بیکن کو آرزو تھی۔ غرض تھوڑی ہی مدت میں نئے مصاحب کے بہت سے ہوا خواہ پیدا ہو گئے۔ لیکن سمرسٹ کے ساتھ اس کا مقابلہ شدید ہونے نہ پایا تھا کہ بالکل غیر متوقع سمت سے اس کے کاری ضرب لگی۔ بیگم اسیکس نے خُلع کے وقت سر ٹامس اُوور بری سے سمرسٹ کی دوستی تھی۔ یہ وہی شخص ہے جس نے مختلف قسم کے افراد کا ظریفانہ انداز میں خاکہ کھینچا ہے اور اس کی کتاب اب تک مشہور ہے۔ اس نے سمرسٹ (= روبرٹ کار) کو بیگم اسیکس کے نام (عاشقانہ) خط لکھنے میں مدد دی تھی اور غالباً اتنے راز جانتا تھا کہ بیگم اُس کے قابو میں تھی۔ وہ خُلع کے بھی خلاف تھا۔ بہر حال، بیگم اس کی سخت دشمن ہو گئی اور ادھر جیمس یہ سنکر بہت بگڑا کہ لوگوں میں یہ قول مشہور ہے کہ روچسٹر بادشاہ پر حکومت کرتا ہے اور روچسٹر پر اُوور بری مسلط ہے" اُس نے اُوور بری کو انگلستان کے باہر خدمت پر بھیجنا چاہا اور جب اُوور بری نے انکار کیا تو شاہی زندان میں قید کر دیا۔ وہیں بیگم کے فرستادوں نے زہر دے کے اس کا خاتمہ کیا۔ دو سال تک اس واقعے کی کسی کو خبر نہ ہوئی لیکن آخر راز کھل گیا۔ سمرسٹ، بیگم اور اس کے کارندے عدالت میں پیش اور مجرم ثابت ہوئے۔ اس سلسلے میں جو شرمناک

واقعات منظر عام پر آئے اُن سے اہل دربار کی نیک نامی پر سخت حرف آیا اور
پیورٹین گروہ بہت کچھ اسی وجہ سے بادشاہ سے بیگانہ ہوگیا۔

گندی پارلیمنٹ کو برخاست کر کے جیمس نے حکومت کو اپنے خیالات کے مطابق مرتب
کیا۔ شروع ہی میں ایڈورڈ کوک عدالت عالیہ کی صدارت سے الگ کیا گیا۔
قانون عامہ کی جزئیات میں اس شخص کا مثل نہ تھا مگر نہ وہ کوئی مدبّر تھا نہ اور
کسی مضمون پر وسیع نظر رکھتا تھا۔ البتہ قانون کا وہ دل سے پرستار تھا اور
اسی لئے لوگ بہت غنیمت سمجھتے تھے کہ جیمس کے حقوق شاہی کے مفرطانہ دعاوی
کی تھوڑی بہت وہی روک تھام کر سکے گا۔ محاصل کے متعلق اس کی آرا بادشاہ
کی منشاء کے خلاف ثابت ہو چکی تھیں۔ ۱۶۱۵ء میں یہ ثابت کرنے کے واسطے کہ رسمی طور پر
نہیں بلکہ حقیقت میں ارکان عدالت محض بادشاہ کی مرضی سے مقرر ہوتے ہیں
اسے برطرف کر دیا گیا۔ مشہور مصنف فرانسس بیکن تمام عمر کوک کا حریف رہا اور
مزاج کے اعتبار سے بھی بالکل اس کی ضد تھا۔ اگر کوک فنی مصطلحات کا سخت پابند
تھا تو بیکن کو ایسی اصطلاحی یا رسمی چیزوں کی مطلق پروا نہ تھی۔ کوک لفظ پر ایمان
رکھتا تھا تو بیکن معنی اور منشا کا جویا تھا۔ عام معاملات میں بھی کوک محض بے خبر
آدمی اور بیکن اپنے زمانے کا بہترین مدبّر تھا۔ شاہی اقتدار کی نسبت کچہری
کے اکثر وکیلوں کی مثل جنھیں رومی قانون کے گُر ازبر کرائے جاتے تھے، بیکن بھی بہت کچھ
خوش اعتقاد تھا اور اس کے خیال میں بادشاہ کے عمال، دارالعوام کے ناواقف
ارکان کی نسبت بہتر سمجھ سکتے تھے کہ کیا کرنا چاہیئے۔ باایں ہمہ جیمس کو اپنی رائے پر
اتنا اعتماد تھا کہ اس نے بیکن کے صلاح مشورے کی چنداں پروا نہ کی اور خود بیکن
درباری تہذیب کا اس قدر پابند تھا کہ بادشاہ کی بے توجہی کے باوجود اپنی رائے پر
اصرار کرنا مناسب نہ جانتا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس کے مشوروں پر تو جیمس نے کان نہ دھرا
اور ولی ارز جیسے جاہل نوجوانوں یا ابن الوقت خوشامدیوں کی صلاح پر عمل کرتا رہا حالانکہ
یہ لوگ بیکن کی عشر عشیر قابلیت بھی نہ رکھتے تھے۔ کوک اور بیکن کے اختلافات کے پرانے
قضیئے سے اور بھی بڑھ گئے تھے۔ اور وہ یہ تھا کہ عدالت شاہی اور مالگزاری کی عدالت
دونوں کے حکام یہ چاہتے کہ زیادہ مقدمے ان کے پاس رجوع ہوں اور دوسری عدالت

ہمارے معاملات میں کوئی دخل نہ دے مثال کے طور پر عام عدالتیں اوصیا کو مجبور نہ کرتی تھیں کہ وصیت کے مطابق عمل کریں۔ اور عدالت ناگزارا سے لازم سمجھتی تھی غرض ان عدالتوں میں سخت مناقشہ رہتا تھا۔ کوک کی معزولی کو بیکن ہی کی فتح سمجھا گیا اور ۱۶۱۸ء میں بیکن امیر عدلیہ لارڈ چانسلر مقرر ہوا تو یہ کامیابی مکمل ہو گئی لیکن اس عہدے سے بیکن کے سیاسی رسوخ میں کوئی ترقی نہیں ہوئی۔ بادشاہ اس سے شاذو نادر مشورہ کرتا تھا البتہ یہ ضرور توقع رکھتا تھا کہ عدالت کے اس اعلیٰ عہدے سے بیکن شاہی اقتدار و امتیاز کو تقویت پہنچانے میں کوتاہی نہ کرے گا۔

رالے عہد الزبتھ کے ناموروں میں سے آخری شخص سروالٹر رالے قلعۂ لندن میں محبوس تھا۔ وہ دنیا کی تاریخ لکھ کر یا کیمیائی تجربوں میں وقت گزارتا رہا۔ بارے ۱۶۱۶ء میں اسے رہائی ملی کہ گی آنا کو مہم لے کر جائے جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے رالے ۱۵۹۵ء میں گی آنا گیا اور وہاں کے دیسیوں کو اپنی عنایتوں سے ایسا خوش کیا کہ انھوں نے اورِی نوکو کے کنارے ایک پہاڑ کا پتہ دیا جس میں کہا جاتا تھا کہ سونے کی قیمتی کانیں موجود ہیں۔ بعد میں فادص وغیرہ کی مہمات کی مصروفیت کے باعث وہ گی آنا نہ جا سکا مگر اب بادشاہ کی سخت زیر باری دیکھ کر اسے خیال آیا کہ سونا لانے کی امید دلا کر قید سے نجات حاصل کرے۔ یہ تدبیر چل گئی لیکن جیمس سونے کے لالچ کے باوجود اسپین سے جنگ مول لینے سے بہت ڈرتا تھا اور اس لئے رالے سے تاکید کر دی کہ اسپین والوں سے ہرگز جھگڑا نہ کیا جائے۔ رالے کو بھی توقع تھی کہ اس کی نوبت نہ آئے گی کیونکہ پہلے سفر کے زمانے تک اسپین کی کوئی آبادی ساحل اور سونے کے پہاڑ کے درمیان نہ تھی۔ غرض مہم روانہ ہوئی لیکن امریکہ پہنچ کر پہلے ہی خرابی تو یہ پیدا ہوئی کہ ملاحوں نے دریا میں آگے جانے سے انکار کیا بجز اس کے کہ خود رالے ان کی واپسی تک ساحل ہی پر ٹھیرا رہے۔ آخر سروالٹر رالے کے پرانے رفیق کپتان کیمیس کی سرکردگی میں سراغ لگانے والے روانہ کئے گئے۔ رالے کا بیٹا نوجوان والٹر رالے ان کے ساتھ گیا۔ راستے میں معلوم ہوا کہ اسپین والوں نے اپنی بستی ادھر بڑھائی ہے اور دریا کا راستہ سان تھومی کے قصبے سے رکا ہوا ہے۔ چکر دے کے نکل جانے کی بجائے کیمیس نے اس قصبے پر حملہ کر دیا اور اسی یورش میں

نوجوان والٹر مارا گیا۔ پھر کیمیس کو معلوم ہوا کہ دشمن کی موجودگی میں آگے کے جنگلوں میں داخل ہونا غیر ممکن ہوگا لہٰذا واپس چلا آیا اور سر والٹر رالے نے برا بھلا کہا تو اس نے خودکشی کر لی۔ اب رالے کو تشویش ہوئی کہ خالی ہاتھ واپس جانا پڑے گا اور سوچا کہ اسپین کے خزانے کے جہاز پر چھاپا مارا جائے۔ اس بات کو رالے کے ناخداؤں نے قبول نہ کیا اور وہ مجبور ہو کر سیدھا انگلستان چلا آیا۔ جہاز سے اُترتے ہی وہ بادشاہ کے حکم سے گرفتار کر لیا گیا کیونکہ اس کی کارروائی نے جیمس کو مشکل میں پھنسا دیا تھا۔ یہ تو معلوم نہیں کہ اس نے اسپین والوں سے لڑائی کی نوبت نہ آنے دینے کی کیا شکل سوچی تھی مگر قرینہ کہتا ہے کہ اُس کا منشا یہ تھا کہ مال ہاتھ آئے تو خود رکھے اور اسپین کو شکایت پیدا ہو تو اس کا الزام رالے کے سر دھرے۔ بہرحال، اب روپیہ تو کچھ ملا نہیں اور اسپین کے اعلان جنگ کو روکنے کی صورت سوائے اس کے نہ رہی کہ رالے کو سزا دی جائے۔ جیمس اسپین سے امن و آشتی کا اس قدر خواہاں تھا کہ اس نے رالے کو سزا دینا زیادہ پسند کیا اور پہلے تو اُسے اسپین والوں کے حوالے کر دینا چاہا مگر آخر میں انگلستان ہی کی عدالت میں مقدمہ پیش ہوا۔ چونکہ اسے پہلے سزائے موت مل چکی تھی لہٰذا کسی دوسرے الزام لگانے کی ضرورت نہ ہوئی اور اسی پندرہ برس پہلے کے فیصلے پر اب عمل کیا گیا۔ اس میں شک نہیں کہ رالے کا اسپین والوں پر حملہ کرنا بین الاقوامی قانون کے خلاف تھا لیکن الزبتھ کے ناخداؤں کا اصول یہ تھا کہ "سرحد کے پار کوئی صلح نہیں"۔ رالے کا فعل بالکل اسی قسم کا تھا جس پر ڈریک اور ہاکنس کو انعام دئے گئے تھے لیکن زمانہ بدل گیا تھا اور ایک ایسے کامرکی غلطیوں کا جس میں اسے کبھی پڑنا نہ چاہئے تھا اسے جان دے کے خمیازہ بھگتنا پڑا۔ حالانکہ اس فعل کی اصلی ذمہ داری بادشاہ کے سر تھی۔ عقل و عمل دونوں اعتبار سے رالے ایک غیر معمولی شخص تھا مگر اس کی سیرت بے داغ نہ تھی۔ راست گفتاری کی اسے مطلق پروا نہ ہوتی تھی، بایں ہمہ اُس کی غم انگیز موت نے ان سب عیوب پر پردہ ڈال دیا۔

جنگ سی سالہ

رالے کی شرمناک قربانی، دربار شاہی کا اسراف، اووربری کا پر فضیحت واقعہ اور پیوریٹین فرقے پر تشدد نے جیمس کی حکومت

باب اول

کو ذلیل اور قابل نفرت بنا دیا تھا کہ ۱۶۲۱ء میں جرمانیہ کے پروٹسٹنٹ فرقے کی حمایت کر کے اپنی رعایا میں پھر قبول عام پا لینے کا موقع میسر آیا۔ انگلستان کی شہزادی الزبیتھ کے بیاہ کے بعد سے جرمانیہ میں کیتھولک اور پروٹسٹنٹ فرقوں کا باہمی اختلاف زیادہ نمایاں ہوتا جاتا تھا اور ان کی دشمنی کے آتش جنگ بن کر بھڑک اٹھنے میں ایک چنگاری ڈالنے کی دیر تھی۔ یہ چنگاری بوہیمیہ کی طرف سے آئی۔ اس ریاست میں ہس کے زمانے سے فریق اصلاح کو مستحکم مامن مل گیا تھا اور یہاں مذہب پروٹسٹنٹ کا غلبہ تھا۔ ایک مدت سے اہل بوہیمیہ شہنشاہ آسٹریا کو اپنا بادشاہ منتخب کرتے تھے اگرچہ اس کا مذہب کیتھولک تھا۔ لیکن اب شہنشاہ میتھیاس نے ملکی مجلس کو مجبور کیا کہ بوہیمیہ کی بادشاہی آسٹریہ کے خاندان شاہی کی مستقلاً میراث تسلیم کر لی جائے اور میتھیاس کے وارث فرڈی نینڈ (شہزادہ آسٹریا) کے آئندہ وارث تخت ہونے کا اعلان کر دیا جائے۔ حالانکہ فرڈی نینڈ پروٹسٹنٹ فرقے کو ستانے میں مشہور تھا۔ بایں ہمہ میتھیاس نے وفات پائی تو اہل بوہیمیہ اپنے قول سے پھر گئے انھوں نے جیمس کے داماد فریڈرک الیکٹر پیلے ٹائن) سے بادشاہی قبول کرنے کی استدعا کی اور اس نے یہ درخواست منظور کر لی۔ فرڈی نینڈ، آسٹریہ کا شہنشاہ منتخب ہو چکا تھا۔ بوہیمیہ میں اپنے حقوق شاہی کے لئے اُس نے تلوار سنبھالی اور کیتھولک ریاستوں کو مدد پر بلایا اور ادھر فریڈرک نے پروٹسٹنٹ طاقتوں سے اعانت کی التجا کی لیکن تخت بوہیمیہ پر اُس کا قبضہ خلاف قانون تھا اور اسی لئے بہت لوگ مدد دینے سے باز رہے اور کیتھولک فوجوں نے فریڈرک کو نہ صرف بوہیمیہ بلکہ خود اس کی موروثی ریاست (ریلے ٹی نیٹ) سے نکال باہر کیا۔ اس موقع پر آسٹریہ کی مدد اسپین سے ہوئی اور چونکہ فریڈرک جیمس کا داماد تھا لہذا یقین تھا کہ انگلستان فریڈرک کی ضرور دستگیری کرے گا اور ڈین مارک وغیرہ ممالک بھی اس کے طرفدار ہوں گے۔ انگلستان میں ان واقعات نے اسپین کی پرانی دشمنی کو تازہ کر دیا تھا اور لوگ مشتاق تھے کہ اسپین سے اعلان جنگ کر دیا جائے جو فریڈرک کو مدد دینے کی بہترین سبیل ہوتی۔ انفرادی طور پر صدہا انگریز جرمانیہ پہنچے تھے کہ اپنی عزیز شہزادی "دو ملکۂ قلوب" کی طرف

سے جنگ کریں۔ ان سب باتوں کے باوجود خود جیمس ابھی تک خط وکتابت سے کام لینے
کا خواہش مند تھا اور اسپین کے شاہی خاندان میں رشتہ کر کے چاہتا تھا کہ دونوں فریقوں
سے تعلقات قائم رکھے۔ تاہم یہ دکھانے کی غرض سے کہ وہ جنگ سے عاری نہیں
ہے اس لئے ۱۶۲۱ء میں پارلیمنٹ کا انعقاد کیا۔

پارلیمنٹ

پارلیمنٹ منعقد ہوئی تو اسے خوش کرنے کی غرض سے جیمس نے
۱۶۱۴ء کے انتخاب کرانے والوں کو برا بھلا کہا اور صاف اعلان
کیا کہ اگر رسل ورسائل سے کام نہ نکلا تو وہ اپنے داماد کی ریاست اور پروٹسٹنٹ
مذہب کی حمایت کے لئے خون بہانے سے دریغ نہ کرے گا۔ چنانچہ جنگ کے لئے معقول
رقم کی منظوری بھی دی گئی لیکن فوری جنگ چھڑنے کی توقع نہ تھی لہذا ارکان مجلس
اندرونی شکایات کی طرف متوجہ ہو گئے جن میں کوک نے ان کی سرگروہی کی۔ یہ معزول
میر عدل اب وکالت کرنے لگا تھا اور خاص اہل دربار کی نکتہ چینی کی غرض سے پارلیمنٹ
کا رکن منتخب کیا گیا تھا۔ دارالعوام کی بڑی شکایت اجارہ داری کی بدعنوانیوں
سے متعلق تھی۔ الزبیتھ کے زمانے میں اس کو روکا گیا تھا مگر اب چالیس کے قریب
مختلف قسم کے اجارے قائم تھے۔ ان میں بعض مثل زمانہ حال کے "پیٹنٹ"
کے نئی ایجادوں کے تحفظ کے لئے تھے (جیسے آج کل "پیٹنٹ" کی صورت میں مروج
ہیں) بعض نئی صنعتوں کی ترقی کے واسطے اور بعض ملک کے فائدے

اجارہ داری

کی غرض سے تھے۔ اس زمانے کے خیالات کی رو سے اجارہ داری
کے طریق میں بہت سی خوبیاں گنائی جا سکتی تھیں لیکن جیمس اول جیسے بادشاہ کے
عہد میں ہر محکمہ خرابیوں سے مکدر اور ہر طرف جور ورشوت کا دور دورہ تھا۔ دارالعوام
نے خاص طور پر جن اجاروں کو اعتراض کے لئے چنا، وہ سرائے قائم کرنے اور
سونے چاندی کے تار بنانے کے اجارے تھے۔ جو حقیقت میں خود بادشاہ سلامت
کے ہاتھ میں تھے۔ بدعنوانیوں کی کافی شہادتیں موجود تھیں اور چونکہ دیہات کے
عدالتی حکام سراؤں کے اجازت ناموں سے بیزار تھے اور دولتمند سناروں کو تار
بنانے کی ممانعت کا شکوہ تھا، لہذا دیہات کے مبعوث اور لندن کے تاجر دربار
کے خلاف ایک ہو گئے خصوصیت سے سر جائلز مومپسن اور سر فرانسیس مچل

باب اول

کے خلاف شہادتیں فراہم ہوئیں اور ان کے مقدمات کو دارالعوام نے دارالامرا میں بطریق مواخذہ بھیج دیا (گویا فرد قرار داد جرم لگا کے دارالامرا میں بھیجدیا)۔

بیکن ان سے بھی بڑھ کر سنگین معاملہ وزیر عدالت بیکن کا تھا۔ اجارہ داری کے سلسلے میں اس کا نام بھی زیر بحث آیا۔ ساتھ ہی عدالت مالگزاری کے اہل مقدمہ نے اس پر رشوت ستانی کے الزام لگائے۔ یہ تو ظاہر نہیں ہوتا کہ اس نے حق و عدل کے خلاف کوئی کارروائی کی مگر مقدمے والوں سے فیصلہ کرنے سے قبل اور بعض بعد میں اس کا سو، تین سو اور بعض سات سو پونڈ لینا ثابت ہوا۔ اس زمانے میں جب کہ تنخواہیں کم اور عدالت کے محصول زیادہ تھے، رائے عامہ اس بارے میں کچھ کم واضح اور قطعی نہ تھی کہ ایک حاکم عدالت کو کتنی رقم لینی جائز ہے اور بیکن جو روپے کے معاملے میں ہمیشہ سے بے پروا اور جزئیات پر کوئی توجہ نہ کرتا تھا اس معاملے میں سخت غفلت برتتا رہا۔ لیکن فیصلوں کی صحت میں کسی کو گفتگو نہ تھی۔ دارالعوام کے الزامات کی امرا نے احتیاط سے تنقیح کی۔ بیکن نے واقعات کی خود تصدیق کر دی۔ امرا نے فیصلہ کیا کہ وہ بادشاہ کی مرضی تک قلعہ لندن میں محبوس رہے، آئندہ کوئی عہدہ نہ پائے نہ عدالت میں آئے اور چالیس ہزار پونڈ جرمانہ ادا کرے۔ اصل سزا کو تو بادشاہ نے جلد معاف کر دیا مگر فیصلے کے ان دو فائدوں پر معافی سے کوئی اثر نہ پڑا۔ کہ اول تو رشوت ستانی کے طریقے پر جو بہت پھیل گیا تھا، کاری ضرب لگی اور دوسرے شاہی وزیروں کی پارلیمنٹ کے سامنے جواب دہی کا مسئلہ پوری طرح طے ہو گیا۔ یارک اور ٹیوڈر خاندان کے بادشاہوں کے زمانے میں یہ اصول عملاً منظر عام سے غائب رہا اور ۱۴۵۰ء میں سفک کی سزا دہی کے بعد سے اس کا نفاذ نہ ہوا۔ مگر اب جو اس طریقے کی تجدید ہوئی تو امید تھی کہ آئندہ یہ ساقط نہ ہونے پائے گا۔ اور ایک صدی تک حقیقت میں کوئی پارلیمنٹ ایسی نہ تھی جس میں مواخذہ عاید نہ کیا گیا ہو۔ بیکن و مچل کے مقدموں کے بعد پارلیمنٹ کچھ روز کے لئے برخاست

معاملات خارجہ ہو گئی اور دوبارہ جمع ہوئی تو اس کی ساری توجہ معاملات خارجہ کی طرف مبذول ہوئی۔ مبعوثین زیادہ تر اس بات کے درپے تھے کہ جیمس سے اپنے اعلان کی کہ اگر نامہ و پیام سے کام نہ چلا تو پروٹسٹنٹ فرقے کی خاطر روپیہ

باب اول

اور خون بہا دے گا پابندی کرائیں اور اکثر ارکان صاف صاف اشتہار جنگ دینے کے موید تھے۔ مگر جیمس کی یہ رائے نہ تھی نہ شہزادہ چارلس اور اسپین کی بڑی شہزادی (" انفنٹا ") کی شادی کا آرزومند تھا۔ اس پر اسپین کے سفیر گوندومار کا بہت اثر تھا اور وہ جانتا تھا کہ جب تک کیتھولک فرقے کے ساتھ تحمل و رواداری کا یقین نہ دلایا جائے، مذکورہ بالا رشتہ غیر ممکن ہوگا۔ اس کے مقابلے میں دارالعوام کے خیالات کا اندازہ ان تحریکات سے ہو سکتا ہے کہ انھوں نے اول تو یہ فیصلہ کیا کہ گرجا میں نہ آنے والے (کیتھولک) دگنا محصول جنگ ادا کریں۔ دوسرے ان منحرفین کے خلاف قوانین پر پوری پابندی سے عملدرآمد کیا جائے اور تیسرے بادشاہ کی خدمت میں عرضی دی کہ شہزادے کی شادی پروٹسٹنٹ خاندان میں کی جائے۔ دارالعوام کو اندیشہ تھا کہ منحرفین کے ساتھ رورعایت کی گئی تو رفتہ رفتہ پھر وہی کیتھولک مذہب قائم ہو جائے گا۔ ایک نوجوان رکن جان پم نے اسی خیال کو ان لفظوں میں ادا کیا کہ اگر پاپائیوں کے ساتھ ایک دفعہ اغماض برتا گیا تو پھر وہ مستقل رواداری پر زور دیں گے اس کے بعد مساوات، پھر اپنی فضیلت اور آخر میں اپنے تمام مخالف مذاہب کا استیصال کر دینا چاہیں گے۔ گوندومار اور بکنگھم کے اثر سے بادشاہ نے یہ باتیں سن کر دارالعوام کو ہدایت کی کہ " رموز سلطنت " میں دخل نہ دیں اور یہ کہہ کر ان کی آزادی تقریر پر بھی حملہ کیا کہ بادشاہ چاہے تو ارکان کے طریق عمل کی بابت پارلیمنٹ کے اندر یا باہر بازپرس کر سکتا ہے۔ اس تہدید نے معاملے کی صورت نازک کر دی اور دارالعوام نے کوک اور ٹامس وینٹ ورتھ[1] کی رہنمائی سے روداد نامے میں یہ رائے درج کی کہ " پارلیمنٹ کی آزادی، حقوق، مراعات اور حدود و اختیارات، انگلستان کی رعایا کا قدیم اور پیدائشی ورثہ ہیں "... اور یہ کہ " ان امور پر غور و رائے زنی کرنے میں اس ایوان کا ہر رکن تقریر کرنے میں آزاد ہے اور آزاد ہونا چاہیے "۔ دارالعوام نے پہلی بار عرضی بھیجی تو بادشاہ نے ظاہر انبساط دکھانے کے لیے حکم دیا تھا کہ " سفرا " (یعنی دارالعوام کے وفد) کے واسطے کرسیاں لگائی جائیں، گویا دارالعوام

[1] یہ شخص یارک شر کا مبعوث تھا اور آگے چل کر مشہور امیر اسٹرے فرڈ بنا۔

باب اول

ایک مستقل حکومت کا مرتبہ رکھتا تھا۔ لیکن دس دن کے سوچ بچار کے بعد اس نے دارالعوام کی روداد طلب کی اور اپنے ہاتھ سے وہ ورق چاک کر دئے جن میں مذکورہ بالا ناگوار احتجاج تحریر تھا۔ پھر پارلیمنٹ بغیر کسی رقمی منظوری کے برخاست کر دی گئی۔ کوک فیلپس اور مے پوری نگہداشت لنڈن میں بھیج دئے گئے۔ پم کو حکم ملا کہ اپنے گھر سے باہر نہ نکلے۔ گونڈومار نے اس فعل کی نسبت کہا کہ "یہ سب کو چھوڑ کر اسپین سے رشتہ جوڑنے کی نیت" کے مرادف ہے۔ اور واقع میں انگلستان کے جرمن پروٹسٹنٹوں کو مدد دینے کی ساری امیدوں پر پانی پھر گیا۔

ہسپانوی شادی

اگرچہ خود جیمس نامہ و پیام کے ذریعہ کیتھولک اور پروٹسٹنٹ ریاستوں میں ایک عام مصالحت کرا دینے سے مایوس نہیں ہوا تھا اور یہ تجویز، جس کا سب سے اہم اور لازمی جزو یہ تھا کہ ولی عہد انگلستان کی شادی اسپین کی بڑی شہزادی میری سے ہو جائے۔ بادشاہ کی نیک نفسی سے خالی نہ تھی۔ بے شبہ پارلیمنٹ کا کیتھولکوں کی دشمنی پر بضد ہونا، شہنشاہ (آسٹریہ) کا فریڈرک کو سزا دینے پر اصرار اور اسپین کا یہ حتمی اصول کہ خاندان آسٹریہ کے خلاف تلوار نہ کھینچی جائے، صلح کے راستے میں افسوس ناک سد راہ تھے، بایں ہمہ شہزادہ چارلس کامیابی کی امید سے سرشار تھا اور بکنگھم اپنی قابلیتوں پر اتنا مفرط اعتماد رکھتا تھا کہ یہ دونوں افسانوں کے شاہ و وزیر کی طرح میڈرڈ کی طرف چل کھڑے ہوئے کہ صلح نامہ اور دلھن لیکر دھوم دھام سے واپس آئیں گے لیکن یہ ان کی ناتجربہ کاری کی حرکت تھی۔ میڈرڈ پہنچ کر چارلس کو اس خوف سے کہ کہیں ناکام گھر جانا پڑے طرح طرح کی شرطیں مانتے ہی بن پڑی۔ حتی کہ آخر میں وہ اپنی اور باپ کی طرف سے یہ حلف اٹھانے پر مجبور ہوا کہ انگلستان کے کیتھولکوں کو پوری آزادی دی جائے گی اور تین سال کے اندر پارلیمنٹ سے اس کی تصدیق کرا دی جائے گی۔ پھر بھی جب معلوم ہوا کہ شہزادی شادی ہو جانے پر بھی رخصت ہو کر اس کے ہمراہ نہ جائے گی تو دوسرے شخص کو رسماً دولھا بنا کے وہ بعجلت انگلستان چلا آیا۔ عام لوگ تو یہ سنکر کہ دلھن نہیں آئی بہت خوش ہوئے لیکن محتاط اہل الرائے جانتے تھے کہ بات کی اتنی دور تک بڑھ جانے کے بعد بغیر علانیہ جنگ کے اس رشتے کو توڑنا

ممکن نہیں ہے۔ یوں بھی چارلس قول دے چکا تھا اور میڈرڈ میں شادی کی بڑی
بھاری تیاریاں کی جا رہی تھیں۔ لیکن عقد سے تین روز قبل برسٹل انگریزی سفیر کو حکم پہنچا
کہ بعض جدید مطالبات پیش کر دے اور اس پر شادی غیر معین زمانے تک ملتوی کر دی
گئی۔ واقعات کے آئندہ انکشاف سے چارلس کا طریق عمل بہت ناقص ثابت ہوا
مگر اس وقت تو عوام بہت خوش ہو گئے اور جیمس نے اپنی کوشش کو ناکام دیکھ کر
امور سلطنت سے تقریباً دست کشی کر لی اور چارلس اور بکنگھم کو اجازت دیدی
کہ فریڈرک کی ریاست کو لڑ کر واپس لینے کی کوشش کریں۔ چنانچہ اسی زمانے
میں جب کہ اسپین کی مخالفت کا جوش عام تھا، نئے انتخابات ہوئے اور ۱۶۲۴ء کی اس
پارلیمنٹ میں ایک آواز بھی صلح کی حمایت میں بلند نہ ہوئی۔ بحث طلب امر صرف
یہ تھا کہ ریاست پلے لی ٹینیٹ پر براہ راست فوج کشی کی جائے یا اسپین پر
دباؤ ڈالا جائے۔ آخر پلے لی ٹینیٹ پر حملے کا فیصلہ ہوا اور بارہ ہزار انگریز
جوان کاونٹ مینس فیلڈ کے سپرد کئے گئے جو فریڈرک کا نائب اور ایک چالاک
مگر بے اصول سپاہی تھا جسے قسمت نے اس رتبے تک پہنچایا۔ لیکن مہم میں سخت
بدانتظامی ہوئی۔ انگریز سپاہی اسپین کے خلاف تو خوشی سے لڑتے مگر جرمانہ
میں ادھر سے ادھر بھاگے بھرنے کے لئے آمادہ نہ تھے۔ جب وہ ہولینڈ
پہنچے تو نہ کھانا پیٹ بھر کر ملتا تھا نہ بدن پر ٹھیک کپڑا میسر تھا۔ اسی حالت میں
کشتیوں پر سوار کر کے رائن کے راستے روانہ کئے گئے اور صدہا ضائع ہوئے۔ ساری
مہم کا نتیجہ اگر کچھ نکلا تو یہ کہ لوگوں کو یقین ہو گیا کہ چارلس اور بکنگھم انتظامی قابلیت
سے عاری ہیں۔

ادھر امیر خزانہ مڈلسکس کو "یا مڈلسکس" سے پارلیمنٹ میں مواخذہ ہوا اور
سزا دی گئی۔ یہ شخص لاینول کرین فیلڈ کے نام سے زیادہ مشہور ہے اور ان دنوں
ہوشیار و کفایت شعار وزیر خزانہ تھا۔ ظاہراً تو اس پر تغلب کا الزام لگایا گیا لیکن
حقیقت میں پارلیمنٹ کی دشمنی کا سبب یہ تھا کہ وہ جنگ کے خلاف تھا۔ اس دار و گیر
میں چارلس نے عجیب و غریب حماقت سے خود بھی نمایاں حصہ لیا۔ پارلیمنٹ نے نئی
ایجادوں کے علاوہ اور سب اجارے منسوخ کئے اور بکنگھم کے منحرفین کے خلاف

قوانین کی شدید پابندی پر بادشاہ کو توجہ دلائی۔ حالانکہ اسی زمانے میں جیمس اور چارلس نے لوئی سیزدہم شاہ فرانس کے ساتھ خفیہ قرارداد کر لی تھی کہ اس کی بہن ہنریٹا ماریہ چارلس کے ساتھ بیاہ دی جائے گی اور مذکورہ بالا قوانین معطل کر دیئے جائیں گے۔

سیاسی امور سے عملاً دستکش ہونے کے بعد جیمس زیادہ مدت زندہ نہ رہا۔ نقرس اور بخار کے پیہم حملوں نے جسم و دماغ دونوں کو کمزور کر دیا تھا اگرچہ پرانی ذہانت کبھی کبھی عود کر آتی تھی۔ چنانچہ بیان کیا جاتا ہے کہ مڈل سکس سے مواخذے کا قضیہ سن کر مرنے سے کچھ ہی روز قبل اس نے چارلس سے کہا کہ وہ کبھی ایسے پیٹ بھر کے مواخذوں تک زندہ رہے گا۔ مارچ ۱۶۲۵ء میں جیمس نے وفات پائی۔

مشہور واقعات

ہیمپٹن کورٹ کی مشاورہ	سنہ ۱۶۰۴ء
باروت والی سازش	سنہ ۱۶۰۵ء
روبرٹ سیسل کی وفات	سنہ ۱۶۱۲ء
دوگندی پارلیمنٹ ”	سنہ ۱۶۱۴ء
جنگ سی سالہ کا آغاز	سنہ ۱۶۱۸ء
بیکن سے قانونی مواخذہ	سنہ ۱۶۲۱ء
چارلس اور بکنگھم اسپین جاتے ہیں	سنہ ۱۶۲۳ء
اجاروں کی منسوخی	سنہ ۱۶۲۴ء

باب دوم

حصۂ اول

چارلس اول، سنہ ۱۶۲۵ تا سنہ ۱۶۴۹ء

ولادت۔ سنہ ۱۶۰۰ء۔ ازدواج با ماریہ (فرانسیسیہ)، سنہ ۱۶۲۵ء۔
قتل سنہ ۱۶۴۹ء۔

معاصرین:۔ فرانس.......... لوئی سیزدہم و چہاردہم
اسپین.......... فلپ سوم و چہارم
شہنشاہ.......... فرڈی نینڈ دوم و سوم

چارلس کی خصائل

تخت نشینی کے وقت چارلس کی عمر پچیس سال کی تھی اور اس کی عادتیں اور مزاج پختہ ہو چکے تھے۔ بادشاہی کے ظاہری لوازم کا جہاں تک تعلق ہے، وہ نہایت قابل تعریف بادشاہ تھا۔ باپ میں تو یہ بات نہ تھی مگر اُس کے چہرے مُہرے سے شاہی وجاہت برستی تھی۔ البتہ جیمس کی نیک نہادی اُس میں نہ پائی جاتی تھی۔ وہ زیادہ تر شرمیلے پن کی وجہ سے الگ الگ رہتا تھا اور اپنی رعایا سے ایسے روابط نہ رکھتا تھا کہ ان کی صحیح رائے معلوم کر سکتا جس طرح کہ الزبتھ و ہینری ہشتم ہمیشہ معلوم کر لیا کرتے تھے افسوس ہے بچپن میں صحت کی خلقی خرابی نے تعلیم کو زیادہ باقاعدہ نہ رہنے دیا اور اسی لئے تاریخ و سیاسیات

باب دوم

یا مذہب کی معلومات میں اُسے باپ کی مثل نمایاں تبحّر نصیب نہ ہو سکا۔ پھر یہ کہ جیمس تو عالم بے عمل تھا لیکن چارلس اپنی کم علمی اور محدود نظر ہونے کے باعث جس بات پر آ اڑ جاتا اس کا دوسرا پہلو نہ دیکھ سکتا تھا۔ بچپن کے لاڈ پیار نے بھی اسے ہٹ پوری کرنے کی عادت ڈال دی تھی اور فیر فیکس کا قول تھا کہ "وہ بادشاہ طبعاً سخت ہے"۔ یہ عیوب تو قابل تاسف تھے لیکن زیادہ خرابی یہ ہوئی کہ چارلس میں کوئی ذہانت وجدت طرازی نہ تھی کیونکہ وہ عمدہ قوت متخلیہ ہی نہ رکھتا تھا اور اسی لئے یہ بھی نہ سمجھ سکتا تھا کہ اس کے وعدوں کا مطلب کیا ہے یا جن لوگوں سے وعدے کئے جا رہے ہیں، وہ کیا مطلب لیں گے۔ باپ سے کوئی شے ورثے میں ملی تو شاید صرف یہ کہ چارلس بھی شاہی حقوق و اقتدار پر حد سے بڑھ کر یقین و وثوق رکھتا تھا۔ زمانہ بدل جانے کے باوجود، وہ سمجھتا تھا کہ اُسے ٹیوڈر بادشاہوں کے جملہ اختیارات برتنے کا حق حاصل ہے اور اپنے عہد کے لوگوں کی خو خصلت میں جو فرق تھا، اس کی چارلس کو نہ پروا تھی نہ پرکھ۔ بکنگھم دربار میں داخل ہوا تو چارلس کی عمر پندرہ سال کی تھی جیمس کی حماقت نے ان دونوں نوجوانوں کو یکجا رہنے سہنے کا موقع دیا اور چارلس کے ذہن میں یہ نقش کہ بکنگھم جملہ اوصاف حمیدہ کا مجموعہ اور نمونہ ہے، ایسا پڑا تھا کہ پھر مدت العمر محو نہ ہوا۔ بادشاہ کا یہ ممدوح، جاہل

بکنگھم

مگر اپنی ذات پر بڑا بھروسہ رکھتا تھا۔ یہی نہیں کہ وہ محض دربار میں محبوب تھا، بلکہ درحقیقت اس میں وہ شان و تمکنت پائی جاتی تھی جو معمولی منظوروں کی بجائے اسے بہت کچھ الزبتھ کے امیر لیسٹر کے ہم پلہ بناتی ہے۔ وہ بڑے کام کرنے کا مشتاق اور عہد الزبتھ کی شان و شکوہ تازہ کرنے کا آرزومند تھا اگرچہ ان آرزوؤں کو عمل میں لانے کے کارگر وسائل کی اسے کچھ خبر نہ تھی۔

کیتھولک

چارلس نے بادشاہ ہو کر بسم اللہ ہی غلط کی۔ جب معلوم ہوا کہ فرانسیسی ماریہ کی شادی کی شرطوں میں کیتھولک فرقے کے لئے وہی رعایت چاہتے ہیں جو اسپین کے مطالبے پر قبول کر لی گئی تھیں، تو چارلس اُن قانونی قیود کے تعطل پر رضامند ہو گیا۔ ۱۶۲۴ء کی پارلیمنٹ میں اس نے صراحۃً

اقرار کیا تھا کہ فرانسیسی رشتے کی شرطوں میں کیتھولک فرقے سے رعایت کرنا ہرگز داخل نہ ہوگا، لہذا اب اُس کی رضامندی سے لازم آگیا کہ یا پارلیمنٹ سے جھوٹا بنے یا شاہِ فرانس سے۔ مگر اس قسم کا دغل و فریب چارلس کے طریق عمل کی خصوصیت تھا اور اُس پر جو آیندہ مصیبتیں پڑیں ان کی بہت کچھ وجہ اسی سے سمجھ میں آسکتی ہے۔ بہر حال، غلطی کی اُس نے کچھ پروا نہ کی اور اتحاد فرانس کے فوائد کی امیدیں، وہاں رشتہ کرکے اسپین سے اعلان جنگ کر دیا۔ ساتھ ہی روپے کی منظوری کے لئے انعقاد پارلیمنٹ

پہلی پارلیمنٹ

کے حکم نامے جاری ہو۔ پارلیمنٹ منعقد ہوئی تو دارالعوام میں وہی فیلپس، کوک وغیرہما پیش پیش تھے جنھوں نے جیمس کے زمانے کی پارلیمنٹوں میں پہلے بھی بہت کچھ حصہ لیا تھا۔ زیادہ دن نہ گزرے تھے کہ بادشاہ اور پارلیمنٹ میں اختلاف کے بہت سے آثار نظر آنے لگے۔ چارلس تو فرانس سے کیتھولک فرقے کے خلاف قوانین کا نفاذ ملتوی کرنے کا وعدہ کر چکا تھا اور پارلیمنٹ نے معروضہ پیش کیا کہ ان قوانین پر سختی سے عملدرآمد ہونا چاہئے۔ چارلس نے بڑے شوق سے جنگ کے لئے رقم کثیر کا مطالبہ کیا تھا اور پارلیمنٹ نے جب تک مصارف کی تفصیل اور مہم کی کیفیت کا حال نہ معلوم ہو، ہاتھ روک لیا۔ چارلس مونٹیگیو پادری کو جس نے کالوِنی عقائد کے خلاف لکھا، ترقی دے رہا تھا اور دارالعوام میں اس پر قانونی مواخذہ کرنے کی تیاریاں تھیں۔ ہینری ششم کے عہد سے قاعدہ ہو گیا تھا کہ محاصل کروڑگیری کی منظوری بادشاہ کی عمر بھر کے لئے دے دی جاتی تھی۔ لیکن اس مرتبہ قباحت یہ ہوئی کہ عوام محاصل کے پورے مسئلے کا تصفیہ کرنے کی فکر میں تھے، انھوں نے صرف سال بھر کی منظوری دی اور چونکہ تھوڑے ہی دن میں طاعون کے باعث پارلیمنٹ برخاست کر دی گئی لہذا یہ منظوری بھی دارالامرا کی تصدیق اور تکمیل سے محروم رہ گئی۔

اجلاس آکسفرڈ

چند ہفتے بعد پارلیمنٹ کا اجلاس دوبارہ آکسفرڈ میں جما لیکن اس وقفے میں تازہ مشکلات پیدا ہو گئی تھیں۔ اسپین سے جنگ میں حصہ لینے کی غرض سے انگلستان نے فرانس تو ایک جنگی اور سات تجارتی جہاز مستعار دئے تھے لیکن لوگوں نے بھانپ لیا کہ عجب نہیں اسپین کی بجائے ان

باب دوم

جہازوں سے لارو شیل کے ہیوگینو کے خلاف کام لیا جائے۔ کیونکہ فرانس کا وزیر رشیلیو ہیوگینو فرقے کے قلعہ بند شہروں کی نیم خود مختاری سے سخت متوہم ہوگیا تھا اور لوگ سمجھتے تھے کہ وہ گھر کی طرف سے اطمینان حاصل کئے بغیر بیرونی جنگ میں کود نا پسند نہ کرے گا۔ رشیلیو، ہیوگینو فرقے کی آزادی عبادت میں دخل دینے کی ہرگز نیت نہ رکھتا تھا مگر انگلستان والے عام طور پر اسے پروٹسٹنٹ فرقے کا متعصب اور ظالم دشمن سمجھتے تھے۔ غرض انگریز ملاحوں نے اُن جہازوں میں کام کرنے سے انکار کر دیا اور ایک کے سوائے باقی سب گھر چلے آئے۔ ادھر اسی زمانے میں شادی کی شرائط اور معاہدے کی افواہیں آہستہ آہستہ پھیلنی شروع ہوئیں۔ پھر جب معلوم ہوا کہ ہنریتا ماریہ عبادت کی پوری آزادی سے بہرہ مند ہے اور سزا یافتہ کیتھولک پادریوں کو معافی دے کے چھوڑا جا رہا ہے، تو ملک بھر میں شدید ناراضی پیدا ہوگئی۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ پارلیمنٹ میں حکومت پر ایک اور حملہ ہوا۔ بکنگھم آمادہ تھا کہ چارلس کے معاہدے کا سرکاری طور پر انکار کر دیا جائے خواہ فرانس سے جھگڑا ہی کیوں نہ کرنا پڑے اور اُدھر پارلیمنٹ خود اس مختار کل وزیر سے قانونی مواخذے کی فکر میں تھی کہ بادشاہ نے پارلیمنٹ کو برخاست کر کے ساری کارروائی ختم کرا دی۔

قادص کی مہم

مگر مزید روپے کی منظوری ملے بغیر پارلیمنٹ کے درہم برہم ہو جانے سے چارلس بڑی مشکل میں پھنس گیا کیونکہ اس نے مینس فیلڈ اور اپنے ماموں کرسچین شاہ ڈین مارک سے جو اب شمالی جرمانیہ کے پروٹسٹنٹوں کی سرگروہی کر رہے تھے، زر نقد بلکہ اپنا بیڑا مرتب کر کے مدد دینے کا وعدہ کیا تھا اور یہ بغیر روپے کے کسی طرح پورا نہ ہو سکتا تھا۔ تب بکنگھم نے جو ہمیشہ نئی امید اور اطمینان کی صورت سوچ لیتا تھا، بادشاہ کے ذہن میں یہ بات جما دی کہ اگر دوسری پارلیمنٹ طلب کرنے سے پہلے قادص کو ایک بحری مہم بھیجدی جائے جو اس بندرگاہ کے لوٹنے اور اسپین کے خزانے کے جہاز پکڑنے میں ۱۵۹۶ء کی مہم کی یاد تازہ کر دے تو اہل ملک بادشاہ کو برسر حق اور سابق پارلیمنٹ کو غلطی پر سمجھنے لگیں گے۔ چنانچہ دربار کے جملہ وسائل ایک بیڑے کی تیاری میں خرچ کئے گئے

لارڈ برلے کے پوتے سر ایڈورڈ سیسل کو اس کی قیادت تفویض ہوئی سیسل ولندیزی فوج میں عرصے تک خدمت کر چکا تھا۔ اسے آئندہ کامیابیوں کی محض توقع پر وائی کاونٹ وِمبلڈن بنا دیا گیا لیکن حقیقت میں آزادانہ سپاہ سالاری کا اسے کوئی تجربہ نہ تھا اور ہوتا بھی تو جہازوں کی بدشکستگی اور سامانِ رسد کی کمی کچھ کرنے دھرنے نہ دیتی۔ اس کا نائب امیر اسیکس مقرر ہوا تھا لیکن خود بے دل سپاہی لڑائی سے جان چراتے تھے۔ اس فوج و سامان سے کوئی بہت ہی غیر معمولی سپہ سالار کامیابی حاصل کر سکتا تھا، وِمبلڈن تو قطعاً ناکام رہا۔ حملے میں دیر ہو جانے سے اسپین والے اپنے جہازوں کو اندرونی گودیوں میں ہٹا لائے۔ انگریز سپاہی ساحل پر اترے تو کھانے کو کچھ نہ تھا۔ شرابیں پی پی کے بدمست ہو گئے۔ زر و جواہر کی کشتیاں ہاتھ سے بچ کے نکل گئیں مہم اس حال میں واپس ہوئی کہ سپاہی مریض و ماندہ تھے اور مجموعی طور پر مینس فیلڈ کو خشکی پر جیسی ناکامی ہوئی تھی، وِمبلڈن کو بحری مہم میں اسی کا منہ دیکھنا پڑا۔

اس مصیبت نے چارلس اور بکنگھم کی ساری موہوم امیدوں کو خاک میں ملا دیا اور نئی پارلیمنٹ کے سامنے اپنی بے ضابطگیوں کی کوئی تاویل باقی نہ رہی۔ دوسرے کیتھولک فرقے کے متعلق شاہ فرانس سے جو جھوٹے وعدے کر لئے گئے تھے، ان کا پول کھل گیا تو دونوں درباروں میں کشیدگی پیدا ہو گئی۔ ہنریٹا ماریہ ذاتی طور پر بھی اپنے شوہر سے خوش نہ رہی۔ ریشلیو ہیوگینو فرقے کی سرکوبی میں کوشاں تھا اور چونکہ مصالحت کی صورت نہ نکل سکی تھی لہذا لاروشیل کے باقاعدہ محاصرے کی تیاریاں کر رہا تھا۔ چارلس نے لوئی اور اس کی پروٹسٹنٹ رعایا میں ثالثی کرنے کا بیڑا اٹھایا تھا لہذا وزیر فرانس کی یہ کارروائیاں اسے اپنی اہانت کے مراوف محسوس ہوئیں اور اسپین کے مقابلے میں اتحاد کی بجائے اب یہ آثار پیدا ہو گئے کہ خود ان اتحادیوں میں باہم جنگ کی نوبت آجائے گی۔

چارلس ان پیچیدگیوں سے واقف تھا مگر یہ سمجھ کر کہ پہلی پارلیمنٹ سے نزاع کا اصلی سبب چند سرپھرے مبعوث تھے، اس لئے یہ چال چلی کہ نئے انتخاب کے حکمنامے جاری کرنے سے پہلے فلیپس، کوک، وینٹ ورتھ اور چند خاص خاص اشخاص کو ان کے پرگنوں میں سرکاری عامل (شیرف) مقرر کر دیا تاکہ وہ

پارلیمنٹ میں رکن ہی نہ منتخب ہوسکیں لیکن ان کی بجائے جو لوگ منتخب ہوئے وہ قابلیت میں کم ہونے کے باوجود بکنگھم کے انتظام سے اتنے ہی ناراض تھے۔ دوسرے، عاملوں کے انتخاب میں ایک شخص کا نام چھوٹ گیا اور وہی چارلس کے حلق میں بغلی گھونسا ثابت ہوا۔ یہ سر جان الیئیٹ، ڈوکارنول کا زمیندار تھا اور

الیئیٹ

اسے مستثنیٰ کرنے کی وجہ یہ ہوئی کہ زمانۂ سابق میں بکنگھم سے اس کی دوستی تھی اور ڈیون شر میں نائب البحر رہا تھا۔ لیکن تجربے نے اسے بخوبی یقین دلا دیا تھا کہ بکنگھم ملک کو تباہ کر رہا تھا اور اب الیئیٹ سے بڑھ کر حکومت کا دشمن شاید دوسرا اور کوئی نہ ہوگا۔ مزید برآں وہ رہنما بننے کی قدرتی صلاحیت رکھتا تھا اور جو تقریریں محفوظ ہیں، اُن سے ثابت ہوتا ہے کہ پارلیمنٹ کے بہترین فصحا میں شمار ہونے کا مستحق ہے۔ غرض پارلیمنٹ

بکنگھم سے مواخذہ ۵-۱

منعقد ہوئی تو الیئیٹ رہنما اور پم، سر ڈوڈلی ڈگنز اور چند اور افراد اس کے مددگار تھے۔ انھوں نے دو شکایتوں کی شکایت "بکنگھم" کو قرار دے کر اسی پر حملے شروع کئے اور آخر میں اس کے خلاف مواخذہ مرتب کیا۔ اس مواخذے میں بہت سے الزام جھوٹے اور مبالغہ آمیز تھے جیسا کہ ہوا کرتا ہے۔ کیونکہ بکنگھم سے جو کچھ غلطیاں ہوئی ہوں، اُس نے سلطنت کو اپنے فائدے کے لئے لوٹا نہیں اور نہ انگلستان کی اغراض کو ذاتی اغراض پر قربان کیا۔ چارلس نے الیئٹ اور ڈگنز کو فوراً قلعہ لندن میں بھجوا دیا مگر دارالعوام تلا ہوا تھا کہ یا تو وہ آزاد کئے جائیں یا اجلاس میں کوئی کارروائی ہی نہ ہوگی۔ بادشاہ کو رقمی منظوریوں کی فکر تھی لہذا دبنا پڑا اور یہی معاملہ دارالامرا میں پیش آیا کہ اُمرا نے امیر آرنڈل کی رہائی کا مطالبہ کیا اور چارلس کے ساتھ جیسا دارالعوام میں برتاؤ ہوا تھا وہی سرد مہری اُمرا نے دکھائی۔ قوم کے جذبات سے چارلس کی بے خبری دیکھئے کہ انھی دنوں اس نے اصرار کیا کہ کیمبرج میں بکنگھم کو امیرِ جامعہ منتخب کیا جائے۔ اس کے جواب میں عوام نے ایک عام احتجاج تیار کیا جس میں حکومت کی ساری حکمت عملی پر اعتراض اور بکنگھم پہ مقدمہ چلانے کا اصرار تھا۔ یہ فعل انگلستان کی تاریخ میں

یادگار واقعہ ہے کیونکہ اگر دارالعوام کا مطالبہ کہ بکنگھم کو معزول کیا جائے قبول کر لیا جاتا تو اس کے معنی یہ ہوتے کہ وزرا بادشاہ کے بجائے پارلیمنٹ کے سامنے جواب دہ ہیں۔ الزبیتھ کے عہد میں ایسا نہ تھا اور چارلس مصمم ارادہ رکھتا تھا کہ خود اس کے عہد میں ایسا نہ ہونے پائے گا۔ اُس کی نظر میں پارلیمنٹ کا کام ''مشورہ دینا تھا نہ کہ نگرانی کرنا'' اور اگر اس کے خلاف عمل ہو تو گویا بادشاہ کی بادشاہی رہ جاتی اور حکومت اس کے ہاتھ سے نکل جاتی اور چارلس کسی طرح یہ اصول قبول کرنے والا نہ تھا۔ چنانچہ اُس نے کارروائی روکنے کے لئے پھر پارلیمنٹ کو برخاست کر دیا۔

چونکہ پارلیمنٹ سے روپے کی کوئی منظوری نہ ملی تھی لہذا چارلس نے اب ہر پرگنے سے نذرانہ وصول کرنے کی کوشش کی اور یہ خدمت ہر ضلعے کے عامل عدالت کے سپرد ہوئی۔ ایلیٹ وغیرہ جن سے مخالفت کا اندیشہ تھا، عہدوں سے برطرف کر دئے گئے اور شروع میں یہ تدبیر خاصی کامیاب بھی رہی لیکن رفتہ رفتہ مخالفت کا جذبہ پیدا ہوا اور پرگنے پر پرگنہ نذرانہ دینے سے انکار کرنے لگا۔ یہ خبریں سن کر چارلس نے غصے میں جبراً قرض لینے کی کوشش کی مگر اسے حکام عدالت نے بلا تامل ناجائز قرار دیا اور میر عدل کرو کو آزادی رائے کے باعث خدمت سے الگ کر دیا گیا جس طرح پہلے کوک علیحدہ کیا گیا تھا۔ لیکن حکام عدالت کا فیصلہ گویا عام مخالفت کا اشارہ تھا اور چارلس نے اپنی ناکامی پر برافروختہ ہو کر سر گروہوں کو مجلس شاہی کے روبرو طلب کیا اور زندان شاہی میں ڈلوا دیا۔ اس حرکت نے ایک اور خلفشار پیدا کیا اور لوگ سوال کرنے لگے کہ آیا ہم رتبہ اشخاص کے سامنے مقدمہ کئے بغیر کسی کو قید میں ڈالنے کا بادشاہ کو حق بھی ہے یا نہیں اور ''منشور اعظم'' کے حوالے دئے جانے لگے۔ آزمائش کی غرض سے پانچ سردار جنھوں نے قرض دینے سے انکار کیا تھا، مل کر عدالت شاہی میں دعوی دار ہوئے کہ ''پروانہ آزادی'' عطا کیا جائے کیونکہ ہم نے کوئی قانونی جرم نہیں کیا دارونہ قید خانہ کا جواب یہ تھا کہ وہ بادشاہ کے خاص حکم سے قید کئے گئے اور واقع میں مجلس شاہی کے بلا مقدمہ چلائے لوگوں کو قید میں ڈالنے کی نظیریں بھی موجود تھیں لیکن مستغیثوں کے

باب دوم

وکلا نے قریب زمانے کی نظیروں کے مقابلے میں قدیم آئین کے اصول پیش کیے۔ عدالت اصل مسئلے میں کوئی فیصلہ نہ کرسکی مگر اس نے قیدیوں کو ہدایت کی کہ بادشاہ کی فرد قرارداد جرم کے مرتب ہونے تک وہ انتظار کریں۔ ادنیٰ طبقے کے لوگوں سے چارلس نے اور بھی ظالمانہ برتاؤ کیا۔ بعض کو دھمکیاں دیں کہ جبراً فوج میں بھرتی کیے جائیں گے اور بعض کے گھروں میں اُن سپاہیوں کو جبراً ٹھیروا دیا جنھیں کوئی تنخواہ نہ ملی تھی اور ان بھوکے سپاہیوں نے غریب میزبانوں کو مفلس و قلاش کر دیا کہ وہ گھر چھوڑ چھوڑ کر نکل گئے۔ غرض ہر طبقے کے افراد نے بادشاہ کی مخالفت میں حصہ لیا تھا اور ہر طبقے پر بادشاہ کا قہر و غضب نازل ہوا۔

فرانس سے جنگ

اس عرصے میں فرانس و انگلستان کے تعلقات کی کشیدگی نے، جیسا کہ مدت سے آثار نظر آتے تھے، باقاعدہ جنگ کی شکل اختیار کرلی۔ کچھ تو ان اسباب سے جو اوپر مذکور ہو چکے ہیں اور کچھ اس لیے کہ انگلستان والوں نے چند فرانسیسی کشتیاں اس عذر پر پکڑ لیں کہ وہ اسپینی نیدرلینڈز میں اجناس ممنوعہ لے جارہی ہیں۔ فرانسیسیوں نے جواب میں انگریزوں کا ایک بیڑا جو محصول ادا کرکے بورڈو کی بندرگاہ سے شراب لے کر چلا تھا، گرفتار کرلیا۔ جنگ ٹھنی تو فرانس کو نقصان پہنچانے کی سب سے صریحی صورت یہ نظر آئی کہ اہل لاروشیل کو مدد دی جائے جن کی ریشلیو نے ناکہ بندی کر رکھی تھی۔ لاروشیل کی بندرگاہ جزیرۂ رہے کی زد میں تھی اسی جزیرے پر انگریزوں نے فوج کشی کی۔ سپہ سالاری خود بکنگھم نے اپنے ہاتھ میں لی اور بہترین اوصافِ قیادت کا ثبوت دیا، بایں ہمہ مہم کی تنظیم اتنی بگڑی ہوئی تھی اور زبردستی بھرتی کیے ہوئے سپاہی اتنے بد دل تھے کہ مہم ناکام رہی اور سپاہی ذلیل و رسوا ہو کر انگلستان واپس ہوئے۔ لوگ کہتے تھے کہ جب سے انگلستان، انگلستان کہلایا، ایسا ذلت آمیز صدمہ نہ پہنچا تھا، ظاہر ہے کہ یہ محض مبالغہ تھا۔ ہر نسل کے لوگ اپنی فتوحات اور نیز شکستیں بڑھا چڑھا کے اسی طرح بیان کیا کرتے ہیں مگر اس میں شک نہیں کہ لوگوں میں دلی ناراضی

پھیل گئی۔

باین ہمہ یا تو چارلس ممالکِ یورپ میں اقتدار سے کلیتہً دست بردار ہو جاتا، ورنہ مزید فوج اور روپیہ فراہم کرنا ناگزیر تھا۔ اور مجلس شاہی کی سب تجویزیں ناکام ہو چکیں تو پارلیمنٹ کو طلب کرلینے کے سوا اور کوئی چارۂ کار نہ رہا۔ اظہارِ آشتی

تیسری پارلیمنٹ

کی غرض سے سیاسی قیدیوں کو رہائی دے دی گئی اور اس مرتبہ انتخابات میں بھی کوئی مداخلت نہ کی گئی۔ چنانچہ تمام پرانے نکتہ چیں منتخب ہوئے اور بادشاہ کے مقابلے میں پہلے سے بھی زیادہ قابل اشخاص جمع ہو گئے۔ اجلاس شروع ہونے سے قبل سرگروہوں نے طے کیا کہ بکنگھم سے مواخذے کی تجدید نہ کی جائے بلکہ گزشتہ پارلیمنٹ کے برخاست کے وقت سے اب تک جو بے ضابطگیاں ہوئی تھیں ان پر پوری توجہ مبذول ہو۔ چنانچہ کوک نے خود رایانہ طریق پر لوگوں کے قید میں ڈالنے پر اعتراض کیا۔ الیئٹ نے جبری قرضے پر ویںٹ ورتھ نے شاہی کارندوں کی عام بے راہ روی پر۔ سب اعتراضات کا خلاصہ کوک ہی کے اعتراضات میں تھا جس نے یہ تنقیح مرتب کی کہ "آیا بادشاہ اظہار سبب کے بغیر کسی آزاد شخص کو قید کر سکتا ہے؟" ویںٹ ورتھ کی رہنمائی سے اور الیئٹ، کوک، پم اور فلیپس کی ذیلی جماعت نے قانون کو از سر نو مرتب کرنا چاہا۔ ویںٹ ورتھ گزشتہ پر صلواۃ بھیجنے کے لیے تیار تھا بشرطیکہ آئندہ کا انتظام ٹھیک ہو جائے۔ لیکن چارلس کو یہ خبر ہوئی تو کہلا بھیجا کہ کیا تم لوگوں کو بادشاہ کے قول و قرار پر اعتماد نہیں ہے؟ اس پر دارالعوام نے جدید قانون مرتب کرنے کی بجائے ایک "معروضۂ حق" تحریر کیا۔ مسودۂ قانون

معروضۂ حق

کی صورت میں تو شاہی منظوری میقات کے ختم پر ہوتی اور معروضہ کا جواب فوراً مل سکتا تھا اور اسی پر دارالعوام فیصلہ کرتا کہ پانچ رقمی منظوریوں کے متعلق جو زیر غور تھیں، کیا طرز عمل اختیار کیا جائے۔ دوسرے معروضے میں قانون کو جیسا تھا، اسی صورت میں دہرا دیا گیا تھا اور کسی خاص اندیشہ ناک زمانے کے لئے کوئی استثنائی شکل تسلیم نہیں کی تھی۔ دارالامرا نے معروضے کی تائید کی اور سرکاری طور پر اسے بادشاہ کی خدمت میں بڑھا دیا۔ اس

باب دوم

عرضی میں فرمان شاہی ڈی ٹیلا گیولوں کونسیڈنڈو ... (دیکھو صفحہ ۲۲۳) اور منشور اعظم کا حوالہ دے کر درخواست کی تھی کہ آئندہ پارلیمنٹ کی متفقہ منظوری کے بغیر کوئی شخص نذرانہ، قرضہ، تحفہ، محصول یا اور کوئی رقم ادا کرنے پر مجبور نہ کیا جائے... کسی آزاد مرد کو حراست یا قید میں نہ ڈالا جائے اور اعلیحضرت براہ کرم ان لوگوں کو جو اس طرح فوج میں داخل کر لئے گئے ہیں، آزاد کر دیں۔ یہ فوجی احکام منسوخ کئے جائیں اور آئندہ اس قسم کی فوجی خدمات تفویض نہ کی جائیں کہ مبادا ملک کے قانون اور حقوق کے خلاف، اعلیحضرت کی رعایا کا کوئی فرد، ایسے (جبری) فوجی نشان کی بدولت ضائع ہو یا قتل کر دیا جائے۔"

معروضے کے منظور کرنے میں چارلس کو بہت تامل رہا لیکن بالآخر وہ دب گیا اور منظوری کے معاوضے میں پارلیمنٹ نے بھی اسے پانچوں رقمی منظوریاں دے دیں۔ ارکان دارالعوام کو خوشی تھی کہ انھیں کامل فتح نصیب ہوئی۔

مذہب

تاہم انھوں نے حکومت کے طرز عمل پر رائے زنی کا سلسلہ موقوف نہیں کیا اور اسی غرض سے ایک احتجاج نامہ مرتب کیا جس میں حکومت کی خرابیاں بکنگھم سے اور کلیسا کی بدعنوانیاں لاڈ سے منسوب کیں۔ بکنگھم خوشی سے تیار تھا کہ الزام لگانے والوں سے رُو در رُو گفتگو کرے کیونکہ اسے اپنے بے قصور ہونے کا یقین تھا لیکن چارلس نے صاف انکار کر دیا اور یہ راستہ بند ہوا تو دارالعوام نے پھر اپنی توجہ محاصل درآمد برآمد پر منعطف کی۔ وہ اس محکمے کی پوری پوری تنقیح کرنا چاہتے تھے اور چونکہ اس میں دیر ہوتی لہذا انھوں نے آئندہ میقات تک وصولِ محاصل کی اجازت دے دی۔ چارلس اس بات پر بھی رضامند نہ تھا اور جب دارالعوام نے تازہ حجت یہ نکالی کہ مذکورۂ بالا محاصل کا بغیر پارلیمنٹ کی منظوری کے وصول کیا جانا، "معروضۂ حق" کے خلاف ہے، تو اس کے جواب میں بادشاہ نے فوراً پارلیمنٹ کو برخاست کر دیا۔

ولیم لاڈ

اس وقفے میں چند اہم واقعات پیش آئے۔ اول یہ کہ لاڈ کو باتھ اور ویلز کی دُوردست اسقفی سے بدل کر لندن کی اہم اسقفی پر مقرر

کیا گیا۔ وہ ریڈنگ کے ایک لباس فروش کا بیٹا تھا۔ ۱۵۷۳ء میں پیدا ہوا اور
آکسفرڈ کے سینٹ جان کالج میں تعلیم پائی۔ آکسفرڈ پہنچ کر اسے معلوم ہوا کہ
اس دار العلوم کے مذہبی خیالات بہت کچھ کالونی ہیں۔ خود اس کے عقائد ارمینی تھے
یعنی وہ اُس گروہ میں تھا جو روما کی غلطیوں کی تکذیب میں تو پروٹسٹنٹ
تھا مگر کالونی عقیدے کو بھی اس کا تنہا بدل نہیں مانتا تھا۔ بلکہ اس کے جبری
عقیدے کے خلاف قدریت یا اختیار پر زور دیتا تھا۔ رسوم دین میں لاڈ کلیسائے
انگلستان کے پرانے طریق پر چلنا چاہتا تھا اور ان کی سند کلیسا کے انھی قدیم
علما کی عادات و آرا سے لیتا تھا، جو حواریوں کے بعد کی نسل تھے۔ قدرتی
طور پر کیتھولک اور پیوریٹن دونوں فرقوں میں یہ گروہ مطعون بن گیا کیونکہ
کیتھولک تو پاپائی اقتدار سے انکار کے باعث اسے گمراہ سمجھتے تھے اور پیا
پیوریٹن اس لیے کہ رسوم دینی میں وہ بہت کچھ اسی پرانے مذہب کا مقلد
تھا۔ بایں ہمہ لاڈ نے آکسفرڈ کو اپنا ہم خیال بنالیا اور مجلس کلیسا میں اس کے خیالات
اس حد تک قابل قبول سمجھے گئے کہ وہ بہت جلد جلد گلوسٹر کا مہتمم کلیسا، پھر
سینٹ ڈیوڈ اور آخر میں باتھ اور ویلز کا اُسقف مقرر کیا گیا۔ جیمس کے عہد میں
جو اس کی قابلیتوں کا معترف لیکن اس کی سرگرمیوں سے اندیشہ مند تھا وہ بادشاہ
سے دُور ہی کی خدمات پر مامور رہا۔ آخر چارلس نے کم احتیاطی سے لندن کا اسقف
اور امور مذہبی میں اپنا مشیر مقرر کیا۔ لاڈ مخلص دینی آدمی تھا اور یقین رکھتا تھا کہ
پیوریٹن فرقہ برسر غلط اور خود وہ صحیح راستے پر ہے۔ اسے پیوریٹن فرقے کے مخلص افراد
سے ملنے کا اتفاق کبھی نہیں ہوا تھا کہ وہ ان کی صداقت اور جوش خدا پرستی کا
اندازہ کرسکتا۔ اسی طرح خود وہ لوگ لاڈ کے اوصاف ذاتی کا صحیح اندازہ نہ رکھتے
تھے نتیجہ یہ ہوا کہ فرقہ مذکور اور درباری علما میں اختلافات پہلے سے زیادہ وسیع
ہوگئے۔

شہر لندن، پیوریٹن گروہ کا خاص مرکز تھا لہذا وہاں کے بہت
سے پادری بھی نئے اُسقف کے ہمنوا نہ نکلے اور لاڈ کی نسبت عام اہل انگلستان
یہ سمجھنے لگے کہ وہ نہایت متعصب جابر ہے۔ بخلاف اس کے چارلس کو اپنے

باب دوم

مشیر پر کامل اعتقاد تھا اور اُس نے یہاں تک حماقت کی کہ لاڈ کی بعض نہایت ہی نامقبول کارروائیوں کے ساتھ اپنا نام شامل کئے جانے کی اجازت دے دی۔ سب سے شدید مناقشہ جن مسئلوں میں پیش آیا وہ عشائے ربانی کی میز یا قربان گاہ اور گشتی واعظوں کے حقوق تھے۔ پہلے مسئلے میں تو نام ہی پر جھگڑا اٹھا۔ دوسرے لاڈ تو میز کو گرجا کے مشرقی سرے پر خاص حرمت کے ساتھ لگانا ضروری سمجھتا تھا اور پیوری ٹن وسط میں منبر کے سامنے بلا کسی خاص احترام کے رکھنا چاہتے تھے۔ کئی سال عام طور پر یہی طریقہ، بعض بڑے کلیساؤں تک میں رائج ہوگیا تھا اسی لئے لاڈ کی اس کوشش سے کہ پادری آئندہ اس کی رائے پر عمل کریں جگہ جگہ سخت جھگڑے پیدا ہوئے۔ گشتی واعظوں کی ضرورت اور فوائد پر پیوری ٹن بہت زور دیتے تھے اور خود اُن کے بعض بہترین علما اسی طرح وعظ و تلقین کرتے پھرتے تھے۔ بخلاف اس کے لاڈ ہر پادری کو اپنے گرجا یا صرف اس مقام پر وعظ کی اجازت دینی چاہتا تھا، جہاں کے واسطے حلقے کے اسقف نے اسے اجازت نامہ دیا ہو۔ بادشاہ لاڈ کی تائید پر تھا بلکہ شاہی سرپرستی اُسی کے ہم خیال اشخاص کو حاصل ہوئی۔ کوزن کو ڈرہم کا، نیل کو ونچسٹر کا، جکسن کو لندن کا اور مونٹیگو کو چچسٹر کا اسقف مقرر کیا گیا۔ مین ویرنگ کو معقول وظیفہ عطا ہوا۔ اور جو لوگ ان سے اختلاف رکھتے تھے انھیں کوئی ترقی نہیں ملی۔ شاہی الطاف و اکرام کے عوض میں لاڈ اور اس کے دوست پوری تن دہی سے بادشاہ کے اقتدار و امتیاز پر تقریر و تحریر کرتے تھے اور ادھر ستم رسیدہ کالوِنی فرقہ اب معترضین کے ساتھ مل گیا تھا۔ اس طرح سیاسی اور کلیسائی ناراضی نے ایک متحد فریق مخالف تیار کر دیا۔

وینٹ ورتھ

جن دنوں لاڈ لندن کا اسقف مقرر ہوا، اُسی زمانے میں وینٹ ورتھ نے دارالعوام کے سرگروہوں سے قطع تعلق کر لیا۔ وہ یارک شر کے ایک پرانے خاندان کا آدمی تھا۔ ۱۵۹۳ء میں پیدا ہوا۔ کیمبرج میں تعلیم پائی اور بیرونی ممالک میں سیر و سیاحت کرنے کے بعد ادتھرہیم کے قریب اپنے دیہی مکان "وینٹ ورتھ وُڈ ہاؤس" میں رہنے سہنے لگا۔ یہاں وہ اپنے دیہاتی کاروبار میں مصروف رہتا یا شکار اور سپاہیانہ کھیلوں میں وقت گزارتا اور

باب دوم

ان سب کھیلوں میں طاق تھا وہ جیمس کے عہد کی کئی پارلیمنٹوں میں مبعوث منتخب ہوا
لیکن زیادہ سرگرمی نہ دکھائی۔ حتیٰ کہ بکنگھم کی بدنظمی نے اُسے بھی جوش دلایا۔
وہ شروع سے ایک منتظم اور کارواں حکومت کے قیام کا خواہاں تھا، اسے پیوریٹن
عقائد کی کچھ پروانہ تھی اور بیکن کی طرح یہ بھی سمجھتا تھا کہ نیم خواندہ دارالعوام کی
مداخلت سے ملک کو اتنا فائدہ نہ ہوگا جتنا باخبر وزرا کی عاقلانہ حکومت سے۔
معلوم ہوتا ہے اسے امید تھی کہ "معروضۂ حق" سے بے ضابطگیوں کا آئندہ
سدباب ہو جائے گا اور وہ چارلس کو ایک اور موقع دینے پر آمادہ تھا۔ اسی لئے
اس عرضی کے منظور ہونے پر وہ شمال میں چلا آیا اور "بیرن وینٹ ورتھ" کا نوابی
خطاب قبول کر لیا۔ تھوڑے ہی دن میں اسے شمالی اضلاع کی مجلس کی صدارت
دی گئی اور یہاں اس کی اعلیٰ انتظامی قابلیتوں کے جوہر کھلنے کا میدان ملا۔
وینٹ ورتھ، بکنگھم کے ساتھ مل کر کبھی کام نہ کر سکتا تھا کیونکہ اس کی قابلیتوں
سے وینٹ ورتھ کو سخت سوئے ظن اور اس کی بیرونی حکمت عملی سے قطعی نفرت
تھی۔ لیکن ۱۶۲۹ء میں بکنگھم کو جان فیلٹن نے پورٹس متھ میں مار ڈالا۔

محاصل درآمد برآمد

ادھر بادشاہ محاصل درآمد برآمد کو حسب سابق برابر وصول
کر رہا تھا اور یقین رکھتا تھا کہ "معروضۂ حق" کا مطلب یہ
نہیں ہو سکتا کہ ان محاصل کو روک دیا جائے جو اس کی آمدنی کا ایک رُبع تھے۔
لیکن مزاحمت بھی شروع ہو گئی تھی اور آلڈرمین چیمبرس مالگزاری کی کچہری میں لایا
گیا تو اس نے جتایا کہ دنیا کے کسی حصے میں سوداگروں کو اس طرح نچوڑا اور چچوڑا نہیں
جاتا، جس طرح انگلستان میں اور ترکی میں ان کے ساتھ انگلستان کی نسبت کہیں بہتر
برتاؤ ہوتا ہے۔" یہ کلمات زبان پر لانے کے باعث وہ اسٹار چیمبر کی عدالت میں لایا
گیا اور وہاں دو ہزار پاؤنڈ جرمانہ اور اعتراف قصور کرنے تک قید کی سزا ملی۔ مگر
آفریں ہے چیمبرس پر کہ اس نے اس قسم کا کوئی اعتراف کرنا قبول نہ کیا۔
۱۶۲۹ء میں پارلیمنٹ کی میقات شروع ہوئی تو ارکان دارالعوام فوراً
محاصل درآمد برآمد کے مسئلے پر متوجہ ہو گئے۔ مقررہ منظوری دینے میں سب سے
بڑی رکاوٹ وہی اضافے کا پریشان کن قضیہ تھا جو بیس برس سے طے ہونے میں

نہ آتا تھا۔ اگر محاصل درآمد برآمد اپنی جگہ پر رہتے تو مصالحت کی صریحی صورت یہ تھی کہ ان کو علیٰ حالہ منظور کرلیا جاتا۔ مگر زیادہ اچھی شرطوں کے لالچ میں ارکان پارلیمنٹ منظوری دینے پر آمادہ نہ ہوئے اور پھر جلد ہی اسے چھوڑ کر مذہب کے قضیے پر متوجہ ہو گئے جو محاصل سے بھی زیادہ ضروری نظر آتا تھا اس معاملے میں دارالعوام نے الیئٹ کی سرگردہی میں انتہائی پہلو اختیار کیا گویا اصلاح کلیسا کی پوری تحریک پر کوئی حملہ کیا جارہا تھا انھوں نے سب سے زیادہ لے دے چارلس کے اس فرمان کی کی جس میں بادشاہ نے نزاعی مسائل پر خاموش رہنے کی ہدایت کی اور حکم دیا تھا کہ ارکان دین کے جو معنی اسقفوں نے بتائے ہیں وہ بے چون وچرا قبول کر لئے جائیں۔ مگر ظاہری معقولیت کے باوجود حقیقت میں یہ ارمینی فرقے کے ہاتھ میں کھلونا بن جاتا تھا۔ اسی کے خلاف الیئٹ نے سخت احتجاج کیا اور لارڈ ومون ٹیگیو جیسے فرقہ پرستوں کی رائے کو آخری فیصلہ مان لینے کی تجویز پر خوب گرجا برسا۔ لیکن افسوس ہے کہ خود دارالعوام بھی عقائد کے معاملے میں قطعی فیصلہ کرنے کی صلاحیت نہ رکھتا تھا اور جس طرح اسقفوں کو اپنے مخالفین سے رواداری کرنے کا خیال نہ آتا تھا اسی طرح پیوریٹن بھی اس جذبے سے عاری تھے۔ جس طرح لاڈ نے کالونی واعظوں کو عدالت تحقیقات میں طلب کر کے خوشیاں منائی تھیں، اسی قسم کا جذبہ دارالعوام کے ارکان میں ساری تھا جنھوں نے "ارمینی اور پاپائی بدعتوں کے بانیوں اور مویدوں" کو سزا دینے اور اُن کے مخالفوں کو کلیسائی عہدے دینے کا مطالبہ کیا۔ بہرحال چارلس اور عام رعایا کے درمیان جو خلیج تھی، روز بروز اس کی وسعت اور گہرائی ظاہر ہوتی گئی۔

محاصل درآمد و برآمد پر ارکان دارالعوام نے دوبارہ توجہ کی تو براہ راست حملہ کرنے کی بجائے انھوں نے محصول خانے کے عہدہ داروں سے بازپرس کرنی چاہی۔ لیکن یہ تدبیر بالکل نہ چلی کیونکہ چارلس نے اپنے ملازمین کے افعال کی پوری ذمہ داری خود لی اور دارالعوام کو ایک ہفتے کے لئے ملتوی کر دیا اور جب دوبارہ اجلاس شروع ہوا تو بادشاہ نے دوبارہ التوا کا حکم دیا۔ اس بار الیئٹ نے یہ حکم نہ مانا اور دوسرے ارکان بھی اُس کے ہمنوا ہو گئے۔ ہولز اور وے لن ٹائن نے

میر مجلس کو جبراً کرسی پر بٹھائے رکھا اور اصرار کیا کہ ایلیٹ کو بولنے کا حق ہے۔ پھر اس حالت میں کہ بادشاہی قاصد باہر دروازہ کھٹکھٹا رہا تھا اور اندر عجب طرح کا جوش پھیلا ہوا تھا، تین قراردادیں منظور ہوئیں جن میں دارالعوام کی اُس وقت کے دونوں اہم مسئلوں پر رائے مندرج تھی۔ ان کے الفاظ یہ تھے:۔

۱۔ "جو کوئی مذہب میں نئی بات نکالے گا، یا تائید خاص کے ذریعے پاپائیت یا ارمینیت کی ترویج یا توسیع کرنی چاہے گا، یا اس قسم کی آرا کی جو مذہب حقہ و مسلمہ کے خلاف ہیں، تو وہ اس ملک اور دولت عامہ کا ایک دشمن کہلائے گا۔"

۲۔ "جو کوئی ایسے محاصل درآمد برآمد کے لگانے یا وصول کرنے کا جن کی پارلیمنٹ نے منظوری نہیں دی، مشورہ یا صلاح دے گا یا اس قسم کی وصول یابی میں شریک یا کارندہ بنے گا، وہ بھی نظم و نسق میں خرابی کا مرتکب اور ملک و دولت عامہ کا ایک دشمن کہلائے گا۔"

۳۔ "اگر کوئی تاجر یا کوئی دوسرا شخص اپنی خوشی سے دبے گا یا مذکورہ محاصل کو جن کی پارلیمنٹ نے منظوری نہیں دی ادا کرے گا، تو وہ بھی انگلستان کی آزادی بیچنے والا اور ملک کا دشمن کہلائے گا۔"

پھر دارالعوام برخاست ہوگیا۔ یہ قراردادیں اس کے بدترین اور بہترین پہلو ظاہر کرتی ہیں۔ اگر پہلی قرارداد پر عملدرآمد ہوتا تو مذہبی آزادی پارلیمنٹ کی حکومت میں بھی ایسی ہی غیر ممکن ہو جاتی جیسے لاڈ کے ماتحت ہوگئی تھی۔ مگر دوسری اور تیسری قرارداد نے خود دریا نہ محاصل کی وہ گنجائش باقی نہ چھوڑی جو "معروضہ حق" میں چھوٹی رہ گئی تھی لیکن ظاہر ہے کہ چارلس تینوں میں سے ایک بات بھی ماننے والا نہ تھا۔ وہ لاڈ کو قربان کرنے پر آمادہ نہ تھا نہ اُس آمدنی کو جدوجہد کے بغیر چھوڑ سکتا تھا جو شاہان ماسبق سے بطریق مسلم اسے پہنچی تھی۔ اس لئے پارلیمنٹ کو برخاست کر دیا اور اپنی رائے کے مطابق ملک کو راہ راست پر چلانے کی خدمت ہاتھ میں لی۔ پہلا کام تو اس نے یہ کیا کہ ایلیٹ، ہولز، ڈے لن ٹائن، اسٹروڈ، سلڈن اور دارالعوام کے پانچ دوسرے ارکان کو گرفتار کرا لیا۔ مجلس شاہی میں ان سے بازپرس ہوئی تو بعض نکل گئے

الیئٹ وغیرہ کی گرفتاری

اور بعض دب گئے۔ لیکن الیئٹ، لے وے لن ٹائن اور اسٹروڈ کی تائید سے یہ دلیری کی کہ جواب میں کہا کہ "میں جواب دینے سے انکار کرتا ہوں کیونکہ میرے نزدیک پارلیمنٹ میں جو کچھ ہوا ہے اس کے متعلق کچھ کہنا، پارلیمنٹ کی عزت کے خلاف ہے۔" چارلس بہت بگڑا اور کہا کہ یہ شخص بالکل قانون سے باہر، جان مال سے ہاتھ دھوئے ہوئے ہے۔" ملزمین کی طرف سے باضابطہ ضمانت پر رہا کئے جانے کی درخواست ہوئی لیکن اس کا فیصلہ لمبی تعطیل تک ملتوی کر دیا گیا اور اس تمام مدت میں یہ لوگ قلعۂ لندن میں محبوس رہے آخر میں عدالت شاہی سے الیئٹ پر دو ہزار پاؤنڈ، ہولز پر ایک ہزار مارک اور وے لن ٹائن پر پانسو پاؤنڈ جرمانہ ہوا۔ بعض ملزمین دب گئے لیکن الیئٹ وے لن ٹائن اور اسٹروڈ اڑے رہے۔ چارلس نے بھی رحم نہ کیا۔ وہ الیئٹ کو سرغنہ سمجھ کر سب سے زیادہ اسی سے ناراض تھا شاہی قیدیوں سے جو رعایتیں کی جاتی تھیں، وہ رفتہ رفتہ موقوف کر دی گئیں۔ اس کی صحت خراب ہونے لگی مگر دیہات میں جا کے رہنے کی درخواست نامنظور ہوئی اور جب وہ مرا تو اس وقت بھی خاص چارلس کے حکم سے اُسے اپنی خاندانی ہڑواڑ کی بجائے قیدخانے کے قبرستان میں دفن کیا گیا۔ اسٹروڈ اور وے لن ٹائن اپنی بات پر اڑے رہے اور دو قصیر پارلیمنٹ، کے انعقاد کے قریب، کہیں سنہ ۱۶۴۰ء میں جا کے رہا کئے گئے۔ ان لوگوں کے استقلال کی اہمیت کا بہت کم معاصرین صحیح اندازہ کرتے تھے لیکن نسل ہا نسل گزرنے کے بعد قوم نے اعتراف کیا کہ الیئٹ حقیقت میں قومی شہید کا مرتبہ رکھتا ہے اور اسٹروڈ وے لن ٹائن پارلیمنٹ کی آزادئی عمل اور آزادئی تقریر کے سچے وکیل تھے۔ چارلس نے اُس وقت پارلیمنٹ کے ساتھ کام کرنے کا خیال ہی چھوڑ دیا تھا اور اب دیکھنا یہ تھا کہ آیا نظم و نسق کی خوبی سے وہ اپنی رعایا کو ایک مطلق العنان حکومت سے رضامند کر لینے کی قابلیت رکھتا ہے یا یہ کہ خود حالات اسے رفتہ رفتہ جبر و جور کی ایسی حکومت قائم کر لینے پر مجبور کر دیں گے جس کا ابتدا میں کوئی تخیل تک اُس کے ذہن میں نہ تھا۔

صلح کی حکمت عملی

الغرض سنہ ۱۶۲۹ء کی پارلیمنٹ کے برخاست ہونے کے بعد گیارہ سال تک

مطلق العنان حکومت کا دور دورہ رہا۔ اس عہد کے ابتدائی حصے میں چارلس کا بڑا مشیر رچرڈ (لارڈ ویسٹن) تھا جس نے آگے چل کے ایرل پورٹ لینڈ کا خطاب پایا اور اپنی وفات ۱۶۳۵ء تک وزیر خزانہ رہا۔ اسے بکنگھم نے ترقی دی تھی لیکن وہ اپنے سرپرست کی اولوالعزمانہ تجویزوں کا مؤید نہ تھا۔ بکنگھم کی طرح وہ صلح کو ترجیح دیتا اور سخت کفایت شعاری سے مالیات کی حالت درست کرنی چاہتا تھا۔ اس کے اخلاق میں درشتی اور خودرائی تھی اور اس کے دوست معدودے چند تھے۔ عقائد کے معاملے میں بادشاہ کا رہنما لاڈ تھا لیکن جب تک ایبٹ زندہ رہا اسے لندن کے اسقفی حلقے کے سوا، اور کوئی سرکاری اقتدار حاصل نہ تھا۔ وینٹ ورتھ زیادہ تر شمالی اضلاع کے کاموں میں مصروف رہتا تھا مگر لارڈ ویسٹن (وزیر خزانہ) اور وینٹ ورتھ ہی کی صلاح سے اپریل ۱۶۲۹ء میں فرانس سے اور اسی نومبر میں اسپین سے صلح کر لی گئی۔ اس کے بعد بھی چارلس اس دھن میں رہا کہ پے لے ٹی نیٹ کی ریاست فریڈرک کو واپس مل جائے اور کبھی اسپین سے مل کر اور کبھی فرانس کے ساتھ ہو کر ایسا ہو جانے کی امیدیں لگاتار رہا لیکن چونکہ برّاعظم کی لڑائیوں میں اُس نے کوئی خاص حصہ نہیں لیا لہذا مذکورۂ بالا دونوں ملکوں میں اس کی سلسلہ جُنبانی نگاہِ تحقیر سے دیکھی گئی۔

مالی دشواریاں وزیر خزانہ (لارڈ ویسٹن) کی کفایت کے باوجود خزانہ معمور نہ ہو سکا۔ بے شبہ محاصل درآمد و برآمد پھر ادا کئے جانے لگے کیونکہ سوداگروں کو تجارت کے بیٹھ جانے کا اندیشہ ہوا اور پارلیمنٹ کی طرف سے کسی اعانت کی امید باقی نہ رہی۔ صلح ہو جانے سے بھی خرچ میں بہت کچھ کمی ہو گئی۔ بایں ہمہ چارلس کے اسراف میں کمی نہ آئی اور ہنریٹا ماریہ بھی بقول اپنے شوہر کے، ”بد انتظام گرہستن“ تھی۔ لہذا ہر کام میں نظر اسی پر رہتی تھی کہ روپیہ خزانے میں کھینچا جائے۔ وصولی کی ان کوششوں کو، بہتر ہو گا کہ تین عنوانوں میں تقسیم کر دیا جائے۔ (اول) وہ کوششیں جو محض روپیہ فراہم کرنے کی غرض سے ہوئیں۔ (دوسرے) وہ جن کا ظاہری مقصد لوگوں کو فائدہ پہنچانا تھا اور (تیسرے) وہ جن سے تجارت کو فروغ دینا مقصود تھا۔ پہلے عنوان میں محاصل درآمد و برآمد کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہے۔ ان کی وصولی کے متعلق شروع میں تو چارلس یہ عذر کر سکتا تھا کہ میں وہی کر رہا ہوں جو الزبیتھ کی

وفات اور پارلیمنٹ کی باقاعدہ منظوری کے درمیان کے وقفے میں جیمس اول کا عمل تھا لیکن پارلیمنٹ نے آخری انفساخ سے قبل جو قرارداد منظور کی، اُس کے بعد مذکورۂ بالا عذر کی گنجائش باقی نہیں رہی۔ دوسری چیز خطاب مبارزی حاصل نہ کرنے کا تاوان تھا بے شبہ قانونِ رائج الوقت کے الفاظ کی رُو سے بادشاہ کو پورا حق تھا کہ ہر مبارز کو جس کی آمدنی چالیس پاؤنڈ سالانہ ہو، مبارزی خطاب (نائٹ ہڈ) قبول کرنے یا جرمانہ ادا کرنے پر مجبور کرے لیکن سو برس سے اس حق سے کام لینے کی نوبت نہیں آئی تھی اور چارلس نے اس پر اصرار کیا تو زمینداروں میں خواہ مخواہ ناراضی پیدا ہوئی؛ وصولِ زر کی غرض سے تیسری کارروائی یہ عمل میں آئی کہ جنگلوں کی از سر نو پیمائش کی گئی۔ منشوروں کی تصدیق کے بعد ہی ایڈورڈ اول نے ان کی حدود معین کر دی تھیں مگر چارلس کے قانونی مشیر اڑے ہوئے تھے کہ بہت سے قطعات جو ہنری ثانی کے زمانے میں جنگل تھے، اُس پیمائش میں چھوڑ دیے گئے اور اب جو لوگ ان اراضی پر قابض ہیں، انھیں استقرارِ ملکیت کے لئے تاوان بھرنا چاہیے اس کا اثر جنگل کی تمام اراضی کے زمینداروں پر پڑا اور، مثال کے طور پر، روکنگھم کا جنگل ہی ۶ میل سے بڑھا کے ساٹھ میل قرار دیا گیا۔ یہ سچ ہے کہ تاوان قلیل تھا اور ضبطی وغیرہ کی نوبت نہیں آتی تھی لیکن لوگوں کو بہت ناگواری ضرور پیدا ہوئی اور تاوانِ مبارزی کی طرح اس کارروائی سے نقصان بھی ایسے طبقے کو ہوا جو محاصل درآمد برآمد سے متاثر نہ ہوئی تھی اور جس پر شہر کے پیوریٹن عقائد کا بھی چنداں اثر نہ تھا۔

دوسرے عنوان کے تحت میں جو رقوم وصول کی گئیں ان کی یہ تاویل کی جا سکتی ہے کہ اُس زمانے کے خیالات کے مطابق ان کا مقصد اچھا تھا، اور وصولِ زر محض ایک ثانوی غرض تھی۔ دیہات کی ویرانی اور شہروں میں کثرتِ آبادی کی روک تھام اُس زمانے میں بھی ایسے ہی توجہ طلب مسائل تھے، جیسے آج کل ہیں۔ چارلس کے عہد میں سر انٹونی روپر وغیرہ اشخاص پر جرمانے کیے گئے کہ انھوں نے دیہی مکان ڈھائے اور نیز قابلِ زراعت اراضی کو بنجر ہو جانے دیا تھا اور دوسری طرف اسٹار چیمبر کی عدالت

باب دوم

نے لندن کے عمارت سازوں اور کرایہ داروں سے بھی خوب ڈنڈ لیا کہ وہ شہر میں مکان بنائے چلے جاتے تھے یا حد سے زیادہ آدمیوں کو مکانوں میں ٹھیرا لیتے تھے۔

تجارت کی تنظیم اُن دنوں حکومت کے فرائض میں تسلیم کی جاتی تھی۔ اہل دربار کو اجاروں کا ملنا اس قدر نامقبول تھا کہ ۱۶۲۴ء میں اس کی ممانعت کر دی گئی لیکن کسی مشترکہ جماعت کو خاص تجارت یا صنعت تفویض کرنا ایسا معیوب نہ تھا۔ لوگ خیال کرتے تھے کہ شخصی مقابلے کی بجائے تجارت کسی مستند جماعت کے ہاتھ میں دے دی جائے تو مال اچھا ملے گا۔ لیکن چونکہ اس قسم کی جماعتیں اجارہ یابی کے عوض روپیہ دینے پر آمادہ رہتی تھیں، لہذا یہ وصولی کی بھی ایک نئی بنائی صورت تھی چنانچہ لندن میں کوئلہ بہم پہنچانے کا حق جہاز سازی کے جس کارخانے کو دیا گیا تھا اس سے اقرار تھا کہ گرمیوں میں سترہ شلنگ اور سردیوں میں انیس شلنگ فی ہانی "دو کال ڈرن" (= تقریباً ۲۰ من) نرخ سے کوئلہ فروخت کرے گا اور فی ہانی ایک شلنگ شاہی خزانے میں ادا کرے گا۔ صابون سازی کا اجارہ ایک دوسری جماعت کو دیا گیا تھا جو فی ٹن ۸ پونڈ نذرانہ ادا کرتی تھی۔ اسی طرح، نشاستہ، شراب، اینٹ وغیرہ مختلف اشیا کا انتظام کیا گیا تھا۔ مجموعی طور پر ان انتظامات سے فائدے کی نسبت نقصان زیادہ پہنچا تھا اور تجارت پیشہ طبقوں میں اجاروں سے بہت ناراضی پیدا ہوتی تھی۔

آئرستان

۱۶۳۱-۳۲ء کے جاڑوں میں وینٹ ورتھ آئرستان کا نائب شاہ یا والی مقرر ہوا۔ ۱۶۱۵ء میں چچسٹر اس عہدے سے ہٹا تو سر اولی ور سن جن، اور ہینری کیری (= لارڈ فاک لینڈ) مقرر ہوئے اور انھوں نے چچسٹر کے نظم و نسق کی تقلید کی اور السٹر کی طرح ویکس فرڈ، لانگ فرڈ، ویسٹ میتھ اور لیٹ رم کے پرگنوں میں انگریز آباد کار بسائے۔ ان والیوں کو بڑی دشواری یہ پیش آئی کہ فوج کے لئے کافی روپیہ وصول نہ ہوتا تھا اور فاک لینڈ کو تین سال کے لئے ہہ ہزار پونڈ اضافے کی منظوری بھی بادشاہ سے اسی شرط پہ حاصل کرنی پڑی کہ اہل آئرستان کے ساتھ بعض رعایتیں کی جائیں۔ انھیں "مراحم خسروانہ" (= گریسز) موسوم کرتے تھے اور ان میں قابل ذکر یہ تین رعایتیں تھیں کہ (۱) افضلیت کے

حلف کی بجائے صرف حلف اطاعت لیا جائے (۲) گرجا میں حاضر نہ ہونے کا (ایک شلنگ) جرمانہ موقوف ہو اور (۳) ساٹھ سال کا قبضۂ اراضی بادشاہ کے دعاوی پر بھی فائق اور ملکیت کا کافی ثبوت تسلیم کیا جائے۔ یقین تھا کہ ان رعایتوں کی تصدیق پارلیمنٹ سے کرادی جائے گی لیکن وینٹ ورتھ کے تقرر تک کوئی پارلیمنٹ منعقد نہیں ہوئی۔

وینٹ ورتھ کا یہ عہدہ قبول کرنے سے منشا یہ ثابت کرنا تھا کہ لائق آدمی کے ہاتھ میں کامل اقتدار ہو تو وہ کیا کچھ کام کرسکتا ہے۔ اس کا عقیدہ تھا کہ ملک کے فائدے کے لئے شخصی اغراض کو پس پشت ڈال دینا چاہئے۔ ہر شخص کا مطمح نظر یہ ہونا چاہئے کہ بہتر سے بہتر کام کرے اور دولت و جاہ کوئی شے قصورواروں کو سزا سے محفوظ نہ رکھ سکے۔ اس قسم کے نظم و نسق کو وہ "کامل" کہتا تھا گر یہ اصول کسی ملک میں سرکاری عہدہ داروں کی عادت سے شاید اتنا بُعد نہ رکھتے ہونگے جتنا آئرستان میں رکھتے تھے۔ جہاں فاک لینڈ کے جانے کے بعد سے ملک کا انتظام عہدہ داروں کی ایک ذیلی مجلس کے ہاتھ میں تھا اور وہ لوگ بقول وینٹ ورتھ کے، صرف اپنے فائدے سے کام رکھتے تھے۔ ان کا ایک نمونہ روبرٹ بوائل تھا جو ۱۵۸۸ء میں آئرستان کے ساحل پر اترا تو صرف ۲۷ پاؤنڈ جیب میں تھیں لیکن اب سرکاری ملازمت میں آئرستان کا سب سے بڑا زمیندار اور امیر کورک کے لقب سے ملقب ہوگیا تھا۔ ایسے لوگوں کی حکومت میں انتہائی بدنظمی پھیلی ہوئی تھی۔ مالیات بالکل ابتری کی حالت میں تھے۔ فوج کا نام ہی نام تھا عمل کچھ نہ تھا اور سرکاری ملازمت ہی "بالائی آمدنی" اور خیانت و رشوت کے مرادف بن گئی تھی۔ وینٹ ورتھ نے سب سے پہلے ان اوزاروں کو درست کیا جن سے وہ آئندہ اپنی حکمت عملی کے مطابق کام لینا چاہتا تھا۔ یہ حکمت عملی اُس زمانے کے سبھی انگریزوں کے نزدیک اس عقیدے پر مبنی تھی کہ آئرستان کی نجات صرف اس طرح ممکن ہے کہ وہاں کی کیتھولک اور قلطی آبادی کو پروٹسٹنٹ انگریزوں کے عقائد و عادات اختیار کرنے پر مجبور کر دیا جائے۔ فرق یہ ہے کہ دوسرے انگریز اس کام کو خود غرضی اور ذاتی نفع کے لالچ میں کیا کرتے تھے اور وینٹ ورتھ نے اس کو ملک کے حق میں بہتر

سمجھ کر اپنی جان لگادی۔ اس کے عام مقاصد یہ تھے کہ آئرستان کے عوام کو مادی خوش حالی کے راستے دکھا کر خوش حال بنایا جائے۔ اور تعلیم اور پروٹسٹنٹ عقائد کی ترویج سے ان کی اخلاقی اور قومی حالت سنواری جائے۔ وہ امید کرتا تھا کہ اس کی حکومت سے ملک کی حالت چند سال میں ایسی بدل جائے گی کہ پھر کوئی شخص زمانۂ سابق کے حالات کو واپس لانے کی تمنا نہ کرے گا۔

وینٹ ورتھ کی اصلاحات

وینٹ ورتھ نے سب سے اول تو فوج کی از سر نو تنظیم کی۔ ایک ایک سپاہی سے خود ملا۔ باقاعدہ تنخواہ ملنے کا انتظام کیا اور سردار و سپاہی سب کو ضابطے کا پابند بنایا۔ سمندروں میں بحری قزاقوں کی کثرت تھی۔ یہ دیکھ کر وینٹ ورتھ نے اپنی جنگی کشتیاں خود تیار کرائیں اور بہت جلد جہاز رانی کو محفوظ کر دیا ہالینڈ سے پٹ سن منگا کے آئرستان میں رائج کیا اور اسی ملک کے جلاہے بلوا کے پٹ سن کے کاتنے اور بُننے کی تعلیم دلوائی۔ خود اپنا روپیہ پیشگی دے کے توپ سازی کا کارخانہ بنوایا اسے آرزو تھی کہ آئرستان اور انگلستان اپنی ضروریات میں ایک دوسرے سے ایسے وابستہ ہو جائیں کہ انھیں باہمی تعلق سرسبزی اور خوشحالی کی ضمانت نظر آئے۔ آئرستان، انگلستان کا کپڑا خریدے۔ انگلستان آئرستانی ململ مول لے۔ انگلستان کے تاجر اپنے جہازوں کی رسد رسانی آئرستانی گلوں کے گوشت سے کریں جسے چیشر کے نمک سے محفوظ کیا گیا ہو۔ اور آئرستان کے کارخانے والے نمک پر جو محصول ادا کریں وہ شاہی مداخل کی توفیر کا موجب ہو۔

اخلاقی درستی کی غرض سے وینٹ ورتھ اصلاح کلیسا کی طرف متوجہ ہوا۔ جب وہ آیا تو آئرستان کے پروٹسٹنٹ مذہب کی حالت انتہا درجے خراب تھی۔ گرجے شکستہ حالت میں پڑے تھے۔ اُن کی اراضی جو مصارف کی کفیل ہوتیں، امیر کورک جیسے لوگوں کے ہاتھ میں آگئی تھیں اور، مثال کے طور پر یہی امیر کلیسائے لِس موری کی اراضی سے جس پر اس نے صرف بیس پاؤنڈ دے کے قبضہ حاصل کر لیا تھا) ایک ہزار پاؤنڈ سالانہ وصول کرتا تھا۔ ایک پادری کی حقیر سی تنخواہ کے واسطے کئی کئی معاشول کو ملانا پڑتا تھا اور محصول عشر کی کلیسائی آمدنی کی بادشاہ اور غیر کلیسائیوں نے طرح طرح سے لکا بوٹی کر رکھی تھی۔ پادریوں میں بہت کم لوگ آئری زبان بول سکتے تھے اور ایسے

جنھیں اپنے برائے نام حلقے والوں سے کوئی محبت یا ہمدردی ہو، تعداد میں اور بھی کم
تھے۔ ڈبلن کے ایک گرجا میں گھوڑے باندھے جاتے تھے۔ ایک کسی کا خانگی مکان بن گیا
تھا اور چند ہی روز پہلے کلیسائے ڈبلن کی بلند قربان گاہ پر امیر کورک نے اپنی بیوی کی
ایک لمبی چوڑی یادگار بنوادی تھی۔ اسقفوں میں صرف بیڈل ملکی زبان بول سکتا تھا۔
اس کے کلیسا میں نماز اسی زبان میں ادا کی جاتی اور اس کے حلقے میں پروٹسٹنٹ عقائد
کو بھی فروغ ہو رہا تھا۔ مگر صرف اس حلقے کی اتنی اچھی حالت سے باقی جزیرے کی
زبوں حالی اور بھی نمایاں ہو جاتی تھی۔ مدت دراز کی ان خرابیوں کو دور کر دینا ایک
شخص کی زندگی میں ممکن نہ تھا۔ تاہم وینٹ ورتھ سے جو ہو سکا، وہ اس نے کیا۔
ڈبلن کے گرجوں کو صاف کرا کے پھر عبادت گاہیں بنایا۔ کلیسا کے حجروں میں
تماکو فروشوں نے دکانیں کھول رکھی تھیں، وہ ہٹوائیں۔ امیر کورک کو مجبور کیا کہ اپنی
بیوی کی یادگار عمارت کے کسی اور حصے میں منتقل کرائے۔ عشر کی آمدنی جو سرکار کے
حصے میں آتی تھی، کلیسا کے حوالے کی۔ بیڈل کی ہمت افزائی کی کہ انجیل کا ترجمہ
جس کا آغاز چیسٹر نے کیا تھا، تکمیل کو پہنچائے۔ علمائے کلیسا پر بھی زور دیا کہ مذہب
کے عقائد وارکان زیادہ صاف طور پر پروٹسٹنٹ عقائد کے مطابق بنائیں۔

مجلس ملکی

آئرستان کی ملکی مجلس (یا پارلیمنٹ) سے وینٹ ورتھ کا معاملہ
اتنا اچھا نہیں رہا۔ اُن دنوں یہ مجلس قوم کی نیابت کا ادعا بھی
نہ رکھتی تھی۔ اس کے ارکان صرف طبقۂ اعلیٰ کے وکیل تھے اور اس میں کیتھولک اور
پروٹسٹنٹ فرقے بھی سخت اختلاف رکھتے تھے اور یہ فرق گویا پرانے اور نئے آباد کاروں
کے اختلاف عقائد کا آئینہ تھا۔ مجلس منعقد ہوئی تو پروٹسٹنٹ فریق کی اکثریت سے
وینٹ ورتھ نے سرکار کے واسطے ایک بڑی رقم منظور کرا لی اور پھر اسے اطلاع دی کہ
"مراحم خسروی" کی تصدیق آئندہ میقات سے پہلے نہ ہوگی۔ دوسری میقات میں بھی
اس نے اعلان کیا کہ انھیں کافی ردو بدل کے بغیر منظور نہیں کیا جا سکتا اور سب سے
اہم تبدیلی اُس مجوزہ رعایت میں کی جس میں حق ملکیت کا مطالبہ تھا۔ لوگ بگڑتے ہی
رہے، وینٹ ورتھ نے کسی کی نہیں سنی اور پروٹسٹنٹوں کی اکثریت سے خود
اپنے مرتب کیے ہوئے متعدد قوانین منظور کرا لیے جن سے ملک کے حالات میں

باب دوم

اصلاح و بہتری کی توقع تھی۔

ویٹنٹ ورتھ کے حق میں بڑی خرابی یہ ہوئی کہ اس کی کارروائیوں سے کورک جیسے پُرانے عہدہ دار بہت جلے اور ادھر آیندہ اس نے جو حرکت کی، اس کی وجہ سے ویٹنٹ ورتھ کو نیک نامی بھی حاصل نہ ہو سکی۔ لارڈ مونٹ مورس کے ساتھ

کوناٹ کی آبادکاری

یہ برتاؤ کہ عہدے سے علٰحدہ کرنے کی غرض سے، فوجی عدالت نے اس کے لئے سزائے موت تجویز کی، اہل آئرستان میں ویٹنٹ ورتھ کی اصلاحی تدابیر کے خلاف طاقتور دشمن پیدا کرنے کا موجب ہوا۔ اب لوگوں کو نظر آ گیا کہ حق ملکیت کو تسلیم نہ کرنے سے انگریز والی کا اصلی مطلب یہ تھا کہ کوناٹ میں جہاں بادشاہ کو بہت قدیم حق حاصل تھا، انگریز آبادکار بسائے جائیں۔ بے شبہ، ویٹنٹ ورتھ کو یقین تھا کہ اگر اس علاقے میں انگلستان کے لوگ آباد کردیے جائیں گے اور باقی اراضی لوگوں کی انفرادی ملکیت میں دے دی جائے گی تو مروجہ مشترکہ ملکیت کے طریقے کی بجائے، یہ زیادہ مفید طریقہ ہوگا۔ لیکن اُس نے یہ حقیقت ملحوظ نہ رکھی کہ قلطی باشندوں کو مشترک ملکیت نہایت عزیز ہے اور یہ لوگ انگریز زمیندار کے معینہ وقت پر مالیہ وصول کرتے رہنے کی نسبت اس بات کو زیادہ گوارا کرتے ہیں کہ اُن کے چودھری بار بار گو بلا تعین وقت کہیں زیادہ رقمیں وصول کر لیا کریں۔ مزید برآں کوناٹ میں حقوق ملکیت میں مداخلت کرنے سے خود چارلس کے وعدے کی خلاف ورزی تھی اور اس کے معنی یہ تھے کہ پھر کسی مالک زمین کو اپنے حق پر اطمینان نہ ہو سکتا تھا، بایں ہمہ ویٹنٹ ورتھ اپنی تجویز پر عمل کئے گیا حتیٰ کہ ۱۶۳۹ء میں اس کی توجہ دوسرے واقعات نے اپنی طرف منعطف کرالی۔

واضح ہو کہ جن دنوں ویٹنٹ ورتھ آئرستان میں یہ "کامل" کے انتظامات کر رہا تھا چارلس اور لاڈ انگلستان میں اپنی حکمت عملی پر عمل پیرا تھے اور مطلق شبہ نہ رکھتے تھے کہ انھیں بالآخر کامیابی نصیب ہوگی۔ ملکی اور مذہبی دونوں قسم کے معاملات میں رائے عامہ کے اظہار کو سختی سے دبایا جاتا تھا اور اس میں بادشاہ کے آلۂ کار اسٹار چیمبر

عدالت "اسٹار چیمبر"

اور صدر نظارت کی عدالتیں تھیں۔ پہلی عدالت کا جس وقت تک سرکش رعایا کے مقدمات یا خانگی تنازعوں سے سابقہ رہا،

وہ بہت جلد اور اچھا کام کرتی رہی کیونکہ وہ مجلس شاہی کے دو ارکان اور عدالت شاہی کے اور عدالت عامہ میرانِ عدل پر مشتمل ہوتی تھی اور ان دونوں کی قانونی واقفیت مجلسی ارکان کی عام تجربہ کاری سے مل کر انصاف رسی کی خاطر خواہ کفیل ہوتی تھی چنانچہ بہت لوگ معمولی عدالتوں کی بجائے اس عدالت میں اپنے مقدمات پیش کرنے کو ترجیح دیتے تھے۔ لیکن جس وقت سے اس عدالت میں وہ ملزم پیش ہونے لگے جن پر شاہی وزرا کے خلاف ہنگامہ مچانے کا الزام تھا، تو پھر یہ عدالت بے لاگ دادرسی کی بجائے، صریحی طرفداری کرنے لگی۔ اسی طرح صدر نظارت کی کچہری میں پادریوں کی اخلاقی غلط کاریوں یا ازدواجی بدعنوانیوں کی روک تھام کا کام تو بخوبی انجام پاتا رہا لیکن جب کبھی پیوری ٹن فرقے یا کسی ایسے مصنف کا مقدمہ پیش ہوا جو عدالت کے ارکان اسقفوں کے عقائد کا مخالف تھا، تو پھر عدالت کی نوعیت بھی کچھ اور ہو گئی۔ دوسرے ان عدالتوں کے خاص اختیارات، ملزمین سے جرح کرنے کا حق اور بغیر جیوری کے فیصلہ کرنے کا طریقہ، رفتہ رفتہ جور و استبداد کا ہتھیار بن گیا۔ مگر انصاف شرط ہے، یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ اس قسم کے مقدمات کی تعداد نسبتہً بہت کم ہوتی تھی اگرچہ یادہی زیادہ رہتے تھے، جو اس نوعیت کے ہوتے تھے۔

اس قسم کے مقدموں میں آلڈرمین چیمبرس کا معاملہ پہلے ہماری نظر سے گزر چکا ہے۔ ایک اور مثال ڈاکٹر لےٹن کی ہے جو اصل میں اسکاٹ لینڈ کا باشندہ اور پریس بی ٹیرین مذہب کا آدمی تھا۔ وہ لندن میں طبابت کرتا اور آباد ہو گیا تھا اور ۱۶۲۸ء میں اس نے پارلیمنٹ میں ایک عرضی پیش کی تھی کہ کلیسائی حکومت کا بالکل انسداد کر دیا جائے۔ اسی مضمون کو اس نے تفصیل سے ایک کتاب (Zion's plea against prelacy) میں تحریر کیا اور اس میں اسقفوں پر بہت بے اعتدالی سے حملے کئے۔ بکنگھم کو "جالوت" ہنریٹا ماریہ کو "حطی کنعانی، مشرکہ" وغیرہ ناموں سے موسوم کیا۔ اس کی حمایت میں صرف یہ کہا جا سکتا ہے کہ آزادی رائے کا بڑا استعمال بھی آگے چل کر آزادی کو روک دینے کی نسبت بہتر ہے۔ مگر یہ اصول چارلس کے زمانے سے کہیں بعد کا ہے، اس وقت تو لے ٹن کو باندھ کے کوڑے مارے گئے اور تشہیر کرا کے کان کٹوا دیے گئے۔ ۱۶۳۷ء میں ولیم پرین کا معاملہ اسٹار چیمبر کی عدالت

میں پیش ہوا۔ یہ نہایت ذی علم وکیل مگر ذوق سلیم سے بالکل عاری تھا۔ اس نے "وبائے ناٹک" کے نام سے ایک کتاب چھاپی تھی جس میں بے شبہ اپنے بہت سے ہم خیالوں کی یہ رائے ظاہر کی تھی کہ ایسے سانگ تماشے بالکل مخرب اخلاق ہیں۔ ناٹک کے اخلاقی اثرات پر کئی سال سے بحث مباحثے چل رہے تھے اور اس میں شک نہیں کہ شیکسپیئر کے زمانے کے بعد اس فن کی حالت بہت گر گئی تھی۔ لیکن چونکہ بادشاہ اور ملکہ ہمیشہ ناٹک دیکھنے جایا کرتے تھے، اور ہنریٹا نے خود بھی ایک سانگ میں حصہ لیا تھا لہذا پرین کا خصوصیت سے تماشا کرنے والی عورتوں کی مذمت کرنا، بڑی ناگواری کا موجب ہوا۔ پرین کو عمر قید کی سزا سنائی گئی۔ لنکن اِن اور وکالت کے طبقے سے خارج یونیورسٹی کی سند سے محروم اور سر بازار تشہیر کیا گیا اور دونوں کان کٹوا دیے گئے۔ مگر معلوم ہوتا ہے اس فیصلے سے کچھ زیادہ جوش و خروش پیدا نہیں ہوا کیونکہ پرین کی تحریر حقیقت میں شرمناک تھی۔ اور ملٹن جیسے کٹے مذہبی نے اپنی "کومس" میں ایک عورت کو حصہ دار بنا کے گویا ثابت کر دیا کہ ڈرامہ سے اچھے برے دونوں قسم کے اخلاق کا سبق دیا جا سکتا ہے۔

سنہ ۱۶۳۳ء میں لاڈ کینٹربری کا صدر اسقف مقرر ہوا۔ اس ترقی نے اُسے وسیع تر حلقے میں کام کرنے کا موقع بہم پہنچایا اور چونکہ انھی دنوں اسقفی بہ اسقفی خالی ہوتی رہی لہذا اس نے اپنے دوستوں کو ان عہدوں پر ترقیاں دیں۔ نیل، یارک کا صدر اسقف، اینن نارج اور کچھ روز بعد اپلی کا اسقف مقرر ہوا۔ اور لاڈ کی جگہ لندن کی اسقفی جکسن کو ملی۔ زیادہ زمانہ نہ گزرا تھا کہ جیمس اول کے پرانے رفیق ولیمز لنکنی کے سوا اور کوئی اُسقف جو پیوری ٹن عقائد کی طرف مائل تھا، نہ رہا۔ ان عقائد کے علما اور کلیسائی عمال کو لاڈ نے صدر نظارت کی مدد سے سختی کے ساتھ اپنے طریقے کا پابند بنایا اور اُن لوگوں کی حمایت لی جو اتوار کی سہ پہر کو سیر تفریح میں گزار لینے میں کوئی مضایقہ نہ سمجھتے تھے۔ حتیٰ کہ جیمس کی کتاب دوبارہ شائع کی جس میں اتوار کی سہ پہر کو تیر اندازی رقص اور دوسری جسمانی ورزشیں کرنے کی اجازت دی گئی تھی۔ اور پادریوں کو مجبور کیا کہ وہ ہم خیال ہوں یا نہ ہوں، اس کتاب کا مطالعہ ضرور کریں۔ لاڈ کے اس فعل نے پیوری ٹن فرقے کو بالکل دہشت زدہ کر دیا۔ لیکن اُس کے ذاتی اخلاق با حسن نیت

باب دوم

کے متعلق حرف رکھنے کی ذرہ برابر گنجائش نہیں ہے اگرچہ اُس کے جوش میں ہمدردی یا مصلحت شناسی کا عنصر مطلق موجود نہ تھا۔ یہ صحیح ہے کہ اسے رتبہ وجاہ کا پاس کرنے کی ضرورت نہ تھی اور بد اخلاقی کا ہو کوئی امیر ارتکاب کرے، وہ بھی اتنا ہی قابل مذمت تھا، جتنا کوئی دیہقانی۔ گرجوں میں تہذیب و باقاعدگی پیدا کرنے کی کوشش بھی قابل اعتراض نہ ہو سکتی تھی لیکن لاڈ یہ نکتہ بھول گیا کہ اس قسم کی سختیاں اُسی وقت چل سکتی ہیں جب کہ رائے عامہ اُن کے ساتھ ہو۔ دوسرے پیوریٹن فرقے کے علما کو اُس نے بگاڑ لیا جو رسوم ظاہری میں اختلاف کے باوجود اخلاقی اصلاح کا اتنا ہی جوش رکھتے تھے جتنا لاڈ کو تھا۔ مگر اب یہ لوگ بھی دوسری نا مطمئن جماعتوں سے جا ملے اور صدر اسقف کے زوال کا راستہ تیار ہونے لگا۔ وہ عقائد کے مسئلے چھوڑ کر صرف اعمال کی دُرستی کا بیڑا اٹھاتا، یا اعمال کی طرف سے آنکھیں بند کر کے درستی عقائد کو نصب العین بناتا، تو کامیابی ممکن تھی۔ لیکن دونوں قسم کی خرابیوں سے بیک وقت جنگ کرنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ لاڈ کے انتظامات ہر طرف نا مقبول ہو گئے اور ان پر اعتراض کرنے والوں کے مویدین کی تعداد بہت بڑھ گئی۔

لاڈ نے جبر کے جو طریقے اختیار کئے اُن میں سے ایک نشر و اشاعت کتب کا احتساب تھا کہ کوئی کتاب جو اس کے خیالات سے مطابقت نہ رکھتی ہو، طبع کی اجازت نہ پا سکتی تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ خفیہ مطابع قائم ہونے لگے اور لوگوں نے ہولینڈ بھیج بھیج کر کتابیں چھپوائیں۔ اس کاغذی جد و جہد کے سرغنہ تین شخص تھے۔ ایک تو پرین، دوسرے لندن کا ایک پادری ہینری برٹن جو دربار کا پیش امام رہ چکا تھا اور تیسرے کول چسٹر کا ایک طبیب

پرین۔ برٹن اور بیسٹ وک

بیسٹ وک۔ اور یہ تینوں کلیات کے تعلیم یافتہ تھے ۱۶۳۷ء میں تینوں اسٹار چیمبر عدالت میں پیش ہوئے۔ پرین سے دو کتابوں کے متعلق مواخذہ ہوا۔ ایک تو (A Divine Tragedy lately Acted) تھی جس میں اُن اشخاص کی اتفاقی یا ناگہانی موت کی مثالیں فراہم کی تھیں، جنھوں نے یوم السبت کی حرمت نہیں کی اور بادشاہ کے "کھیل کود کے فرمان" سے ان حادثات کا تعلق دکھایا تھا۔ دوسری کتاب "اخبار اپس وچ" میں اسقفوں پر الزام لگایا تھا کہ دیدہ و دانستہ پاپائیت کے ترویج کر رہ

باب دوم

کار استہ تیار کر رہے ہیں۔ برٹن نے دو وعظ شائع کئے تھے جن میں لاڈ کے خاطر خواہ رسموں پر سخت حملہ تھا۔ اور جان بیسٹ وک نے اپنے اوراد مرتب کئے تھے جن میں یہ مناجات بھی تھی کہ "خدایا ہمیں اسقفوں، پادریوں اور رہتویوں سے نجات دے" ان لوگوں سے عدالت برافروختہ ہوئی اور وحشیانہ سزائیں دیں، تو یہ کچھ حیرت کی بات نہ تھی۔ چنانچہ تینوں کے کان کٹوائے گئے (پرین کے پہلی دفعہ کاٹے جانے کے باوجود تھوڑے بہت باقی تھے) کاٹھ میں دے کے کھڑا رکھا گیا، اور جرمانے کے علاوہ کارنارون وغیرہ مقامات پر قید کیا گیا کہ دوست احباب سے دور رہیں پہلی مرتبہ پرین سزایاب ہوا تو کوئی خاص ہمدردی نہیں کی گئی تھی مگر اب تینوں کو قومی فدائی سمجھا گیا اور ہائی گیٹ تک ایک لاکھ آدمیوں نے برٹن کی مشایعت کی۔ بعد قید خانوں میں بھی انھیں دوست مل گئے اور آخر چارلس نے ان قیدیوں کو جزائر رود بار میں بھیجدیا کہ اپنے ہم خیالوں سے اور بھی دور ہو جائیں۔ عامۃ الناس ان لوگوں کے صرف خیالات کے ہمنوا نہ تھے بلکہ حقیقت میں اس حیثیت کے ذی علم اشخاص کا کاٹھ میں دیا جانا اور تشہیر اُن گروہوں میں بھی اشتعال کا موجب ہوئی جنھیں پیوریٹن عقائد کی ہوا بھی نہ لگی تھی۔

زرِ جہازی

ادھر حکومت کی وصولِ زر کی تدابیر ایسے طبقے کو غصہ دلا رہی تھی جو اُن سے کہیں زیادہ تھے، جنھیں لاڈ کے مذہبی استبداد نے مخالف بنا لیا تھا۔ یہ رواج قدیم سے چلا آتا تھا کہ جنگ کے زمانے میں شاہی بیڑے کی امداد کے لئے بندرگاہوں سے جہاز یا کشتیاں لی جاتی تھیں۔ بری مقامات اُصولاً مستثنیٰ ہوتے تھے لیکن الزبتھ نے لیڈز، ہیلی فیکس اور ویک فیلڈ والوں سے بھی چاہا تھا کہ بندرگاہ ہل کے جہاز فراہم کرنے میں اعانت کریں۔ بہر حال، واقعی جنگ کے سوا اور کبھی اس قسم کا مطالبہ نہیں ہوتا تھا لیکن اب ۱۶۳۴ء میں چارلس اور اس کے مشیروں نے فیصلہ کیا کہ امن کے باوجود جنگی جہازوں کی تعداد بڑھانی چاہیئے۔ اس حد تک تو فیصلہ غالباً واجبی تھا کیونکہ ولندیزی بیڑے کی قوت انگریزی تجارت کے حق میں خطرناک ہوئی جاتی تھی اور بحری قزاقی بھی عام تھی۔ لیکن اس صورت میں بھی آئینی اصول یہ تھا کہ صورت حال کو پارلیمنٹ کے سامنے بیان کیا جائے۔ اس کارروائی

باب دوم

کا مشورہ وکیل شاہی نوے نے دیا تھا جس کی نسبت کلیرنڈن لکھتا ہے کہ وہ "اس
قانون کے بنانے پر نازاں تھا حالانکہ اور سب اسے قانون ہی نہ سمجھتے تھے"۔ ان دنوں
چارلس کے دل کو لگی ہوئی تھی کہ ولندیزوں کے مقابلے کے لئے اسپین سے اتحاد کر لیا جائے
مگر چونکہ اس ارادے کو وہ اپنی شاہی مجلس میں ظاہر کرنے کی جرات نہ رکھتا تھا۔ لہذا اس
نے حیلہ یہ بنایا کہ بحری قزاقوں سے حفاظت کے واسطے روپیہ درکار ہے اور واقع میں وہ
ساحلوں پر کثرت سے تھے اور انھی دنوں انھوں نے وینٹ ورتھ کا اسباب جو
چسٹر سے ڈبلن جا رہا تھا، لوٹ لیا تھا۔ شاہی طلب نامے ساحلی مقامات کے نام جاری
ہوے تھے۔ لندن کے تاجروں نے تھوڑی سی قیل وقال تو کی لیکن روپیہ ادا کر دیا اور
انھی کی پیروی دوسرے شہروں نے کی۔ اسی زمانے میں پہلے نوے اور پھر ۱۶۳۵ء کے
اوائل میں لارڈ ویسٹن (ایرل پورٹ لینڈ) نے وفات پائی۔ خزانے کا انتظام ایک
جماعت کے سپرد ہوا جس میں لاڈ سب سے ممتاز تھا اور تھوڑے دن بعد وزیر خزانہ
کی خدمت جکسن کو مل گئی۔ زر جہازی کے پہلے دفعہ ملنے میں کوئی حجت نہ ہوئی تو دوبارہ
اسے وصول کرنے کا خیال آیا اور ۱۶۳۵ء میں پھر طلب نامے نہ صرف ساحلی بلکہ بری
شہروں کے نام بھی جاری کیے گئے اور عام تیاریوں کے سوائے جن میں ہاتھ بٹانا
ہر شخص کا فرض بتایا گیا تھا، وصولی کی اور کوئی خاص وجہ تحریر نہ تھی۔ مطلوبہ رقم
زیادہ نہ تھی لیکن اب لوگوں کو نظر آنے لگا کہ یہ نظیر قائم ہوئی تو بادشاہ کو پارلیمنٹ
طلب کرنے کی ضرورت نہ رہے گی اور وہ اخراجات پر نگرانی سے اتنا ہی آزاد اور
لوگوں کے مال متاع کا اسی طرح مالک ہو جائے گا جس طرح فرانس کا بادشاہ تھا۔
روپیہ تو ادا کر دیا گیا مگر قیل وقال کی آوازیں زیادہ بلند ہونے لگیں اور لوگ چرچا
کرنے لگے کہ بادشاہ کا یہ فعل انگلستان کے بنیادی قوانین کی خلاف ورزی ہے۔ اس

تیسری وصولی

عرصے میں ایک نئی فہرست شرح شائع ہوئی جس کی رو سے
کل محصول میں بقدر دس ہزار پونڈ کے، اضافہ ہو جاتا تھا۔ دوسرے
صاف معلوم ہوتا تھا کہ بادشاہ بسرعت رعایا کی جیبوں کا پورا مختار ہوتا جاتا ہے۔ اگلے
سال تیسری بار تازہ طلب نامے جاری ہوے تو عام ناراضی کا طوفان بھی اور بڑھا۔ امرا،
متوسطین اور عوام سب اسی محصول کے خلاف متحد ہو گئے۔ روبرٹ رچ (ایرل وارک) نے

لکھا کہ اسیکس کے مانند یہ "آزادیٔ عوام کے اتنے نمایاں معارض" پر بآسانی رضامند نہ ہوں گے۔ لارڈ سائے، رسیل اور بکنگھم کے ایک نوجوان زمیندار مسمی جان ہیمڈن نے ارادہ کرلیا کہ محصول کے جواز کی قانونی عدالت میں آزمائش کی جائے۔ بایں ہمہ بادشاہ کی آنکھیں سب خطرات کی طرف سے بند تھیں، اور ارکان عدالت کی اس رائے کے بھروسے پر کہ "سلطنت خطرے میں ہو تو بادشاہ زر جہازی وصول کرسکتا ہے" وہ روپیہ وصول کرتا رہا اور پیلے لی ٹنیٹ کو دوبارہ لینے کی تیاریاں کیں۔ اس کی صورت یہ سوچی کہ خود اسپین پر سمندر میں حملہ کرے اور فرانس خشکی کی طرف سے حملہ آور ہو، اس وقت تک وینٹ ورتھ سے بادشاہ نے کوئی مشورہ نہیں لیا اگرچہ والی آئرستان کی لاڈ سے برابر خط کتابت تھی۔ اس کی رائے نہیں طلب کی گئی تاہم جواب میں اس نے زر جہازی وصول کرنے سے اتفاق کیا بلکہ یہاں تک خواہش ظاہر کی کہ چارلس اس طریقے کو وسیع کرے تاکہ فوج بھی فراہم ہوجائے۔ اس جواب کے صاف معنی یہ تھے کہ وہ بھی بادشاہ اور لاڈ کا پوری طرح ہم خیال ہے اور گو اس کا مراسلہ راز میں تھا، تاہم لوگوں نے وجدانی طور پر مذہب و ملک دونوں کی نئی حکمت عملی میں لاڈ اور وینٹ ورتھ دونوں کو شریک سمجھا تو یہ کچھ غلط نہ تھا۔

دسمبر ۱۶۳۷ء میں ہیمڈن کا مقدمہ مالگزاری کی عدالت میں پیش ہوا سن جن اور ہوبرن اس کے وکیل تھے۔ انھوں نے حجت پیش کی کہ گو فوری ضرورت میں بادشاہ کا خود یہ فیصلہ کرنا کہ خطرے کی سنگینی زر جہازی کی متقاضی ہے، بجا ہوگا لیکن اس کی مناسب صورت یہی ہے کہ پارلیمنٹ کے ذریعہ محصول عائد کیا جائے اور موجودہ حالت میں کوئی فوری ضرورت نہیں پائی جاتی کہ کوئی دوسرا طریقہ کار اختیار کرنا جائز سمجھا جائے"۔ بارہ ارکان میں سے سات نے بادشاہ کے موافق رائے دی۔ کروک، ہٹن اور ڈین ہم اصل معاملے کی بنا پر ہیمڈن کے موید تھے اور باقی دو فنی دلائل سے اس کے ساتھ ہوگئے۔ بہرحال محض قلیل اکثریت کی وجہ سے چارلس مقدمہ جیت گیا۔ گو لوگوں کو یہی محسوس ہوا کہ ہیمڈن کے وکیلوں کی دلائل غالب رہیں۔ فنچ کا فیصلہ یہ تھا کہ "ایسے تمام قوانین پارلیمنٹ بھی باطل ہیں جن کے ذریعے سے بادشاہ پر رعایا، اور ان کی جان و مال اور میں کہتا ہوں کہ ان کے روپے پر اقتدار رکھتے ہیں، قیود عائد کی گئی ہوں لارڈ کلےرنڈن

کہتا ہے کہ فنیچ کی اس رائے سے زرجہازی سے لوگوں کی نفرت و وحشت اتنی بڑھی کہ شاہی مجلس کے تمام حکمناموں اور رعمال کی قرقیوں سے بھی پیدا نہ ہوئی ہوگی اسی طرح برکلے کا قول کہ قانون کسی ایسی حکمت عملی کو نہیں تسلیم کرتا جو بادشاہ کے اس طرح لگام چڑھا دے۔" بچے بچے کی زبان پر تھا۔ بایں ہمہ چارلس پھولا نہ سمایا۔ کیونکہ اب انعقاد پارلیمنٹ کا کھٹکا نہ تھا لاڈ کی حکمت عملی پر کوئی آفت نہ آسکتی تھی آمدنی میں کمی کا اندیشہ بھی باقی نہ رہا اور بادشاہ نے تاکید کی تمام باقیات فوراً وصول کی جائیں کچھ روز تو حقیقت میں یہ معلوم ہوتا تھا نیابتی حکومت ہی کا خاتمہ ہوگیا۔

نوآبادیاں

پارلیمنٹ کے انفساخ ۱۶۲۹ء کے وقت سے انگلستان میں تو یہ پریشانیاں پھیل رہی تھیں اور ادھر امریکہ کی نوآبادیاں تیز تیز ترقی کر رہی تھیں نیو پلی متھ کے آبادکار ادنیٰ درجے کے لوگ تھے لیکن ۱۶۲۹ء میں اچھے رتبے کے آزاد خیالوں کی ایک جماعت نے ارادہ کیا کہ اپنی بستی الگ بسائیں جہاں مذہب اور اور سیاسیات دونوں میں انگلستان کی نسبت زیادہ آزادی حاصل ہو۔ ان کے سرگروہ، سفک کا ایک زمیندار جان ون تھروپ اور ایٹن تھے جو ڈینمارک میں شاہ انگلستان کا سفیر رہا تھا۔ اس جماعت نے خلیج مساچیوسٹ کے سواحل پہ ڈیرے ڈالے اور نیو سلیم کو اپنا صدر مقام بنایا۔ ون تھروپ بہترین اخلاق کا آدمی تھا اور اس کے نام کی شہرت مشرقی پرگنوں کے بہت سے باشندوں کو امریکہ کھینچ لائی۔ واضح رہے کہ گو یہ لوگ آباد وطن کے استبداد مذہبی سے بھاگ کر آئے تھے لیکن خود وہ اپنے جدید ملک میں کامل آزادی دینے کے روادار نہ تھے۔ چنانچہ دو بھائیوں کو جو کتاب صلوٰۃ عامہ کے مؤید پائے گئے فوراً واپس انگلستان بھیج دیا گیا۔ اور طے پایا کہ جو شخص خود ان کے آزاد خیال فرقے کا پیرو نہ ہوگا، اسے ملکی معاملات میں حصہ لینے کی اجازت نہ دی جائے گی۔ ایک شخص نے حکام پر نکتہ چینی کی جرات کی تو سزا میں تازیانہ پائی، کان کترے اور چالیس پاؤنڈ جرمانہ ہوا، بالکل اسی طرح کہ گویا اسٹار چیمبر کے کٹھ ملاؤں کی ایک شاخ نیو انگلینڈ کی نوآبادی میں بھی قائم ہوگئی ہے۔ لاڈ کو یہ خبریں پہنچیں تو فوراً بادشاہ سے دریافت حال کی

اجازت لی اور نتیجہ یہ ہوا کہ مجلس شاہی سے حکم جاری کر دیا گیا کہ کوئی امیر یا شریف باشندہ شاہی اجازت نامے کے بغیر اور کوئی عامی شخص صداقت نامے کے بدوں ملک سے باہر نہ جانے پائے۔ لیکن ساری احتیاطوں کے باوجود صرف ۱۶۳۵ء میں تین ہزار آبادکار امریکہ چلے گئے اور اس اندیشے سے کہ لاڈ بزور کوئی حکم چلانا چاہے گا باقاعدہ مقابلے کی تیاریاں کرنے لگے۔ آبادکاروں کی تقلید جامد کے باوصف نوآبادی میں بھی عبادت اور خیالات کی آزادی کی وکالت میں آوازیں بلند ہوئیں۔ ۱۶۳۱ء میں روجر ولیمز آبادکاروں سے آملا اور آگے چل کے سلیم کے گرجا کا پادری مقرر ہوا۔ اس کی رائے تھی کہ مذہبی معاملات کو حکومت کے دائرے سے بالکل الگ رکھنا چاہئے۔ اس عقیدے کی تلقین سے حکام کے ساتھ جھگڑے کی نوبت پہنچی۔ اس کے اخراج کا حکم ہوا اور ولیمز معمولی چپو کی کشتی میں پانچ ساتھیوں سمیت جزیرہ رہوڈ میں چلا آیا اور اپنی بستی الگ بسائی۔ ۱۶۳۵ء میں آزادی کا ایک اور حامی، یعنی ہیری وین امریکہ آیا۔ یہ مجلس شاہی کے ایک رکن، سر ہیری وین، کا بیٹا تھا۔ امریکہ آیا تو تیئس ۲۳ سال کی عمر تھی لیکن قابلیت اور اصول کی محکم پابندی کافی مشہور کر چکی تھی اور اسی بنا پر ۱۶۳۶ء میں آبادکاروں نے اسے حاکم منتخب کیا۔ لیکن مذہبی آزادی کے معاملے میں ون تھروپ سے نہ بن سکی۔ اپنی مصلحتوں پر غور و فکر کرکے، وین نے یہ مشہور نظریہ قائم کیا کہ جہاں کہیں مذہبی ناروا داری ہوگی وہاں مذہب کی قوت اور سیاسی زندگی، دونوں کا خاتمہ ہو جائے گا۔ اگر یہ دیکھ کر کہ اس کے خیالات کو لوگ قبول کرنے والے نہیں، اور آیندہ وہ حاکم بھی منتخب نہ ہوگا، وہ واپس انگلستان چلا آیا۔

میری لینڈ لیکن اس عرصے میں مریستان (Maryland) کی چھوٹی سی نوآبادی نے رواداری کا عملی مسئلہ حل کر لیا۔ اسے کال ورٹ خاندان کے لوگوں نے بسایا تھا جن کا صدر خاندان لارڈ بالٹی مور تھا۔ یہ لوگ کم و بیش علانیہ کلیسائے انگلستان سے منحرف تھے اور چارلس کی عنایت سے انھیں نوآبادی بسانے کا جو منشور ملا، اس میں مذہبی آزادی کی گنجائش چھوڑ دی گئی تھی۔ انھوں نے اپنی بستی کا نام ملکہ کے نام پر مریستان تجویز کیا اور اس نوآبادی میں شروع

سے پروٹسٹنٹ اور کیتھولک، دونوں فرقوں کے لوگ شامل رہے۔ ایک دوسرے کی احتیاج کے باعث اختلافی مسائل کو احتیاط سے علٰحدہ رکھا گیا اور پہلی ہی آزاد مجلس میں قانون کے ذریعے کامل سیاسی اور مذہبی عبادت کی مساوات کا انتظام کردیا گیا۔ اس طرح مریستان کو ان ممالک جدید میں سب سے اول ہونے کا شرف حاصل ہے جنہوں نے مذہب کے پیچیدہ گتھی کو اس صحیح اصول سے سلجھایا جو قوم کے مذہبی اختلافات میں ہر حکومت کا مابہ العمل ہونا چاہئے۔ اور جو نہ الیٹ کی عقل میں آیا تھا نہ لاڈ کی؛ نیوانگلینڈ کے نوآبادی کو لڑنے پر آمادہ دیکھ کر لاڈ مداخلت کے ارادے سے باز رہا۔

اسکاٹ لینڈ کا کلیسائی نظم

لیکن اسکاٹ لینڈ میں اس قسم کی کوئی رکاوٹ مقصد میں حائل نہ تھی جیمس کی تخت نشینی کے وقت سے اب تک وہاں کے کلیسائی نظم ونسق میں جو ناکس نے قائم کیا تھا، بہت کچھ ردو بدل ہوچکے تھے۔ اس پرس بی ٹیرین نظام کی ابتدائی صورت بالکل جمہوری تھی اور تمام انتظام حلقے، ضلعے اور صوبے کی مجالس مذہبی کے ہاتھ میں تھا جس کی نگرانی چیدہ پادریوں اور غیر پادریوں کی مجلس عامہ کرتی تھی۔ جیمس نے ان سب کے اوپر اپنی طرف سے اسقف مقرر کئے مگر انھیں کوئی انتظامی اختیار نہ تھا بلکہ گرجا والے ان کے تقرر کی باضابطہ رسم بھی ادا نہ کرتے تھے جیمس نے مجلس عامہ سے ارکان پرتھ بھی برائے نام قبول کرائے تھے جس میں نماز کے وقت رکوع یا گھٹنوں کے بل جھکنا اور اور عید میلاد وغیرہ مسیحی تہوار منانا فرض قرار دیا گیا تھا۔ مگر عام لوگ ان جدید ضابطوں کو ناپسند کرتے تھے اور اسکوٹی پادری ابھی تک دعا میں وہ کلمات کہتے تھے جو فی الوقت ذہن میں آجائیں اور کیتھولک اور اہلِ اپنی عقائد کی بھی دل کھول کے مذمت کرتے رہتے تھے۔ چارلس اور لاڈ کو جو ۱۶۳۳ء میں بادشاہ کے ساتھ اسکاٹ لینڈ آیا تھا، یہ رنگ پسند نہ آیا اور اسکوٹی اسقفوں کو حکم دیا گیا کہ انگلستان کے نمونے پر وہاں بھی کتاب الصلوٰۃ مرتب کی جائے۔ لاڈ اور رین نے اس کی نظرثانی کی اور پھر اسکاٹ لینڈ کے ہر گرجا کو ہدایت کی گئی کہ اس کتاب کے دو دو نسخے اپنے پاس رکھے۔ اس کارروائی کا لازمی نتیجہ تھا کہ اسکاٹ لینڈ میں سخت برہمی

پھیل گئی۔ لوگوں کو یقین ہوگیا کہ یہ ساری تجویز پاپائیت کو دوبارہ رواج دینے کی تمہید ہے۔ دوسرے کتاب الصلوٰۃ سے اول تو اس بنا پر کہ اسقفوں نے اسے تیار کیا، دوسرے اس لئے کہ وہ انگلستان سے بھیجی گئی، انھیں سخت تعصب ہوگیا۔ حقیقت میں چارلس کی یہ حرکت، گویا اسکاٹ لینڈ کی رعایا کے سب سے نازک قومی اور مذہبی جذبات کو صدمہ پہنچاتا تھا۔ مگر وہ خود اس قسم کا کوئی احساس نہ رکھتا تھا۔ اُس کے لئے یہ توجیہ کافی وشافی تھی کہ نیا انتظام پرانے سے زیادہ باقاعدہ ہے۔ چنانچہ ۱۶۳۷ء کی گرمیوں میں جب کہ ہیمڈن اور سارے انگلستان میں زر جہازی کے خلاف مقدمہ تیار کر رہے تھے نئی کتاب الصلوٰۃ پہلی مرتبہ اڈن برو کے کلیسائے سینٹ جائلز میں پڑھی گئی جس سے نمازیوں میں وہ ہنگامہ برپا ہوا کہ پیش خواں کی جان ہی بچ گئی تو اس نے غنیمت جانا۔ مخالفت میں ہر طبقہ برابر کا شریک تھا۔ امرا میں امیر مونٹ روز بڑے حکام میں الکزنڈر ہینڈرسن، قانون والوں میں وارسٹن کا جانسٹن جیسے ممتاز اشخاص عوام کے دوش بدوش اس بدعت کے خلاف ساعی تھے۔ تمام سال عرضیاں اوران کے جواب لندن واسکاٹ لینڈ میں دوڑتے رہے مگر کوئی فیصلہ نہ ہوسکا۔ مخالفت کرنے والوں نے اپنی طرف سے دس ناظر وکالت ونگرانی کے لئے مقرر کئے جنھیں "ٹیبلز" کہتے تھے اور جو آگے چل کے ایک خود مختار قومی حکومت کی اساسی جماعت ثابت ہوئے مگر مخالفت میں شدت آنے کے باوجود صاف ظاہر ہوگیا کہ چارلس کی راج ہٹ کے سامنے کوئی متفقہ کوشش نہ چلے گی تب جانسٹن کے مشورے پر خود اُس نے اور ہینڈرسن نے ایک اقرار نامہ مرتب کیا جس پر دستخط کرنے والے اس بات کے پابند تھے کہ "مذکورہ بالا سچے (اصلاحی) مذہب کی حمایت کریں گے اور تمام آئینی طریقوں سے جدوجہد کریں گے کہ مذکورۂ بالا بدعتوں سے پہلے جو انجیل مروج اور معمول بہا تھی وہی بلا آمیزش وتصرف دوبارہ بحال ہو جائے۔ کیونکہ ان بدعتوں کی خدا کے کلام سے کوئی اجازت نہیں اور یہ صاف طور پر پاپائی مذہب اور استبداد کو پھر قائم کرنے کی ممد ہیں"۔ ملک کے ہر طبقے نے اس دستاویز پر کمال جوش وخروش کے ساتھ دستخط کئے اور چونکہ انکار کرنے والے دستخط کرنے والوں کے نزدیک خاصے پاپائی بن جاتے تھے لہٰذا کسی کو انکار کی جرأت بھی بمشکل ہوسکتی تھی۔

چارلس کی کمزوری

اب چارلس کو نظر آگیا کہ اُسے یا دبنا یا لڑنا پڑے گا۔ لڑنا مشکل تھا کیونکہ اسکاٹ لینڈ کے امیر انگلستان کے امیروں کی طرح نہ تھے بلکہ ابھی تک اپنے اپنے کاشتکاروں کے سردار ہوتے تھے اور ان کاشتکاروں کا فرض تھا کہ امیروں کی طرف سے جنگ کریں۔ دوسرے اسکاٹ لینڈ میں الکزنڈر لزلی وغیرہ صدہا لائق فوجی سردار موجود تھے جنھوں نے جرمانیہ اور فلینڈرس میں پروٹسٹنٹ فرقے کی طرف سے لڑائی میں حصہ لیا اور مہارت حاصل کی تھی۔ ان لوگوں کے مقابلے کے لئے چارلس کے پاس مطلق فوج نہ تھی اور اُس کے ناظم اسکاٹ لینڈ، مارکوئیس ہیملٹن نے بھی جتا دیا کہ کم سے کم اِس وقت رعایت کرنا ضروری ہوگا۔ چنانچہ نومبر ۱۶۳۸ء میں اسکوٹی کلیسا کی ایک مجلس کے انعقاد کی اجازت دی گئی اور ہرچند چارلس کا یہ منشا نہ تھا، مگر اس میں بہت سے ارکان غیر کلیسائی شامل کر دیے گئے اور اس نے الکزنڈر ہینڈرسن کو مصلح یا صدر نشین اور جانسٹن کو دبیر یا معتمد منتخب کیا جس سے مجلس کے رجحان کا بھی صاف اندازہ ہو گیا۔ اسی مجلس میں اڈن برد کے کلیسا ہی اہلکاروں نے اسقفوں کے معاملات پیش کئے۔ اسقفوں نے ہرچند کہا سنا کہ یہ مجلس ان کے معاملے میں حکم نہیں بن سکتی، کچھ شنوائی نہ ہوئی اور یہ مجلس اس قدر علانیہ اُن کے خلاف تھی کہ بالآخر ہیملٹن کو شاہی ناظم کی حیثیت سے اپنے اختیار سے کام لے کر اسے برطرف کرنا پڑا۔ مگر اُس کے اعلان کے باوجود، امیر آرجائل کی شہ پاکر، مجلس برابر اجلاس کرتی رہی اور بغیر مزید حجت کے اُس نے کلیسائی حکومت اور کتاب الصلوٰۃ وغیرہ کا خاتمہ کر دیا۔ ظاہر تھا کہ بادشاہ ان تجاویز کو خوشی سے کسی طرح قبول نہیں کرے گا، لہٰذا دونوں طرف لڑائی کی تیاریاں ہونے لگیں مگر اسکاٹ لینڈ میں، نواح ابرڈین کے سوا، اور سب جگہ بادشاہ کے رفیقوں کی تعداد بہت کم تھی اور صاف نظر آتا تھا کہ اسکاٹ لینڈ والوں کو اطاعت پہ مجبور کرنے کی صورت صرف یہ ہو سکتی ہے کہ انگلستان میں فوج بھرتی کی جائے مگر ۱۶۳۹ء کی گرمیوں تک چارلس نے اسکاٹ لینڈ کی سرحد پر بیس ہزار کے قریب سپاہی بھی جمع کر دیے جن میں سے کچھ تو شمالی اضلاع سے پکڑ بلائے تھے اور کچھ جاگیرداری آئین کے مطابق اُمرا کی جمعیت تھی۔ مگر یہ محض فوج کا ڈھانچہ تھا۔ سپاہیوں کو نہ جنگی قواعد

باب دوم

میں مہارت تھی نہ باقاعدہ تنخواہ ملتی تھی نہ سردار کارواں تھے اور نہ سپاہی دل سے
اس کام میں شریک تھے۔ بخلاف اس کے رود ٹویڈ کے اُدھر یعنی اسکاٹ لینڈ کی جانب
لزلی کے تحت میں سولہ ہزار بہت اچھے اور پوری طرح مسلح لڑنے والے، ایسے سرداروں
کے زیر قیادت فراہم تھے، جنھوں نے جرمانیہ اور فلینڈرس میں اس فن میں دستگاہ بہم
پہنچائی تھی۔ یہ فوجیں چند ہفتے آمنے سامنے بھی پڑی رہیں مگر چارلس سمجھ گیا کہ آگے
چل کے اسے جو نتیجہ کامیابی بھی ہو، بالفعل تو دبے بغیر چارۂ کار نہیں ہے۔ نظر بریں
وہ آمادہ ہو گیا کہ مذکورہ بالا مجلس کی قرار دادیں تو قبول نہ کی جائیں لیکن دوبارہ
مجلس کا انعقاد ہو اور اس کے فیصلے اسکاٹ لینڈ کی مجلس مبعوثین میں پیش کر دئے
جائیں۔ چنانچہ کلیسائی مجلس کا دوبارہ جلسہ ہوا اور اس نے محض پہلی قراردادوں
کو دوبارہ منظور کر کے اوپر بڑھا دیا۔ اور چونکہ مجلس مبعوثین سے سرکاری اساقفہ
خارج کئے جا چکے تھے، لہذا یہاں بھی مجلس کلیسا کے فیصلے بلا دقت منظور ہو جانے والے
تھے کہ چارلس نے پھر اس کو جبراً آیندہ سال تک کے لئے ملتوی کر دیا کہ مبادا اس
کی منظوری کے بعد پھر بادشاہ کو بھی تصدیق و توثیق کئے بغیر چارۂ کار باقی نہ رہے۔
اسکاٹ لینڈ والے اس فعل کو جنگ کی تجدید سمجھے اور درمیان کے وقفے میں اپنی
تیاریاں مکمل کرتے رہے۔ ٹویڈ کے کنارے جو مقابلہ ہوا اور اس میں کسی کی نکسیر تک
نہ پھوٹی، وہ تاریخ میں "پہلی جنگ اساقفہ" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

ونٹ ورتھ انگلستان میں

اس عرصے میں، چارلس نے لاڈ کے مشورے سے اپنے بہترین
مشیر کو انگلستان بلوا لیا تھا۔ یعنی ستمبر ۱۶۳۹ء میں وینٹ ورتھ
آئرستان سے آیا اور بلا تاخیر بادشاہ کا سب سے ممتاز وزیر
بنا لیا گیا۔ اب تک اس نے انگلستان کے معاملات میں بہت ہی کم حصہ لیا تھا۔
وہ بھی چارلس کی طرح قطعی رائے رکھتا تھا کہ اسکاٹ لینڈ کو جبراً مطیع کیا جائے لیکن
اس کام کے لئے غیر معمولی اہتمام کرنا ضروری سمجھتا تھا۔ چنانچہ اس نے بادشاہ
کو ترغیب دی کہ پارلیمنٹ طلب کی جائے اور اگر وہ بادشاہ کی تائید کرے، فبہا ورنہ
پھر بادشاہ اپنے آپ جیسا کچھ مناسب سمجھے عمل کرے اور اس صورت میں الزام
اُس پر نہ رہے گا بلکہ سرکش رعایا کی گردن پر رہے گا۔ یہ ثابت کرنے کی غرض سے

کہ مجلس شاہی کے ارکان دل سے چارلس کے ساتھ ہیں، وینٹ ورتھ نے خود ہیں ہزار پونڈ نذر کیئے اور اسی طرح دوسرے ارکان کی طرف سے رقوم دی گئیں اور اسی طرح کل ڈیڑھ لاکھ پونڈ جمع ہو گئے۔ مگر یہ تجویز کہ اہل لندن بھی اسی کی تقلید کریں، کامیاب نہ ہوئی وینٹ ورتھ پر شاہی اعتماد کے اظہار اور آئرستان میں اس کی کارگزاری کے جلدو میں، اسے امیر اسٹرے فرڈ بنایا گیا۔ اسی کے ساتھ ۱۶۲۹ء کے صدر نشین پارلیمنٹ ، فنچ کو، جو زر جہازی کا سخت پرجوش موید تھا شاہی مُہر داری کی خدمت تفویض ہوی۔ دوسری طرف تالیف قلوب کی غرض سے اسٹروڈ اور ویلن ٹائن قلعہ لندن سے رہا کر دیئے گئے۔

قصیر پارلیمنٹ

اپریل ۱۶۴۰ء میں چارلس کی چوتھی پارلیمنٹ جمع ہوئی جو قصیر پارلیمنٹ کہلاتی ہے۔ بادشاہ کو امید تھی کہ انگلستان کے باشندوں کو اسکاٹ لینڈ والوں کے خلاف اکسا کر فائدہ اٹھائے گا۔ پارلیمنٹ میں اسکوٹی حملے کے خطرات بہت کچھ بڑھا چڑھا کر پیش کیئے گئے۔ وہاں کی مجلس کلیسا نے شاہ فرانس کے نام ایک خط لکھا تھا۔ اس کی طرف خصوصیت کے ساتھ توجہ منعطف کرائی گئی۔ اسی کے ساتھ یقین دلایا گیا کہ پارلیمنٹ محاصل در آمد برآمد اور روپے کی منظوری دے دے گی تو بعد بعوثین اطمینان سے دوسری شکایات پر غور و بحث کر سکتے ہیں۔ اہل انگلستان کی ناراضی اگر واقع میں ایسی معمولی ہوتی جیسی چارلس اور اسٹرے فرڈ کا خیال تھا، تو یہ تدبیریں چل جاتیں لیکن پارلیمنٹ کے طرز عمل سے بہت جلد اُن لوگوں کی آنکھیں کھل گئیں جو آسانی سے سب کام ہو جانے کی امیدیں لگائے بیٹھے تھے۔ اصل یہ ہے کہ جب تک پارلیمنٹ منعقد نہ ہوی تھی، اس وقت تک ایک پرگنے والے کو دوسرے پرگنے کے حال کی بہت کم خبر تھی۔ ایک حلقے کے پادری، برابر کے حلقے والوں سے کچھ کام نہ رکھتے تھے۔ اسی لئے ملکی پیمانے پر رائے عامہ بھی نہ پائی جاتی تھی مگر جونہی ہر علاقے کے مبعوثین جمع ہوئے، رائے عامہ بھی وجود میں آگئی۔ قوم کو ترجمان و وکلا مل گئے اور گویا ملک کو دوبارہ قوت نطق حاصل ہو گئی۔

قوم کے شکووں کو الفاظ میں ادا کرنے کا کام جان پم کے حصے میں آیا اور ایلیٹ، کوک، فلیپس کے مرنے اور وینٹ ورتھ کے دوسری طرف جا ملنے سے

جان پم

جو جگہ خالی ہوئی تھی، وہ اُس نے معمور کی۔ پم کی عمر اب چھپن سال کی تھی۔ ۱۶۲۱ء سے جتنی پارلیمنٹیں ہوئیں، ان سب میں وہ شریک رہا تھا۔ وہ سمرسٹ کا زمیندار تھا مگر قانون کی تحصیل کی اور مالگزاری میں عہدہ دار بھی رہ چکا تھا۔ اسی بنا پر ہیوری ٹن فرقے میں بہت کم لوگ ملکی انتظامات میں ایسی واقفیت رکھتے تھے، جتنی اُسے حاصل ہوگئی تھی۔ پارلیمنٹ میں اسے امیر بڈفرڈ کے اثر سے نشست ملی تھی اور اس طرح دارالعوام کے علاوہ ہیوری ٹن فرقے کے امرا تک بھی اسے رسائی حاصل تھی۔ ان امرا میں بڈفرڈ، اسٹیکس، سائے، رسل اور بروک سب سے ممتاز تھے۔ پم کی تقریر لب و لہجے میں معتدل تھی مگر سیاسی صورت حال کو اس نے بالکل صاف اور واضح کر دیا۔ اس نے کہا کہ پارلیمنٹ، ملک میں وہی مرتبہ رکھتی ہے جو انسان کے جسم میں قوائے عقلیہ کو حاصل ہوتا ہے۔ پارلیمنٹ کے نظرانداز کرنے کو کلیسائی اور ملکی سب خرابیوں کی اصلی علت ثابت کیا۔ اور تحریک کی کہ دونوں ایوان مل کر بادشاہ کی خدمت میں اصلاح شکایات کا معروضہ پیش کریں۔ اس پر دوبارہ وہی پرانا قضیہ چھڑ گیا کہ روپے کی منظوری پہلے دی جائے یا پہلے شکایتوں کا سدباب ہو۔ اور اس بارے میں بادشاہ اور پارلیمنٹ بالکل مختلف الرائے تھے۔ اسٹرے فرڈ کی صلاح سے بادشاہ نے امرا سے استعانت کی اور دارالامرا نے رائے دی کہ رقمی منظوریاں پہلے ملنی چاہئیں لیکن دارالعوام اپنی بات پر قائم رہا۔ پھر اسٹرے فرڈ نے بادشاہ کو ترغیب دی کہ زر جہازی کو چھوڑ کر کمتر رقم پر اکتفا کی جائے مگر چارلس کو اصرار تھا کہ بارہ منظوریاں طلب کی جائیں اور دارالعوام یہ منظوریاں دینے پر اس وقت تک آمادہ نہ ہوا جب تک کہ بادشاہ یہ اقرار نہ کرے کہ ہر پرگنے کے بھرتی کیے ہوئے سپاہیوں کی "وردی اور خرچ" کا محصول بھی اسی پرگنے سے نہیں لیا جائے گا۔ واضح رہے کہ زر جہازی کا بار تو زیادہ تر جنوبی اضلاع پر پڑا تھا مگر یہ جدید محصول زیادہ تر شمال والوں کے سر پڑا۔ چنانچہ یارک شائر سے زر جہازی کی مدیں تو بارہ ہزار پاؤنڈ وصول ہوئے تھے لیکن جدید فوج کے سپاہیوں کے ساز و سامان اور خوراک کے لئے ۴۰ ہزار پاؤنڈ دینا پڑا۔ غرض بادشاہ نے مکرر بارہ منظوریاں طلب کیں اور

جواب میں دارالعوام نے تجویز کی کہ بادشاہ سے اسکاٹ لینڈ والوں کے ساتھ مصالحت کر لینے کی درخواست کی جائے۔ بادشاہ کی نگاہ میں یہ تجویز اس بات کے مرادف تھی کہ سلطنت کی حکمت عملی قائم کرنا ہی بادشاہ کی بجائے پارلیمنٹ کے ہاتھ میں آجائے اور قبل اس کے کہ مجوزہ درخواست مرتب ہو اُس نے پارلیمنٹ کو برخاست کر دیا۔ مجلس کلیسا کا البتہ اجلاس کچھ روز اور جاری رہا اور اس کے ارکان نے اپنی طرف سے معقول روپیہ دینے کے علاوہ کلیسا کے انتظامات کے متعلق بھی ایک جدید دستور العمل تیار کیا۔

اسٹرے فرڈ کی رائے

اب اسٹرے فرڈ کی قابلیت کی آزمائش تھی کہ یہ دیکھا جائے کہ آیا وہ چارلس سے زیادہ کامیابی حاصل کر سکتا ہے یا نہیں؟ مجلس شاہی میں اُس نے اپنی یہ رائے ظاہر کی کہ پارلیمنٹ کام نہ دے سکی لہذا بادشاہ کو خود مختاری کے ساتھ کام کرنا چاہئے۔ ادھوری تدبیروں سے کام نہیں چلا کرتا۔ بادشاہ کی کامیابی کا مدار اسکوٹوں کے معاملے پر ہے۔ پس یا تو انھیں اپنے حال پر چھوڑ دیا جائے اور یا پوری قوت سے کام کیا جائے اس نے کہا "جنگ اُسی شد و مد سے ہونی چاہیئے جیسا کہ پہلے آپ کا ارادہ تھا کہ اس میں حکومت کے کسی قاعدے قانون کا پاس نہ کیا جائے ... آئرستان کی فوج آپ کے قبضے میں ہے اور اس سے آپ یہاں کام لے سکتے اور پورے ملک (اسکاٹ لینڈ) کو تسخیر کر سکتے ہیں" اس رائے میں لاڈ پورا موید تھا مگر اسٹرے فرڈ کو جلد معلوم ہو گیا کہ کہنے اور کرنے میں بہت فرق ہوتا ہے۔ چارلس اور اس کے وزرا کی جبلت ہی ایسی نہ تھی کہ کسی کام کو "کامل" طور پر انجام دینے کی قابلیت رکھتے ہوں۔ لندن والوں نے قرض دینے سے انکار کیا اسٹرے فرڈ نے صاف کہہ دیا کہ جب تک چند آدمیوں کو سولی پر نہ لٹکا دیا جائے گا، ان شہریوں سے کام نہ نکلے گا۔ مگر مجلس شاہی کے باقی ارکان ایسی کارروائی پر آمادہ نہ ہوئے۔ خود چارلس کو باہر والوں سے مدد لینے کی سوجھی۔ ڈین مارک، ہولینڈ، اسپین حتیٰ کہ پاپا تک سے مدد کی استدعا کی گئی لیکن خود جم کر کام کرنے کا خیال تک نہ آیا۔ سب سے بڑی خرابی یہ ہوئی کہ اسٹرے فرڈ بیمار ہو گیا اور اس کی

علالت میں معاملات اور بھی ابتر ہو گئے۔

دوسری جنگ اسقفہ

اگست میں اسکوٹوں نے لزلی کے ماتحت خود ٹویڈ عبور کر کے تذبذب و تعطل کا خاتمہ کر دیا۔ ان قواعد داں سپاہیوں کے مقابلے میں چارلس کے بد دل اناڑی بے ترتیبی کے ساتھ نیوبرن (لب ٹائن) کی طرف پسپا ہوئے۔ اسکوٹوں کا عبور روکنے کی کوشش کی گئی تھی لیکن فوجی تدابیر ایسی بے ڈھنگی تھیں کہ وہ نہ رکے اور یارک شر میں امنڈ آئے معلوم ہوتا ہے مدافعت کا سارا انتظام درہم برہم ہو گیا اور اسٹریفرڈ نے صیغہ راز میں اپنے دوست ریڈکلف سے اقرار کیا کہ "وہ اس درجہ ابتر معاملہ کبھی دیکھنے میں نہ آیا تھا.... ہر شخص پر خوف طاری ہے۔ بادشاہ کی ملازمت سے عام بد دلی پائی جاتی ہے۔ بے عزتی کا کسی کو احساس تک نہیں۔ مختصر یہ کہ ان سب خرابیوں سے مقابلہ کرنے کے لئے تنہا میں بے یار و مددگار رہ گیا ہوں"۔ چارلس کو بڑی امید یہ تھی کہ اسکوٹوں کی پیش قدمی قومی جذبات کو برانگیختہ کر دے گی لیکن یہ پہلا موقع تھا کہ اہل انگلستان بیرونی حملہ آوروں کی اپنے ملک میں فتح پانے کو خود اپنی کامیابی سمجھے اور چارلس کی مصیبت سے فائدہ اٹھا کر تازہ پارلیمنٹ منعقد کرنے پر مصر ہوئے۔ جواب میں چارلس نے ایڈورڈ اول کی نظیر سے کام لیا اور پارلیمنٹ کی بجائے "مجلس اکابر" منعقد کی۔ ان کا جلسہ یارک میں ہوا اور گو روپیہ فراہم کرنے میں ان لوگوں نے اپنی ضمانت پیش کی، تاہم پارلیمنٹ کے مطالبے پر پھر زور دیا اور بادشاہ کو سوائے اس کے کوئی چارۂ کار نظر نہ آیا کہ اسکوٹوں کو، ہنگامی صلح کے عوض میں پچیس ہزار ماہانہ ادا کرنے کا اقرار اور ۳ نومبر ۱۶۴۰ء کو نئی پارلیمنٹ طلب کرے۔

عہدنامہ رپن

انتخاب کے حکمنامے جاری کرنے اور پارلیمنٹ کے انعقاد میں جو وقفہ تھا اس میں انگریز اور اسکوٹی ناظر رپن میں جمع ہوئے اور طے پایا کہ کامل معاہدہ ہونے تک اسکوٹ، نارتھمبرلینڈ اور ڈرہم پر قابض رہیں اور اخراجات کے لئے ۲۵ ہزار پاؤنڈ ماہانہ انھیں ادا کیا جائے۔ ایک مہینے کی قسط کا انتظام کر دیا گیا اور دوسری پارلیمنٹ کے انعقاد کے بعد دی جانی قرار پائی۔

جس کے معنی یہ تھے کہ اگر چارلس پارلیمنٹ کو روپیہ بہم پہنچانے پر آمادہ نہ کر سکے تو اسکوٹ بلا تاخیر پیش قدمی شروع کردیں گے گویا اسکوٹی لشکر کا وجود اس بات کی ضمانت بن گیا کہ بادشاہ پارلیمنٹ کو برخاست نہ کر سکے گا۔

مشہور سنین

معروضہ حق....................	سنہ ۱۶۲۸ء
بکنگھم کا قتل....................	سنہ ۱۶۲۹ء
لاڈ صدر اسقف کینٹربری مقرر ہوتا ہے........	سنہ ۱۶۳۳ء
وینٹ ورتھ، آئرستان میں..............	سنہ ۱۶۳۳ء
اسکاٹ لینڈ کا قضیہ............	سنہ ۱۶۳۷ء
ہیمڈن کا مقدمہ............	سنہ ۱۶۳۷ء
پہلی جنگ اساقفہ...........	سنہ ۱۶۳۹ء
قصیر پارلیمنٹ	سنہ ۱۶۴۰ء
دوسری جنگ اساقفہ	سنہ ۱۶۴۰ء

باب سوم

چارلس اول (جزو دوم)

طویل پارلیمنٹ

۳؍ نومبر کو، ویسٹ منسٹر میں چارلس کی پانچویں پارلیمنٹ جو "طویل پارلیمنٹ" مشہور ہے، منعقد ہوئی۔ دارالامرا کے ممتاز ارکان یہ تھے:۔ صدر اسقف لاڈ اس کے دوست جکسن، ہین ویرنگ، ایبن، مون ٹیگیو۔ اور پرانا حریف ویلیمس، اسقف لیکن افتتاح کے وقت اسٹریفرڈ موجود نہ تھا اور غیر کلیسائی امیروں میں حسب ذیل اشخاص نمایاں تھے:۔ (۱) امیر برسٹل۔ جسے فکر تھا کہ ایک مستعد شخصی بادشاہی کے قیام و بقا کی کوئی صورت نکلے۔ (۲) سابق صدر نشین پارلیمنٹ اور زر جہازی کا حامی، لارڈ فینچ۔ (۳) امیر بڈفرڈ جو پیوری ٹن فرقے کا اعزازی سر گروہ اور پِم کا سرپرست تھا۔ اسیکس و وارک اس کے دوست تھے۔ (۴) وائی کونٹ سائے اور سیل کہ ریشہ دوانی میں طاق ہونے کی بدولت "پرانی عیاری" کے عُرف سے معروف تھا۔ (۶ و ۷) ایڈورڈ مون ٹیگیو المخاطب بہ لارڈ کمبول ٹن (جو آگے چل کے امیر منچیسٹر بنایا گیا) اور رابرٹ گرلویل المخاطب بہ لارڈ بروک۔ دارالعوام کے سرگروہ یہ لوگ تھے:۔ جان پِم۔ جان ہیمڈن اور جان سلڈن جو پہلے سے مشہور تھے۔ ڈینزل ہولیس۔ اور ولیم اسٹروڈ

باب سوم

جنھوں نے ۱۶۲۹ء میں فنچ کو کرسی پر جبراً بٹھائے رکھا تھا۔ زرجہازی کے مقدمے میں ہیمڈن کا وکیل، سن جن۔ سر آرتھر ہیزل رگ۔ اولیور کروم ویل اور سر ہنیری وین جو سب کے سب پکے پیوری ٹن تھے۔ برسٹل کا بڑا بیٹا، لارڈ ڈگبی جو بہت تیز مگر خودنما آدمی تھا۔ باوضع، محنتی اور کلیسا کا محب، ایڈورڈ ہائیڈ۔ سب سے گہرے خیال کا آدمی جو نہ لاڈ کے ساتھ تھا نہ پیوری ٹن گروہ کے لوسینس کیری (المخاطب بہ وائی کونٹ فاک لینڈ) ایڈمنڈ والر، شاعر اور یہ وہ لوگ تھے جو آگے چل کے بادشاہ پسند بن گئے۔ ولیم والر، ریلف ہوپ ٹن، فرڈی نینڈ (لارڈ فیرفیکس) بھی قابل ذکر ہیں کہ اسیکس وغیرہ کے ساتھ آئندہ جنگ کے قائدین میں شامل تھے۔ نیز سر سائمن ڈیوز جس نے اس مجلسِ عظمیٰ کے روزانہ حالات کو بڑی محنت و عرقریزی سے تحریر کیا اور انھی روزنامچوں سے ہمیں اس کے بہت کچھ واقعات کا علم ہوا۔ مبعوثین میں بیشتر تعداد دیہاتی شرفا اور قانون دانوں کی تھی۔ تجارت پیشہ لوگ معدودے چند تھے۔ اکثر مبعوث جامعات کے تعلیم یافتہ تھے اور انقلاب انگیز اصلاحات کا مطلق میلان نہ رکھتے تھے نہ انھیں ایسے اشخاص کے ساتھ کوئی انس تھا، جو رتبے اور عادات میں خود ان سے اختلاف رکھتے ہوں۔

اُن دنوں باقاعدہ گروہ یا فریق نہ تھے اور مبعوث جہاں چاہتے، ایوان کے مختلف حصوں میں جا بیٹھتے تھے۔ اسی لئے ہر شخص کا رتبہ متعین ہونے میں دیر لگتی تھی۔ تاہم، شروع سے ممتاز ترین آدمی جان پم تھا جس کا بڑا وصف بحث کرنے کی اعلیٰ قابلیت اور کامل موقع شناسی سمجھنا چاہئے اور اسی کے ساتھ یہ وجدانی آگہی بھی اُسے حاصل تھی کہ اس کے گروہ میں اکثر افراد حقیقت میں کیا چاہتے ہیں۔ وہ اپنے گروہ کی کمزوریوں اور تعصبات سے بری نہ تھا اور اسی وجہ سے ہمیشہ اُن سے متصل رہتا اور کبھی کبھی بالکل علیحدہ نہ ہو جاتا تھا۔ مثال کے طور پر، اس کی بھی رائے یہی تھی کہ لاڈ اور اسٹرے فرڈ، ایک باقاعدہ سازش میں مصروف ہیں۔ اور لاڈ تو پروٹسٹنٹ مذہب کی بیخ کنی کرنی چاہتا ہے اور اسٹرے فرڈ نیابتی حکومت کے نظام کی تباہی کے درپے ہے۔ اور اس طرز عمل کی علت بجز اسکے

کچھ نہیں کہ اسٹرے فرڈ ذاتی اغراض اور جاہ طلبی میں مبتلا ہے۔ اب اس رائے کو واقعیت کے خلاف مانا جاتا ہے لیکن اُس زمانے میں اُس کے طرز عمل کا سبب ہی یہ بتایا جاتا تھا اور پم اس بارے میں محض دوسروں کا ہم خیال تھا۔ بہر حال پم کی یہ ہمت افزائی بڑھانے میں ممد تھی اور وہ تھوڑے ہی دن میں دار العوام میں اتنا قوی ہوگیا کہ دشمن اسے "پم بادشاہ" کے نام سے یاد کرنے لگے۔

اسٹرے فرڈ اور لاڈ

وزرائے شاہی کی خود غرضی اور جاہ طلبی کا یقین اتنا عام تھا کہ ان کی حکمت عملی کی کوئی تائید پر آمادہ نہ ہوا بلکہ دار العوام نے اسٹرے فرڈ، لاڈ اور ان کے خاص خاص حلیف اساقفہ اور ارکان عدالت پر مقدمہ چلانے کی قرارداد منظور کرلی۔ ایک ذیلی مجلس مرتب کی گئی کہ ان کے نظم و نسق کے نتائج کی تحقیقات کرے اسٹرے فرڈ نے مجلس شاہی میں جو تقریر کی تھی (صفحہ 536) وین (کلاں) نے اس کی یادداشت لکھ لی تھی۔ وہ بھی اسی زمانے میں پم کے ہاتھ لگ گئی اس طرح کہ وین (خرد) نے اپنے باپ کے کاغذات میں سے اس کی ایک نقل تو پم کو دے دی اور ایک اپنے پاس رکھی۔ اور اب پم نے تیاری کی کہ اسٹرے فرڈ پر غداری کا الزام عائد کیا جائے۔ اسٹرے فرڈ کا سب سے اچھا اور محفوظ عہدہ انگریزی یا آئرستانی لشکر کی سپہ سالاری ہوتا مگر چارلس نے اسے بہ اصرار لندن طلب کیا اور بادشاہی قول دیا کہ "اس کی عزت یا جان و مال پر کوئی آنچ نہ آئے گی"۔ چنانچہ وہ دار السلطنت پہنچ گیا اور بلا تاخیر رائے دی کہ ارکان دار العوام پر جوابی حملہ کیا جائے اور خود ان کے پیوری ٹن سرگروہوں پر اسکاٹ لینڈ والوں سے غدارانہ خط کتابت کرنے پر مقدمہ چلایا جائے۔ پم کو یہ خبر ہوگئی اور پہلا وار اُسی نے کیا۔ ۱۱ نومبر کو دار العوام کی طرف سے اسٹرے فرڈ پر ملک سے غداری کا الزام لگایا گیا اور یہ اسیر قلعۂ لندن میں بھیج دیا گیا۔

دسمبر میں یہی کارروائی لاڈ کے ساتھ ہوئی اور اس پر قریب قریب یہ الزام لگایا گیا کہ وہ قوانین اور ان قوانین سے جو مذہب قائم ہوا ہے، وہ اس کی بیخ کنی کی کوشش کرتا ہے۔ اپنے معاصرین کی نگاہ میں لاڈ اگر بالکل نہیں تو تقریباً وہی اہمیت رکھتا تھا، جو اسٹرے فرڈ کو حاصل تھی جب سے بکنگھم

مرا، اس وقت سے وہی بادشاہ کا خاص مشیر و محرم راز ہوگیا تھا اور چارلس کی ہر کارروائی میں دل و جان سے شریک و مدد رہا۔ صدر نظارت اور اسٹار چیمبر کی عدالتوں کا مستعد رکن تھا اور کلیسا کے انتظامات میں بڑا اقتدار رکھتا تھا کیونکہ ذاتی اثر کے علاوہ، اساقفہ کے گروہ میں اس نے سب اپنے دوست بھردئے تھے۔ اسی لئے پیوری ٹن ارکانِ پارلیمنٹ کے نزدیک لاڈ کے انتظام کو درہم برہم کرنا بہت ہی ضروری ہوگیا تھا،

دوسری طرف، بہت سے مبعوثین ایسے تھے جو اسقفی حکومت کے اصول اور ہم عصر اسقفوں کی حالت میں فرق کرتے تھے یعنی اصلاح کی خواہش کے باوجود کلیسائی نظام کو قائم رکھنا چاہتے تھے اور اس کا سبب کچھ تو یہ تھا کہ انھیں کلیسا کی باضابطگی اور حسن انتظام پسند تھا اور کچھ یہ کہ وہ پرسبٹیریٹی یا کلیسائی اہلکاروں کی حکومت سے ڈرتے تھے کہ وہ بھی اسقفی حکومت سے کچھ کم مستبد نہ ہوگی اسقفی حکومت کے ان طرفداروں میں ہائڈ، فاک لینڈ، ڈگبی اور سیلڈن قابل ذکر ہیں۔ رفتہ رفتہ یہ ظاہر ہوگیا تھا کہ سیاسی معاملات میں اتحاد کے باوجود کلیسائی مسائل میں دارالعوام کے (موافق و مخالف اسقفیت) دو گروہ ہوئے بغیر نہ رہیں گے۔

لاڈ اور اسٹرے فرڈ کے ساتھ دارالعوام نے مہر مجلس فنچ، برکلی اور شاہی معتمد ونڈ بنیک پر بھی مقدمہ چلایا۔ فنچ تو زرجہازی کے مقدمے میں یہ کہا تھا کہ "پارلیمنٹ کے قوانین بنانے سے کوئی فرق نہیں واقع ہوتا"، اور برکلی نے کہا تھا کہ "قانون کسی ایسی حکمت عملی کو نہیں تسلیم کرتا جو بادشاہ کے اس طرح لگام چڑھادے"۔ ان ملزموں میں سے فنچ اور ونڈ بینک تو جان بچاکے یورپ کے ملکوں میں چل دئے اور دوسروں کے خلاف کارروائی کچھ نہ چلی۔ البتہ پارلیمنٹ نے جہاں چارلس کے وزیروں کو سزا دینے کا تہیہ کیا وہیں اُس کے کشتگانِ جور پر بھی توجہ کی۔ یعنی پرین، بیسٹ وک، برٹن، چیمبرز اور للِ برن جنھیں اسٹار چیمبر کی مطعون عدالت نے قید کیا تھا، رہا کردیے گئے وہ لندن آئے تو ہزاروں آدمیوں نے استقبال کیا اور ان کی تکالیف کی کچھ نہ کچھ تلافی ہوگئی۔

قانون سہ سالہ یہ یقینی بات تھی کہ چارلس اور اس کے ہوا خواہوں کو اتنی دلیری

زیادہ تر اس لئے ہوتی تھی کہ پارلیمنٹ کی آیندہ میقات کا دہان ان کے افعال کی بازپرس کی جاسکتی، کوئی یقین ہی نہ ہوتا تھا اسی شبہ کو آیندہ دور کر دینے کی غرض سے قانون سہ سالہ وضع کیا گیا جس کا منشا یہ تھا کہ پارلیمنٹ کو دوبارہ طلب کرنے میں کبھی تین سال سے زیادہ وقفہ نہ ہونے پائے اور اگر بادشاہ حکم نامے نہ جاری کرے تو بھی اس قانون میں یہ انتظام کر دیا گیا تھا کہ مبعوثین کے انتخابات عمل میں آجائیں۔ ایک اور شرط یہ رکھی تھی کہ انفساخ سے پہلے کم سے کم پچاس روز تک پارلیمنٹ لازماً اجلاس کرتی رہے؛ اس قانون کی دوسری خواندگی کی تحریک اولیور کرومویل نے کی تھی۔

اسٹرے فرڈ کا مقدمہ

۱۶۴۰ء اور ۱۶۴۱ء کے جاڑوں تک پارلیمنٹ مذکورۂ بالا کارروائیاں کرتی رہی اور ان کے بعد مارچ ۱۶۴۱ء میں ایوان ویسٹ منسٹر میں اسٹرے فرڈ کا مقدمہ شروع ہوا اور دارالعوام کی طرف سے اہتمام مقدمہ کی خدمت خود پم نے انجام دی۔ مقدمہ چلانے والوں کو بڑی دشواری یہ ثبوت بہم پہنچانے میں پیش آئی کہ فی الواقع اسٹرے فرڈ نے غداری کا ارتکاب کیا۔ اس کی بہت سی زبردستیاں یا بعض قانون شکنی کی مثالیں بیان کرنا تو سہل تھا مگر اپنی صفائی میں اسٹرے فرڈ کا یہ کہنا کہ ایسی خطائیں تعداد میں کسی قدر کیوں نہ ہوں۔ غداری کا ثبوت نہیں ہوسکتیں، مسکت جواب تھا۔ اصل یہ ہے کہ اسٹرے فرڈ پر مقدمہ ملک سے غداری کرنے کا تھا۔ نہ کہ بادشاہ سے۔ اور ایڈورڈ ثالث کے عہد میں غداری کی جو تعریف متعین کی گئی اُس کے اندر ان دو پہلوؤں میں کوئی تفریق و امتیاز نہیں رکھا تھا۔ پم شروع سے یہ خیال کرتا رہا کہ اسٹرے فرڈ نے مجلس شاہی میں جو تقریر کی، اس سے کام لینا سب سے کارگر ہوگا۔ تقریر میں ایک جملہ یہ تھا کہ آپ کی ایک فوج آئرستان میں موجود ہے اور آپ چاہیں تو اس سے یہاں کام لے سکتے اور ملک کو مسخر کر سکتے ہیں۔ اب اگر "ملک" سے مراد انگلستان لیا جائے تو پھر توڑ مروڑ کے یہ معنی نکالے جاسکتے تھے کہ ان الفاظ سے "بادشاہ کے خلاف جنگ" مقصود تھی۔ مگر اول تو وین نے یہ ماننے سے انکار کیا کہ "ملک" سے "انگلستان" مراد ہے دوسرے ارکان مجلس نے بیان دیا کہ انھیں اصلی الفاظ

مطلق یاد نہیں رہے' تقریر میں دوسری دھمکی یہ تھی کہ لندن کے اعیان کو سُولی پر لٹکا دیا جائے۔ مگر تحقیقات ہوئی تو اس میں غداری کا کوئی پہلو ثابت نہ ہو سکا۔ اسٹرے فرڈ کو سپہ سالاری کا حکمنامہ ملا تو اس میں اختیار دیا گیا تھا کہ وہ بغاوت کو فرد کر سکتا ہے۔ اس پر بھی اعتراض اٹھایا گیا تھا مگر جواب میں کہا گیا کہ اس قسم کے الفاظ سپہ سالاروں کے حکمناموں میں عموماً رسمی طور پر تحریر ہوتے ہیں غرض عوام کا استغاثہ کمزور ہوا جاتا تھا اور انھوں نے مزید شہادتیں فراہم کرنے کی مہلت مانگی۔ اسٹرے فرڈ نے بھی اسی قسم کی اجازت طلب کی لہذا مقدمہ ملتوی کر دیا گیا'

"خرابیٔ خون" کا فتویٰ

اب پم نے سمجھا کہ وین (کلاں) کی شہادت سے کام لینے کا وقت آ گیا ہے اور اسی روز دارالعوام میں یہ تحریر اور وین خرد کی یادداشتیں پڑھی گئیں۔ اصل تحریر کے متعلق سوال ہوا تو وین (کلاں) نے جواب دیا کہ وہ تحریر بادشاہ کے حکم سے جلا دی گئی۔ اس پر پیوری ٹن گروہ کی زیادہ شدت پسند جماعت نے اسٹرے فرڈ کے خلاف "خرابیٔ خون" کی تجویز پیش کی اور وہ بلا تاخیر مسودہ قانون کی صورت میں پہلی مرتبہ پڑھی گئی۔ دوسرے دن دارالامرا میں اسٹرے فرڈ طلب ہوا کہ جو کچھ صفائی پیش کر سکتا ہے۔ بلا تاخیر پیش کر دے۔ اسٹرے فرڈ نے وہی دلیل پیش کی جو پہلے پیش کی تھی کہ جو چیز جزاً غداری نہیں وہ کلاً بھی غداری نہیں ہو سکتی اور جس جرم کا قانون میں ذکر ہی نہیں اس پر سزا دینا سراسر انصاف کے خلاف ہے' پم نے کہا کہ مطلق العنان حکومت سے ہمیشہ رعایا ذلیل ہو جاتی ہے اور اگر سرکاری سکے کو خراب کرنا غداری میں داخل ہے تو کیا سرکار کی رعایا کی خودداری بگاڑنا' غداری نہ ہو گا؟" اُدھر انتہا پسند خرابیٔ خون کے قانون پر زور دے رہے تھے اور ان کی دلیل یہ تھی کہ اسٹرے فرڈ نے انگلستان کے اساسی قوانین کو مٹانے کی کوشش کی' پم اور ہیمڈن مقدمہ چلانا ہی مناسب سمجھتے تھے لیکن آخرکار دونوں ایوانوں میں یہی طے ہوا کہ خرابیٔ خون کے قانون ہی سے اس کی قسمت کا فیصلہ کیا جائے۔ دارالعوام نے اس قانون کو ۵۹ کے مقابلے میں ۲۰۴ رایوں سے منظور کیا۔ ڈگبی اور سیلڈن استغاثے کے پیروکار تھے لیکن اس موقع پر انھوں نے اکثریت کے خلاف رائے دی۔ یہ خبر سن کر چارلس نے اسٹرے فرڈ

کو دوبارہ خط سے اطمینان دلایا کہ بادشاہ کا قول اس کے ساتھ ہے کہ اُس کی جان مال یا عزت پر کوئی آنچ نہ آنے پائی گی"۔ دارالامرا میں فریقین کی تعداد مساوی تھی اور زیادہ تر بحث اس بات پر رہی کہ اگر اسٹرے فرڈ کو سزائے موت نہ دیجائے تو کیا چارلس کو کسی طرح اس امر سے باز رکھا جاسکے گا کہ اسٹرے فرڈ سے کوئی کام نہ لے ؟ اسیکس وغیرہ تو کہتے تھے کہ مرے پیچھے کوئی رفاقت نہیں چل سکتی۔ بڈفرڈ اور برسٹل وغیرہما کی یہ رائے تھی کہ حبس دوام کی سزا کافی ہوگی۔ مگر پم کو ایک اور شافی دلیل بھی مل گئی تھی۔ کچھ دن سے اسے علم تھا کہ چارلس اور ہنریتا ماریہ دونوں شمالی انگلستان کی فوج سے رسل ورسائل کر رہے ہیں کہ لندن پر چڑھائی کرکے اسٹرے فرڈ کو جبراً قلعے سے چھڑایا جاسکے۔ اور اسی اطلاع سے پم نے مذبذب امرا کو ڈرا کر اپنے موافق بنا لینے کا ارادہ کرلیا۔ چنانچہ ۶ مئی کو دارالعوام میں ایک تقریر کی جس میں نہ صرف یہ بتایا کہ ایک فوجی سازش پک رہی ہے بلکہ اشارۃً یہ بھی کہا کہ ایک فرانسیسی فوج پورٹس متھ پر حملہ کرنے کی غرض سے روانہ ہوچکی ہے اور ملکہ وہاں اُس سے جاملے گی۔ اس بیان سے ہیجان برپا ہوگیا۔ مبعوثین کو ہدایت کی گئی کہ اپنے اپنے حلقوں میں معلوم کریں کہ کتنے ہتیار موجود ہیں۔ شہر کے سدھے ہوے جوق جوق جمع ہوگئے۔ بادشاہ سے درخواست کی گئی کہ درباریوں کو روکے رکھے اور ملکہ کو پورٹس متھ نہ جانے دے۔ لندن میں بیس ہزار آدمیوں کے دستخط سے اسٹرے فرڈ کے قتل کی درخواست تیار ہوی اور جنھوں نے دارالعوام میں اُس کی طرفداری میں رائے دی تھی، اُن کی فہرست "حامیان اسٹرے فرڈ" کے نام سے چھاپ کر شائع کی گئی۔ اسی ہلچل میں خرابیٔ خون کا مسودہ قانون دارالامرا میں پیش ہوا، تو امیر برسٹل تک مخالفت سے باز آگیا۔ امیر بڈفرڈ آنا بھی چاہتا تو چیچک کے باعث (جو مرض الموت ثابت ہوی) نہ آسکا۔ اب اسٹرے فرڈ

اسٹرے فرڈ کا قتل

کی تقدیر کا انحصار گویا چارلس پر آٹھیرا اور وہ دو روز تک تذبذب میں رہا کہ کیا کرے۔ ایک طرف اپنے قول کا خیال تھا اور دوسری طرف یہ اندیشہ کہ انکار کیا تو ملکہ اور اولاد پر آفت آئے گی۔ مگر اسٹرے فرڈ اب بھی اپنی اصول پر کہ جو کچھ ہو "دو کامل" ہو قائم رہا

اور لکھ بھیجا کہ اگر میری موت سے آئندہ بہتری کی صورت نکلے تو میں خوشی سے چارلس کو وعدے سے آزاد و معاف کردوں گا اور خود ہی رضامندی مجھے خدا کی نظر میں ایسا بے گناہ بنا دے گی کہ دنیا بھر بھی نہیں بنا سکتی۔" آخر بادشاہ اپنے تردد سے اُکتا گیا۔ اُسقف ولیمز نے بھی ذاتی اور ملکی ضمیر میں فرق بتا کے اُس کی تسلی تشفی کی اور چارلس نے مسودہ قانون پر دستخط کر دے۔ ۱۲ مئی کے دن دو لاکھ اشخاص کے سامنے اسٹرے فرڈ کا قلعہ لندن کی پہاڑی پر سر قلم کر دیا گیا اور یہ نامور مشخص کردہ خطاؤں کی سزا میں نہیں، بلکہ آئندہ افعال کے اندیشے کی بنا پر مارا گیا اور خود اس کا مقولہ کہ سب سے مقدم قانون، ملک کی حفاظت ہے" اُس کے خلاف کام میں لایا گیا۔ عوام کے سرگروہ اُس کے مرنے سے سمجھے کہ ان کے سب سے بڑے اور خطرناک دشمن کا خاتمہ ہوا۔

پارلیمنٹ کا انفساخ صرف اسی کی رائے سے

جس روز چارلس نے اسٹرے فرڈ کے قتل پر دستخط کئے اسی روز ایک اور قانون کو بھی منظوری دی جس کا منشا یہ تھا کہ پارلیمنٹ خود اپنے ارکان کی رضامندی کے بغیر آئندہ فسخ نہ کی جائے گی۔ اس قانون کی اہمیت کا اُس وقت بمشکل لوگوں نے صحیح اندازہ کیا اور اسے محض پارلیمنٹ کی ساکھ بڑھانے کا ذریعہ سمجھے کہ اب سرمایہ دار آسانی سے پارلیمنٹ کو قرض دینے پر آمادہ ہو جائیں گے لیکن حقیقت میں یہ قانون بہت بڑی آئینی منزلت رکھتا ہے اور اسی کی بدولت آئندہ خانہ جنگی میں پارلیمنٹ کا قانونی مرتبہ قائم رہا۔ اس کے ذریعے بادشاہ کا محض خودرائی سے پارلیمنٹ کو فسخ کر دینا، (جیسا کہ ۱۶۲۹ء میں ہوا تھا) موقوف ہوا اور مزید برآں اب بادشاہ کو یہ اختیار بھی نہ رہا کہ عام انتخابات کے ذریعہ ملک کی عام رائے معلوم کر سکے۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ اُس وقت جو پارلیمنٹ قائم تھی وہ صورت خواص کی مجلس بن گئی کہ بادشاہ کے تلون اور نیز رائے دہندوں کے جذبات دونوں سے آزاد و مستغنی تھی۔ اور چونکہ قانوناً نہ پارلیمنٹ، بادشاہ سے پیچھا چھڑا سکتی تھی نہ اب بادشاہ پارلیمنٹ سے، لہذا قانون مذکور کا ایک اور نتیجہ یہ مترتب ہوا کہ ان کی باہمی منازعت کی صورت میں صرف تلوار ان میں فیصلہ کرنے والی چیز رہ گئی۔ جب یہ قانون منظور

ہو گیا تو محاصل درآمد و برآمد اور ایک دوسرے خراج کی جو سو پاؤنڈ سے لے کے فی کس نصف شلنگ تک تھا، منظوری دی گئی۔ اگست میں اسکاٹ لینڈ کی فوج سے مصالحت کی شرطیں طے کی گئیں اور اس کے اور شمال کی انگریزی فوج کے ہتیار کھلوا دئے گئے۔

سنہ ۱۶۴۱ کی بہار اور گرمیوں میں پارلیمنٹ کے سب فرقے ملک کو مطلق العنانی کی خرابیوں اور ہتیاروں سے بچانے میں ایک دوسرے سے بڑھ کر سرگرم رہے۔ صدر نظارت اور اسٹار چیمبر کی عدالتیں، اور انھی کے ساتھ شمالی انگلستان اور ویلز کی مجلسیں توڑ دی گئیں۔ فاک لینڈ کی رہبری میں دارالعوام کی طرف سے زر جہازی کو مذموم و غیر آئینی بتایا گیا اور سیلڈن نے ایک قانون پیش کر کے اسے بالکل ممنوع قرار دیا۔ اسی مبعوث نے زر خطابات کے خلاف قانون پیش کیا تھا اور نیز جنگلات کی وہی حدود بحال کرائی تھیں جو ہالینڈ کی تحقیقات سے قبل تھیں۔ پھر وہ لوگ جنھوں نے پارلیمنٹ کی منظوری کے بغیر محاصل درآمد و برآمد وصول کئے تھے، خاطی قرار دئے گئے۔ یہ سب تحریکات عملاً اتفاق آرا سے منظور ہوئیں کیونکہ ابھی تک چارلس کا کوئی موید گروہ دارالعوام میں نہ تھا۔ لیکن جب مذہبی مباحث کی نوبت آئی تو ابتدا ہی میں دو مذہبی فرقوں کی باہمی مخالفت نمایاں ہو گئی۔

یہ اختلاف سب سے پہلے فروری میں ظاہر ہوا جب کہ پندرہ ہزار اہل لندن کے دستخطوں سے ایک عرضی پیش ہوئی کہ اسقفی حکومت کا "جڑ پیڑ سے" خاتمہ کر دیا جائے۔ اس کے مقابلے میں سات سو پادریوں نے کلیسائی انتظام میں محض اصلاح کا معروضہ گزرانا۔ مباحثے میں فاک لینڈ، ہائڈ، ڈگبی اور سیلڈن اپنے ساتھ والوں سے الگ ہو گئے۔

بخلاف اس کے، یہ تحریک کہ اساقفہ کو دارالامرا کی رکنیت اور ملکی عہدوں سے خارج کر دیا جائے، بلا دقت منظور ہو گئی کیونکہ دارالعوام میں باقی ماندہ اسقفوں کے دوست بہت کم تھے دوسرے یہی مذہبی پیشوا اسکاٹ لینڈ کی لڑائی کے بانی مبانی سمجھے جاتے تھے۔ لیکن جب یہ قرار دادیں قانون بنائے جانے کی غرض سے دارالامرا میں آئیں تو

امرا نے ان کو نامنظور کیا، اس لئے کہ وہ دار الامرا کی ترکیب میں عوام کی مداخلت کو ناپسند کرتے تھے۔ اسٹرے فرڈ کے مرنے کے بعد اولیور کروم ویل۔ وین (خرد) اور ہیزل رگ نے اہل لندن کے معروضہ کے مطابق ایک مسودہ قانون مرتب کردیا جس کا نام ہی "روٹ اینڈ برانچ کا مسودہ قانون" تھا اور جس کا منشا یہ تھا کہ اسقفی نظم و نسق کا خاتمہ کیا جائے اور ہر اسقفی حلقے میں علما اور غیر علما کی مخلوط جماعت کلیسا کا انتظام کرے۔ لیکن اسقفی پسندوں نے اس کی شدت سے مخالفت کی۔ اُدھر دار الامرا کی طرف سے ایک قومی ذیلی مجلس کا تقرر کیا گیا کہ مذہب کے متعلق کلیسا میں جو بدعات ہونے لگی ہیں، ان سب پر غور کرے۔ مجلس کا صدر ولیمز کو بنایا گیا اور عارضی طور پر مصالحت کی غرض سے اسقفوں کو حکم دیا گیا کہ وہ مسیح کی میز کو گرجا کے مناسب مقام پر اپنی نگرانی میں، قائم کرائیں جہاں وہ گزشتہ ساٹھ سال کے اکثر زمانے میں لگائی جاتی رہی ہے۔ عام اندازہ یہ تھا کہ ولیمز کی ذیلی مجلس لاڈ کی نئی کارروائیوں کے خلاف اور اسقفی اختیارات کو محدود کرنے کی تحریک کرے گی۔

مذکورۂ بالا مناظرہ پارلیمنٹ تک محدود نہ تھا بلکہ دونوں فریق عام رائے سے مدد کے طالب تھے۔ ایکزیٹر کے اسقف ہال نے "عدالت العالیہ پارلیمنٹ کی خدمت میں، کلیسا کے ایک اطاعت گزار فرزند کا احتجاج" شائع کیا۔ دوسری طرف سے پانچ پیوریٹن علما نے مل کر "جواب احتجاج" چھاپا اور پانچوں کے پہلے حروف ملا کر مصنف جواب کا نام سمک ٹی منونس تحریر کیا۔ ان پانچ کے نام یہ تھے:۔ اسٹیفن مارشل، ایڈورڈ کیلامی، ٹامس ینگ، میتھو نیوکومن، اور ولیم سپرس ٹاو۔ آرمگ کے صدر اسقف نے ایک نئی تجویز یہ پیش کی کہ اسقف کو کلیسائی اہل کاروں کی مجلس کا صدر بنا دیا جائے اور یہ اہلکار اسی کے مشورے سے انتظام کریں۔ آخری، مگر کافی مشہور جان ملٹن کا رسالہ "اصلاح کلیسا، انگلستان کا کلیسائی انضباط اور اس کے موانع" تھا جس میں مصنف بے تحاشا اسقفوں کی مذمت کرتا اور ان کے نظم و نسق کو اصلاح کلیسا کی تحریک میں پوری کامیابی نہ ہونے کا اصلی سبب قرار دیتا ہے۔ یعنی وہ کامیابی

جس کی پر جوش پروٹسٹنٹوں کو تمنا تھی۔ اسی رنگ کے اور بھی رسالے ملٹن نے تحریر کیے۔ نتیجہ اس تمام مناقشے کا یہ ہوا کہ عوام کی نظر میں آئینی اصلاحات سے بھی زیادہ اہمیت کلیسائی معاملات کو حاصل ہو گئی اور لوگ کسی فریق میں شامل ہونے کے لیے، سیاسی آرا کی بجائے اس فریق کے مذہب کو زیادہ جانچنے لگے۔

چارلس اسکاٹ لینڈ میں

اگست میں چارلس نے کسی قدر عجلت میں یہ فیصلہ کیا کہ اسے اسکاٹ لینڈ جانا چاہیے۔ وہ دس تاریخ اڈن برو روانہ ہوا اور ادھر اس کے عقب میں پارلیمنٹ نے ایک جماعت روانہ کی جس کا ظاہری منشا تو یہ تھا کہ بادشاہ کی خدمت میں حاضر رہے لیکن دراصل اس کی کارروائیوں کی نگرانی منظور تھی کہ پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں کو ان کی اطلاع ملتی رہے۔ اس جماعت کے صدر ہیمڈن اور فینیز تھے۔ خود چارلس کی غرض یہ تھی کہ اہل اسکاٹ لینڈ کو پوری طرح رضامند کر کے پھر انگلستان سے آزادی کے ساتھ بھگت لے اور ممکن ہو تو پارلیمنٹ کے مقابلے میں اسکاٹ لینڈ ہی کو مرکز بنا کر لڑائی لڑے۔ چنانچہ اسکاٹ لینڈ والوں کے جملہ مطالبات کو اس نے قبول کر لیا۔ ہر دلعزیزی حاصل کرنے کی پوری کوشش کی آرجائل، ہنڈرسن اور دوسرے مقبول عام سرگروہوں کے ساتھ خصوصیت سے اخلاق کا برتاؤ کیا۔ مگر انگلستان کی طرح، یہاں بھی اس کا دربار سازشوں کا گھر بنا ہوا تھا اور بعض تیز مزاج امیروں نے جن کا سردار کرافرڈ تھا، عامی اور متوسط درجے والوں کے نئے رسوخ واقتدار سے جل کر یہ بے تکی تجویز سوچی کہ آرجائل اور اسی کے ساتھ ہیملٹن ولینارک کو گرفتار، بلکہ ہو سکے تو قتل کر دیا جائے کہ یہ سب مل کر کام کر رہے تھے۔ اس تجویز کو تاریخ میں "واقعہ" کہتے ہیں اور کو صاف طور پر معلوم نہیں کہ چارلس کا اس میں حصہ کس حد تک تھا، لیکن یہ راز کھلا تو بادشاہ کی ہر دلعزیزی ختم ہو گئی اور آرجائل کو وہ اقتدار حاصل ہو گیا کہ گویا وہی اسکاٹ لینڈ کا بے تاج کا بادشاہ بن گیا۔ بایں ہمہ چارلس برابر اسی امید میں ۔ ہا کہ اسکاٹ لینڈ سے اسے مدد ملے گی اور واپس انگلستان جانے سے پہلے اس نے آرجائل کو مارکوئس، لزلی کو ارل

اور جانسٹن (وارسٹنی) کو سرداری کا خطاب عنایت کیا۔

لاڈن برو کے قیام کے زمانے میں وہ یہ بھی کوشش کرتا رہا کہ پارلیمنٹ کے سرگروہوں اور اسکوٹی حملہ آوروں کے باہمی سازباز کی شہادتیں فراہم کرے۔ اس ذریعے سے وہ پم اور اس کے دوستوں کے مہلک ضرب لگانا چاہتا تھا۔ دوسرے بڑی امید یہ بندھ گئی تھی کہ اُسقفی پسند گروہ اُس کے ساتھ ہوجائے گا اور وہ طے کئے ہوئے تھا کہ ان کا سرگروہ بن جائے گا۔ اُمرا کو اُس نے ایک مراسلہ بھی تحریر کیا کہ "میں کلیسائے انگلستان کے انضباط کے اصول پر جیسے الزبتھ اور میرے باپ نے قائم کیا تھا، مستقیم رہوں گا اور خدا کے فضل سے آخر دم تک اس اصول کو ہاتھ سے نہ جانے دوں گا۔"

چارلس کے جانے کے بعد "جڈپیٹر" والا قانون تو چھوڑ دیا گیا اور پارلیمنٹ ملک کے عملی انتظامات کی طرف متوجہ ہوئی جسے چارلس نے کچھ مدت سے بالکل چھوڑ رکھا تھا۔ دونوں ایوانوں کے اتفاق رائے سے ایک حکم نامہ مرتب ہوا کہ شمالی فوج کے اسلحہ ہل میں جمع کرادئے جائیں اور قلعۂ لندن کی احتیاط سے پہرہ چوکی کرائی جائے۔ قومی عبادت کے معاملے میں باقاعدگی پیدا کرنے کا مسئلہ ایسی آسانی سے طے نہ ہوسکتا تھا جب تک کہ کوئی قطعی تصفیہ نہ ہو۔ بعض لوگ کتاب الصلوٰۃ میں ترمیم کے خواہاں تھے بعض اس کے خلاف تھے۔ بالآخر نمازیوں سے استدعا شائع کی گئی کہ "جب تک مجوزہ اصلاح عمل میں آئے، وہ خاموشی سے جماعت میں شریک ہوں اور خدا کی نماز اور ملک کے امن امان میں کسی ہنگامہ و فساد سے رخنہ نہ ڈالیں۔"

۹ ستمبر کو دونوں ایوانوں کے اجلاس ۲۰ اکتوبر تک ملتوی ہوئے مگر پم کی صدارت میں ایک ذیلی مجلس لندن میں مقیم رہی کہ حالات کی نگرانی کرتی رہے۔ غالباً اسی وقفے میں ایک گروہ مرتب ہوا جس کے نزدیک بادشاہ کافی مراعات دے چکا تھا اور اس لئے اب مناسب تھا کہ اسے کچھ آزادی سے کام کرنے اور یہ ثابت کرنے کا موقع دیا جائے کہ وہ اسٹرےفرڈ کے وقت کی روش چھوڑ چکا ہے۔ اس گروہ کی تعداد بڑھنے میں سب سے بڑی وقت یہ تھی کہ لوگ

چارلس پر اعتماد نہ کرتے تھے کیونکہ جو لوگ اُس کے مزاج سے سب سے زیادہ واقف تھے انھیں پورا یقین تھا کہ اسے استطاعت ملی تو وہ اسی پرانی روش پر چلنے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دے گا۔ تاہم ایک امکان ضرور پیدا ہو گیا کہ اگر چارلس اِن بادشاہ پسندوں اور اسقفی پسندوں میں کسی طرح اتحاد کرا سکے تو پھر اکثریت کی تائید اُسے حاصل ہو سکتی تھی۔ ایسا ہو جانے کی مزید امید اس واسطے بھی پیدا ہوئی کہ بہت سے لوگ جو ذاتی طور پر مذہب سے کوئی دلچسپی نہ رکھتے تھے محض یہ دیکھ کر کہ جاہل و ناخواندہ اشخاص اپنے سے زیادہ ذی علم اور عالی رتبہ لوگوں کو حکماً اپنے عقائد پر چلانا چاہتے ہیں، اُن سے سخت بیزار ہو گئے تھے۔

اس عرصے میں مذہبی قضیے کا وہ حل، جو آخر میں مقبول ہوا، معرض تحریک میں آ گیا۔ اسٹار چیمبر کے ایک سابقہ زخمی، ہینری برٹن، نے اپنی تصنیف Protestation Protested شائع کی جس میں کلیسا کو حکومت کی طرف سے نظم و نسق کی آزادی اور کلیسا کو معترضین سے کامل رواداری برتنے کی مفصل تجویز پیش کی گئی تھی۔ اور لارڈ برُوک نے انگلستان کی اسقفی حکومت کی عملی صورت پر ایک مباحثہ تحریر کیا اور عقائد و تقریر کی پوری آزادی دئے جانے کی حمایت کی۔ مگر افسوس ہے کہ ان دونوں کے خیالات کے بہت ہی کم معاصرین ہم آہنگ ہوئے۔

آئرستان کی بغاوت

پارلیمنٹ نے مشکل سے دوبارہ کام شروع کیا تھا کہ آئرستان سے خوفناک خبریں آنے لگیں۔ اہل آئرستان اور بغاوت میں سالہا سال سے کوئی رُکاوٹ بجز اس علم کے باقی نہ تھی کہ انگلستان ہم سے قوی تر ہے۔ لہٰذا اسٹرے فرڈ کے ہٹنے اور بادشاہ اور پارلیمنٹ کی ان بن کا حال معلوم ہونے سے گویا ان لوگوں کی بن آئی۔ اتفاقات نے تھوڑی دیر کے لئے وہاں کے دو گروہوں کو جو مدت سے حریف تھے، متحد کر دیا۔ یہ قدیم انگلستانی نارمن اور وہ قلطی زمیندار تھے جن کی اراضی چھن گئیں اور وہ انھیں واپس لینا چاہتے تھے۔ اور اول الذکر کے آباد کار بیشتر کیتھولک مذہب رکھتے تھے انھیں اپنے

مذہب کے ساتھ رواداری کیے جانے کی خواہش تھی۔ غرض یہ دونوں گروہ آپس میں مل گئے اور ہمہ گیر بغاوت کی تیاریاں ہونے لگیں جس کا علم ۲۳ ہر اکتوبر کو بلند ہونے والا تھا۔ بغاوت کے سرغنہ یہ لوگ تھے :- **روجر مور**، جو عمدہ اخلاق اور بلند مقاصد رکھتا تھا۔ **سرفیلم اونیل**، السٹر کے اونیل خاندان کے نمایندہ ہونے کا مدعی اور **لارڈ میگوائر**۔ ان کی سازش سے ڈبلن کے حکام ۲۲ ہر اکتوبر کی شام تک بے خبر تھے۔ اور گویا خاص بغاوت کی رات کو ایک مخبر نے انھیں باغیوں کے منصوبوں کی اطلاع دی اور بہ مشکل اتنا وقت ملا کہ میگوائر کو گرفتار کرکے بالاحصار میں کچھ فوج متعین کرسکیں۔ دوسرے دن تمام شمالی علاقے میں آگ بھڑک اٹھی۔ قتل عام کرنے کی تجویز تو باغیوں نے مسترد کردی تھی مگر اس میں شک نہیں کہ بے گناہوں کے خون سے جا بہ جا ہاتھ رنگے اور انگریز آبادکاروں کو بالکل غفلت اور سخت سردی میں گھروں سے نکالا اور طرح طرح کی بے رحمیاں کی گئیں۔ کچھ دیر کے لئے تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا انگریزوں کے اقتدار کا حتمی طور پر خاتمہ ہوگیا اور یہ تو یقینی بات تھی کہ فوری تدارک کے سوا، دوبارہ اقتدار قائم کرنے کی اور کوئی صورت باقی نہ تھی۔

ویسٹ منسٹر میں یہ اطلاع پہنچی تو پم اور اس کے رفیق یہ فیصلہ کرنے پر مجبور ہوے کہ آیا انگلستان میں اپنے حقوق کا پورا اطمینان ہو جانے تک آئرستان کا ہاتھ سے نکل جانا گوارا کریں، یا یہ کہ پہلے آئرستان پر اقتدار جمانے کی فکر کریں اور بادشاہ کے واسطے فوج بہم پہنچائیں جس میں یہ جوکھوں موجود تھا کہ شاید وہی فوج آیندہ خود اُن کے خلاف لڑائی جائے۔ آخر طے پایا کہ جو فوج بادشاہ کے سپرد کرنی پڑے، اس میں توازن کی غرض سے ایک معقول حصہ اسکاٹ لینڈ والوں کا شامل ہو چنانچہ دس ہزار انگریز اور دس ہزار اسکوٹی سپاہیوں کا لشکر آئرستان کے واسطے منظور ہوا۔

اسقفی نسپند جماعت کی تنظیم، ایک نئے گروہ کا وجود میں آنا جو بادشاہی حقوق پر مزید دست درازی کو شبہ کی نظر سے دیکھتا تھا پھر یہ آئرستان کی بغاوت کا قضیہ اور بادشاہ کی طرف سے تازہ ریشہ دوانیوں کا خطرہ، یہ سب ایسے اسباب تھے کہ پم اور ہیمڈن نے قوم کو بادشاہ کے خلاف پارلیمنٹ کی تائید پر

باب سوم

احتجاج کبیر

آمادہ کرنے کا ارادہ کر لیا۔ یہ استدعا ایک "احتجاج کبیر" کی شکل میں قلمبند ہوئی اور اس مشہور و معروف دستاویز میں ۲۰۶ فقرات تھے۔ شروع میں پاپا پرستوں، بادشاہ کے بد باطن مشیروں اور اسقفوں پر حملہ تھا کہ یہ لوگ ملک کے اساسی قوانین کو توڑ کر پھر پاپائی اقتدار قائم کرنے کی فکر میں رہے۔ اور ان الزامات کے ثبوت میں آغاز حکومت سے چارلس کی سیاسیات و مذہب کے معاملے میں خودرائی اور غلط روی کے جملہ افعال بیان کئے تھے۔ ان کے مقابلے میں پارلیمنٹ کے مفید کاموں کی فہرست تھی اور مذہب و سیاسیات میں آیندہ حکمت عملی کا اظہار تھا۔ جس کی سب سے اہم عملی تجاویز یہ تھیں کہ آیندہ بادشاہ کے مشیر پارلیمنٹ کی مرضی سے مقرر کئے جائیں گے۔ کلیسائی انتظام کے لئے انگلستان اور بیرون انگلستان کے علما کی ایک مجلس بنے گی کہ کلیسا کے امن و انتظام کے متعلق جملہ امور ضروریہ پر غور کرے اور اس کی مرتبہ تجاویز پارلیمنٹ کی منظوری سے قانون عام کی شکل اختیار کر سکیں۔ اس تحریر کی سیاسی تجاویز سے ہائڈ و فاک لینڈ تک اختلاف نہ رکھتے تھے لیکن کلیسائے متعلق فقرات پر سخت مخالفت ہوئی کیونکہ ان کا مطلب یہ تھا کہ جو لوگ پارلیمنٹ کی اکثریت کے ہم عقیدہ نہ ہوں، ان پر اسی قسم کی مذہبی بیداد کی جائے جیسی کہ لاڈ انگلستان میں یا ونتھروپ امریکہ میں کر چکے تھے۔ اسقفی پسند اور شاہی دونوں گروہ مخالفت میں متحد ہو گئے اور یہ فقرے ۱۴۸ کے مقابلے میں صرف ۱۵۹ آرا سے منظور ہو سکے۔ اکثریت نے اپنی فتح کو نمایاں کرنے کی غرض سے فوراً اس تحریر کو چھپوانے کی ہدایت کی اور بادشاہ کے خلاف ملک سے امداد کی درخواست شائع کر دی اگرچہ اسی کے ساتھ انھوں نے ایسی حکمت عملی کا اعلان کر دیا جو کلیسائی حکومت اور اسقفیت کے حامیوں کے نزدیک صریحاً جور و استبداد کی دھمکی کے مراوف تھی۔

۲۳ نومبر کی صبح چار بجے "احتجاج کبیر" دارالعوام میں منظور ہوا تھا۔ ۲۵ کو چارلس واپس لندن پہنچا اور خود بھی خوش تھا اور استقبال بھی اچھا ہوا جب سے پارلیمنٹ کا اجلاس شروع ہوا، اس کا معاملہ اتنا امید افزا کبھی نہ تھا جتنا اب ہو گیا اور جب اس نے شہریوں کو یقین دلایا کہ قوانین کے مطابق

حکومت کروں گا اور یہ پیام دُہرایا کہ پروٹسٹنٹ مذہب کو جیسا کہ اس کے باپ اور الزبتھ کے زمانے میں مروج تھا، قائم رکھوں گا خواہ اس میں جان اور عزیز ترین چیزوں کو نثار کرنا پڑے، تو خاصی طرح یقینی نظر آنے لگا کہ بادشاہ بے یار و مددگار نہ رہے گا۔ شہر لندن تک میں، جہاں تک دولت مند طبقے کا تعلق ہے، لوگوں کے خیالات دوبارہ بادشاہ کی طرف رجوع ہونے لگے جس کا ایک سبب تو وہ بھاری بھاری محصول تھے جو پارلیمنٹ نے اسکوٹوں کو روپیہ دینے کی غرض سے عائد کئے اور دوسرے یہ کہ فرقہ پسندوں کے ہنگاموں سے لوگوں کو بہت نفرت پیدا ہوگئی۔ دوسری طرف، پارلیمنٹ چارلس کی جانب سے اور بھی کھٹک گئی اور جب بادشاہ نے سابقہ پہرے کی بجائے ایسرڈ ڈورسٹ کی سرداری میں نیا پہرہ پارلیمنٹ کے ایوانوں کے گرد مقرر کیا تو سبعوتین کے اندیشے اور بھی قوی ہونے لگے کیونکہ ڈورسٹ پیوریٹن فرقے کا پرجوش مخالف تھا۔ اس کے پہرے والوں کی چند ہی روز میں پیوریٹن فرقے کے حامیوں سے جو پیلیس یارڈ میں بھرے رہتے تھے، کھٹ پٹ ہوگئی اور محض اتفاق تھا کہ کشت و خون کی نوبت نہ آئی۔ بارے ڈورسٹ کا پہرہ ہٹا لیا گیا اور ویسٹ منسٹر کے عمال نے دوسرا پہرہ مقرر کر دیا۔ دارالعوام کی تشویش بے سبب نہ تھی کیونکہ فی الواقع اہل دربار عجیب عجیب منصوبے سوچتے اور پیوریٹن سرگروہوں کو گرفتار کر لینے کی فکر میں تھے۔ حسب معمول ملکہ کی محل سرا اندیشہ وہ انہوں کا مرکز تھی ۱۲ر دسمبر کو قلعۂ لندن کے قلعہ دار بیلفر کو برطرف کیا گیا۔ وہ بہت معتبر آدمی تھا اور اسٹرے فرڈ کو نکل بھاگنے کا موقع دینے سے اس نے انکار کر دیا تھا۔ اس کی بجائے ایک اوباش و خطرناک شخص لنس فرڈ مقرر ہوا لیکن اس تقرر پر مخالفت کا ہنگامہ ہوا تو چارلس مقابلہ کرنے سے پھر دم چرا گیا اور ڈورسٹ کی طرح لنس فرڈ بھی جلد برطرف کر دیا گیا۔ ان دونوں کے ہٹا دئے جانے کے باوجود پارلیمنٹ کو پورا اطمینان نہ ہوا وائٹ ہال کے گرد فوجی سردار بھرے رہتے اور اہل حرفہ بھی کثرت سے تماشا دیکھنے آتے ان میں اور سرکاری آدمیوں میں آئے دن مارپیٹ ہوتی اور انھی لڑائی جھگڑوں میں کیوے لیر (= سوار) اور راؤنڈ ہیڈ (= گول سرے) کی مشہور اصطلاحیں

سب سے پہلے سنی گئیں۔

چارلس کے آئینی طور پر اقتدار حاصل کرنے کی ایک اور صورت اب یہ بھی نکل آئی تھی کہ دارالعوام اور دارالامرا کے باہمی اختلاف سے فائدہ اٹھائے کیونکہ امرا کی اکثریت اسقفی پسند تھی اور سیاسی معاملات میں بھی بہت سے ارکان بادشاہی اختیارات کی مزید قطع و برید میں پم کا ساتھ دینے پر آمادہ نہ تھے۔ مگر یہ ساری امیدیں اسقفوں کی بے موقع حرکت سے برباد ہوگئیں۔ اصل یہ ہے کہ پیوریٹن خیال کے نوآموز کاریگر اسقفوں پر حملہ کرنے میں خاص طور پر بیباک تھے۔ ۲۷ دسمبر کو ولیمز نے جو اسی زمانے میں یارک کا صدر اسقف مقرر ہوا تھا، شور مچانے والوں میں سے ایسے ہی ایک چھوکرے کو اپنے ہاتھ سے گرفتار کرنے کی کوشش کی۔ تب یہ شریر باتوں کو چھوڑ کر لاتوں پر اتر آئے اور اس زیادتی سے ڈر کر سوائے دو کے اور کوئی اسقف جلسے میں آنے کی ہمت نہ کرسکا۔ دوسرے دن ولیمز کی سرگروہی میں بارہ اسقفوں نے یہ اعتراض لکھ کر بھیجا کہ ان کی عدم موجودگی میں دارالامرا کی کارروائی ہی کالعدم ہے۔ اس پر امرا بُرا مان گئے اور اسقفوں کے خلاف دارالعوام کے ہمنوا ہوگئے۔ پم نے اصرار کیا کہ (پارلیمنٹ) کی توہین کے جرم میں) اسقفوں پر مقدمہ چلایا جائے اور شام ہوتے ہوتے معترض اسقفوں کو حراست میں لے لیا گیا۔ اور پارلیمنٹ کے دونوں ایوان پھر متحد ہوگئے۔

پم وغیرہ پر مقدمہ

اس عرصے میں چارلس تذبذب کی دیرینہ بیماری میں مبتلا رہا۔ یکم جنوری کو اس نے عوام کے سرگروہوں سے مصالحت کا ارادہ کیا اور پم کو بلایا کہ وزارت مالیہ کا عہدہ اُس کے سپرد کردے۔ مگر دو ہی گھنٹے کے بعد کُل پیپر کو دی اور اس نے قبول کرلی فاک لینڈ معتمدی خاص کی خدمت پر سرفراز کردیا گیا اور ہائیڈ کو بھی عہدہ مل جاتا مگر وہ سمجھتا تھا کہ آزاد رہ کر بادشاہ کی زیادہ خدمت کرسکے گا۔ چارلس کی کارروائی مشکل سے تکمیل کو پہنچی ہوگی کہ اسے اطلاع ملی کہ دارالعوام میں ملکہ پر غداری کا مقدمہ چلانے کی ضرورت زیر غور ہے۔ واقع میں اگر پاپا اور آئرستانی باغیوں کے ساتھ ملکہ کی

سازباز، یا فوجی سازشوں ہی میں اس کی شرکت کا صحیح حال معلوم ہو جاتا تو پھر جرم کے ثبوت میں کوئی شبہہ ہی باقی نہ رہتا، لہٰذا ملکہ اور ڈگبی کے کہنے سے چارلس نے تا امکان اسے بچانے کی غرض سے اسٹرے فرڈ کی اس تجویز پر عمل کیا کہ مخالفوں پر الزام لگا کے خود دشمن کے میدان میں لڑائی چھیڑ دی جائے۔ چنانچہ طے ہوا کہ غداری کا الزام پم ہیمڈن، ہولیز، ہیزل رگ، اور اسٹروڈ پر عاید کیا جائے اور آخر میں امیر مینچسٹر کے بڑے بیٹے کمبول ٹن کا نام بھی داخل فہرست کر لیا گیا۔ اس فیصلے کے مطابق ۳ جنوری ۱۶۴۲ء کے دن مشیر قانونی سر ایڈورڈ ہربرٹ دارالامرا میں آیا اور بادشاہ کی طرف سے ان چھوٹوں سرگروہوں کو ذیل کے جرائم کا مجرم قرار دیا:- (۱) اساسی قوانین اور حکومت کے استیصال کی کوشش۔ (۲) بیرونی طاقت کو انگلستان پر حملہ کرنے کی دعوت (۳) بادشاہ اور پارلیمنٹ کے خلاف فساد بپا کرانا اور ان کو جائز رکھنا۔ اور (۴) بادشاہ کے خلاف جنگ کرنا۔ بے شبہ ان میں سے ہر الزام غداری کی تعریف میں آتا تھا اور صحیح قانونی لحاظ سے پہلا الزام دُرست بھی تھا کہ اگر اسٹرے فرڈ نے پارلیمنٹ کی قوت کم کر کے الزبیتھی آئین کو بدلنے کی سازش کی تو اسی قسم کی سازش کا (بادشاہ کے اختیارات کو کم کرنے کا) پم بھی مرتکب ہوا۔ الزامات سنا کے ہربرٹ نے ملزمین کی گرفتاری کی استدعا کی مگر بادشاہ کی اس کارروائی کا اور اُلٹا اثر ہوا۔ اُمرا نے چارلس کا وار یوں خالی دیا کہ ہربرٹ کے طریق عمل پر غور کرنے کے لئے ایک ذیلی مجلس مقرر کی اور اس کی غلطی ڈگبی کو اتنی نمایاں نظر آئی کہ وہ فوراً ایوان سے اُٹھ کر چل دیا۔ اس اثنا میں دارالعوام میں خبر آئی کہ ملزمین کے کمروں پر بادشاہ کے حکم سے قفل ڈال دئے گئے اور اس پر بحث ہو ہی رہی تھی کہ شاہی گرزبردار (سارجنٹ ایٹ آرمز) بادشاہ کے نام سے ملزموں کا مطالبہ کرنے آ پہنچا۔ ملزموں کی گرفتاری اُمرا کے حدود اختیاری میں داخل تھی عوام نے پارلیمنٹ کے امتیازات کا مطالبہ کیا اور چارلس کا منصوبہ بالکل درہم برہم ہو گیا۔ اگر چارلس میں ایک انقلابی کی جرأت ہوتی تو وہ ان مبعوثوں کو سوتے میں گرفتار کرا لیتا مگر اس نے قانون کی عبارت سے تجاوز کرنا نہ چاہا اور دوسرے دن، صبح کو بہت کچھ تردد و تذبذب کے بعد فیصلہ کیا کہ خود ایوان پارلیمنٹ میں جا کر

ملزموں کو گرفتار کرے۔ کہتے ہیں ملکہ کے طعنوں سے جو برابر کہہ رہی تھی کہ ان بدمعاشوں کے کان پکڑ کے کھینچ لاؤ" وہ ایسا کرنے پر آمادہ ہوا تھا۔ بہرحال، تین بجے کے قریب وہ وہائٹ ہال سے، کم سے کم تین سو سواروں کے ساتھ روانہ ہوا۔ مگر اس کے ارادوں کی سب کو خبر تھی اور وہ آہستہ آہستہ جا رہا تھا لہذا عوام کو بادشاہ کے چلتے ہی اطلاع پہنچ گئی اور وہ جس وقت پیلیس یارڈ میں داخل ہوا، اس وقت ملزمین ویسٹ منسٹر کی سیڑھیوں سے کشتیوں میں بیٹھ کر شہر کی طرف چل دیئے۔ بادشاہ نے ساتھیوں کی زیادہ تعداد تو ایوان میں صف بستہ کی اور چند سرداروں کے ساتھ خود مبعوثین کے پیش دالان میں آیا۔ جہاں یہ سردار ٹھیر گئے اور اکیلا چارلس ایوان میں گیا۔ ملزمین کو موجود نہ دیکھا تو اس نے صدر نشین، لین تھال سے پوچھا کہ وہ کہاں گئے۔ لین تھال نے گھٹنوں کے بل گر کر عرض کیا کہ "میں نہ اپنی آنکھوں سے دیکھتا ہوں نہ اپنی زبان سے بولتا ہوں، بجز اس کے جس کی اہل مجلس ہدایت فرمائیں" چارلس کو دوبارہ ناکامی ہوئی اور وہ خائب وخاسر واپس چلا آیا اور یہ نعرے کہ "پارلیمنٹ کا امتیاز، پارلیمنٹ کا امتیاز!" کانوں میں گونجتے رہے پیش دالان میں فوجی سردار اپنے لبادے اتار کر طینچوں کے گھوڑے چڑھا رہے تھے اور بظاہر تشدد کرنے پر تلے ہوئے تھے، جس کے وبال سے صرف پم وغیرہ کی فراری نے چارلس کو بچا لیا۔ سپاہیوں کو یہ خبر ہوی تو چلائے کہ وہ تو چل دیے اور ہمارا آنا بے کار ہی رہا" دوسرے روز چارلس شہر میں گیا اور بلدیۂ لندن سے مطالبہ کیا کہ ان غداروں کو حوالے کر دیا جائے۔ مگر ارکان بلدیہ بھی دارالعوام کی طرح مضبوط رہے اور گلڈ ہال کے اندر باہر تبھی وہی "پارلیمنٹ کا امتیاز، پارلیمنٹ کا امتیاز" کی صدائیں بلند ہوتی رہیں۔

ادھر پارلیمنٹ رسمی طور پر اسی تاریخ تک ملتوی کر دی گئی لیکن غیر رسمی جلسے شہر میں روزانہ ہوتے رہے، جن میں صاف کہہ دیا گیا کہ بادشاہ غداری کی بنا پر گرفتار نہیں کر سکتا۔ اور یہ اصولی بھی طے ہوا کہ جب تک پارلیمنٹ کو الزام کی صداقت کا اطمینان نہ ہو جائے، کوئی مبعوث گرفتار نہیں کیا جا سکتا۔ دوسری طرف، چارلس بھی اپنی بات پر قائم تھا۔ اس نے وہائٹ ہال کے سامنے دارالعوام کے پانچوں ملزموں کے غدار ہونے کی منادی کرادی۔ اس کے جواب میں لندن کے سدھے ہوئے

باب سوم

دستے طلب کئے گئے اور ان کی قیادت فلپ اسکیپن کے تفویض ہوئی جو پکا پیوری ٹن اور عملاً سپاہی آدمی تھا۔ ٹیمز کے ملاحوں نے پارلیمنٹ کے ایوانوں کی دریا کی طرف سے حفاظت کرنے کی خدمت از خود انجام دینے پر آمادگی ظاہر کی۔ غرض چارلس کی کارروائی کا نتیجہ یہ ہوا کہ نہ صرف پارلیمنٹ کے دونوں شعبے متحد ہو گئے بلکہ پانچوں ملزمین قومی سورما بن گئے اور صاف نظر آنے لگا کہ وہ ۱۱ ردسمبر تاریخ کو فاتحانہ انداز سے پارلیمنٹ میں آئیں گے اور غالباً خود ملکہ کے گرفتار کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ پس اپنی بیوی کو بچانے اور خود ذلت سے بچنے کے لئے چارلس ۱۰ ار جنوری ہی کو وہائٹ ہال سے روانہ ہو گیا اور ایسا رخصت ہوا کہ پھر قتل ہونے ہی کے لئے واپس آیا۔

لندن سے چل کر بادشاہ و ملکہ ہیمپٹن کورٹ اور پھر ونڈزر، کینٹربری اور ڈوور گئے۔ ۲۳ فروری کو ملکہ اپنی بڑی بیٹی میری کو لے کر ہالینڈ چلی گئی۔ اس

ملکہ باہر چلی جاتی ہے

شہزادی کا رسمی طور پر عقد گزشتہ مئی میں ولیم (آف اورینج) کے ساتھ ہو چکا تھا۔ ملکہ اپنے ہمراہ بیش بہا شاہی زیورات بھی لے گئی تھی کہ انھیں گروی رکھ کر روپیہ و کسی فوج مہیا کی جائے اور وہ انگلستان پر حملہ آور ہو۔ ڈگبی بھی انگلستان سے روانہ ہوا اور ملکہ کو بہت کچھ امید پیدا ہو گئی کہ زبردست لشکر کے ساتھ واپس آئے گی خود چارلس، گرینچ روانہ ہوا اور شہزادہ ولی عہد کو اپنی حفاظت میں لے کر مارچ میں نیو مارکیٹ پہنچ گیا۔ اس عرصے میں پارلیمنٹ اور بادشاہ کے درمیان برابر نامہ و پیام ہوتے رہے۔ اب دونوں ایوان متحد تھے جس کا ایک ثبوت یہ ملا کہ اسقفوں کو دار الامرا سے خارج کرنے کا مسودۂ قانون بلا دقت منظور ہو گیا اور چارلس نے بھی ان علمائے دین کو قربان کرنا گوارا کر کے دستخط ثبت کر دئے۔ پھر پارلیمنٹ آئرستانی جنگ کی طرف متوجہ ہوئی اور ۲۴۰۰ سپاہی وہاں بھیجے گئے۔ پارلیمنٹ کو آئرستان کے قدیم باشندوں سے اسی قدر کم ہمدردی تھی، جتنی اسٹرے فرڈ کو، اور اس نے روپیہ وصول کرنے کی یہ نئی تدبیر نکالی کہ باغیوں کی پچیس لاکھ ایکڑ زمین چھین کر آفاقیوں کی ایک جماعت میں بانٹ دی جائے اور وہ آپس میں چندہ کر کے دس لاکھ پاؤنڈ قیمت ادا کریں اسے بھی

چارلس نے منظور کرلیا اگرچہ غالباً وہ جانتا تھا کہ اس کارروائی سے باغی اور بھی جان توڑ کر لڑیں گے اور انھیں قابو میں لانا اور زیادہ دشوار ہو جائے گا۔

فوج بے قاعدہ

معمول کے مطابق تو آئرستان کی فوج کا سپہ سالار بادشاہ کو ہونا چاہئے تھا لیکن پارلیمنٹ کو چارلس پر اس قدر کم بھروسہ تھا کہ اس نے آئرستانی جنگ کو اپنے زیر انتظام رکھنے کے علاوہ ایک تازہ تجویز ایسی سوچی کہ بادشاہ کا انگلستان کی فوجوں پر جو اقتدار ہے، وہ بھی باقی نہ رہے۔ ایڈورڈ ششم کے عہد سے دیہات کی فوج بے قاعدہ (= ملیشیا) نائب سپہ سالاروں کے ماتحت ہوتی تھی اور ان کا، نیز جنگی قلعوں کے قلعہ داروں کا تقرر خود بادشاہ کیا کرتا تھا۔ اب پارلیمنٹ نے ان دونوں قسم کے تقررات کو اپنے قبضے میں لینے کی غرض سے ایک مسودۂ قانون مرتب کیا اور نظیر کے طور پر، سائے کو آکسفرڈ شر میں ''نائب سپہ سالار اور سیل کو قلعہ ہل میں ایک قلعہ دار اپنی طرف سے مقرر بھی کر دیا۔ ۹ مارچ کو بادشاہ سے مجوزہ قانون کی منظوری مانگی گئی۔ چارلس نے منظوری دینے سے صاف انکار کر دیا اور کہا کہ تم اس تجویز میں وہ چیز مجھ سے طلب کرتے ہو جو کبھی کسی بادشاہ سے طلب نہیں کی گئی اور جس کو میں اپنے بیوی بچوں کے حوالے کرنا بھی پسند نہ کروں گا۔ تب پارلیمنٹ نے قانون کی بجائے اسے ''حکمنامۂ پارلیمنٹ'' کے پیرایے میں شاہی منظوری کے بغیر نافذ کر دیا اور اپنے مقرر کردہ سرداروں کو ہدایت کی کہ عہدے کا جائزہ لے لیں۔ پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں کی یہ کارروائی بلاشبہ قانون و آئین کے خلاف تھی اور بادشاہ کو موقع مل گیا کہ قانون کا حامی بن کر مقاومت کرے لیکن چونکہ پارلیمنٹ میں کوئی گروہ سیاسی اعتبار سے اس کا ہوا خواہ نہ تھا، لہذا وہ شروع میں کچھ زیادہ فائدہ نہ اٹھا سکا اور ۱۹ مارچ کو یارک پہنچا تو لوگوں نے کچھ بہت آؤ بھگت نہ کی۔ البتہ یہی زمانہ ہے جب

شاہ پسندوں کی قوت پذیری

سے ایک سیاسی تغیر کے آثار نمایاں ہوئے۔ پانچ مبعوثین کے گرفتار کرنے کی کوشش کے وقت سے مذہبی مسائل پس پشت رہ گئے تھے، وہ اب دوبارہ ابھرے اور انھی کے ساتھ بادشاہ کو مدد ملنے کی امیدیں بھی تازہ ہو گئیں۔ اس کا فوری سبب یہ ہوا کہ کینٹ کے شرفا کی طرف سے پارلیمنٹ میں ایک محضر پیش ہوا جو دراصل اسقفی پسند گروہ کے خیالات کا

حائل تھا۔ محضر گذاروں کا مطالبہ تھا کہ (۱) کلیسا کی نماز خوانی بیجا مداخلت، تعریض، تذلیل و تہدید اور ایسے لوگوں کے تشدد سے محفوظ کی جائے جو آئے دن اسے بگاڑتے رہتے ہیں اور (۲) اسقفی نظم و نسق برقرار رکھا جائے۔ ان مقاصد سے چارلس پورا ہم آہنگ تھا اور اگر اس گروہ کو یہ یقین دلا دیا جائے کہ آئندہ وہ قدیم روش چھوڑ کر آئینی اصول کی کامل پابندی کرے گا، تو اُسے اپنے مؤیدین کا بنانا یا گروہ مل سکتا تھا۔ چنانچہ یہ کام اُس کی طرف ہائیڈ نے انجام دیا۔ وہ ذاتی طور پر چارلس کا پورا پورا ہم خیال تھا۔ اُس نے اسٹرے فرڈ کے قتل کی رائے دی لیکن اسقفی نظام کو توڑنے کے خلاف تھا۔ دیرینہ خرابیوں کے دُور کرنے میں سرگرمی سے حصہ لیتا رہا مگر فوج بے قاعدہ کے جدید و مخدوش مسودۂ قانون کی مخالفت کی غرض اب یہی شخص قانون پروری کی حمایت میں کھڑا ہوا اور چارلس نے اسے آئینی معاملات میں اپنا مشیر بنا لیا۔ ادھر پارلیمنٹ نے گویا بادشاہ کو اور تقویت اس طرح پہنچائی کہ کینٹ کے محضر گذاروں پر مقدمہ چلا کر سابقہ مذہبی تصفیے سے علانیہ مخالفت کا اظہار کیا۔ اسی وقت سے اہل ملک مجبور ہو گئے کہ یا قطعی طور پر بادشاہ کا ساتھ دیں یا پارلیمنٹ کا، اگرچہ بعض معاملات میں انھیں دونوں سے اختلاف ہو۔ اسقفی انتظام اور کتاب الصلواۃ کے حامیوں کو ان دونوں کی سلامتی اسی میں نظر آنے لگی کہ بادشاہ پارلیمنٹ پر غالب آئے۔ بخلاف اس کے جو لوگ عبادت کے دوسرے طریقوں کو گرجا کے اہلکاروں کے انتظام کو پسند کرتے تھے، وہ اپنی جگہ پر مجبور ہو گئے کہ پارلیمنٹ کی تائید کریں۔ کیونکہ جملہ مذاہب سے رواداری کے خیال کی تائید کرنے والے ابھی تک وجود میں نہ آئے تھے۔

بایں ہمہ اس گروہ بندی سے ملک میں خانہ جنگی سامنے تُلی ہوئی دکھائی دی تو دونوں فریق سوچ میں پڑ گئے اور تھوڑی دیر کے لئے مصالحت کا امکان نکل آیا تھا کہ چارلس کی ایک بے عقلی سے پارلیمنٹ کے شکوک تازہ ہو گئے۔ یہ اس کی ہل میں داخل ہونے کی کوشش تھی۔ واضح رہے کہ جب سے بادشاہ لندن سے روانہ ہوا، پارلیمنٹ کی توجہ ہل اور پورٹس متھ کی طرف مبذول ہو گئی جہاں قلعۂ لندن کی نسل اسلحہ کے بڑے بڑے ذخیرے تھے۔ ہل کو خاص طور پر اہمیت حاصل ہو گئی تھی کیونکہ جب سے شمالی فوج کی تخفیف ہوئی

چارلس کا ہل میں رد کا جانا

سولہ ہزار سپاہیوں کا ساز و سامان، اسی قلعے میں محفوظ تھا۔ دوسرے ولندیزی یا ڈین مارک کی سپاہ انگلستان آتی، تو اسے سب سے زیادہ سہولت اسی بندرگاہ پر اترنے میں ہوتی۔ غرض، چارلس نے امیر نیوکاسل کو حکم دیا کہ ہل پر قبضہ کر لے تو پارلیمنٹ نے پیش قدمی کی اور سر جان ہوتھم کو وہاں بھیجدیا۔ پھر فوج بے قاعدہ کا حکم نامہ، منظور ہوا تو اس تقرر کی توثیق کر دی اور حکم ملا کہ وہ اس مقام کو کسی کے حوالے نہ کرے "وو بجز ایسے بادشاہی حکم کے، جو عوام و امرا کی حاضرہ پارلیمنٹ کی طرف سے نافذ کیا گیا ہو" یہ حکم صریحاً خلاف قانون تھا اور ملکہ کے اصرار سے چارلس خود ہل جا کر داخلے کا مطالبہ کرنے پر تیار ہو گیا۔ ۲۳ اپریل کو وہ شہر کے پھاٹک کے سامنے نمودار ہوا مگر ہوتھم نے امانت کا حق ادا کیا اور بادشاہ اس کے غدار ہونے کی منادی کرا کے، ناکام یارک چلا آیا۔ یہ علانیہ اسلحہ حاصل کرنے کی کوشش تھی اور اس سے صلح کے سارے امکانات پر پانی پھر گیا۔ پارلیمنٹ نے اسلحہ کا ذخیرہ ہل سے لندن میں منتقل کرا لیا۔ اور اب لڑائی ایسی ناگزیر ہو گئی کہ دونوں فریق پوری توجہ سے ایک دوسری کی چیرہ دستی ثابت کرنے میں مصروف ہو گئے۔

۲ جون کو پارلیمنٹ نے ۱۹ تجویزیں بادشاہ کے پاس بھیجیں جن میں اجازت طلب کی گئی تھی کہ شاہی مجلس کے ارکان، شاہی عہدہ دار، قلعہ دار اور حکام عدالت پارلیمنٹ نامزد کرے۔ فوج بے قاعدہ کے متعلق پارلیمنٹ کے حکم نامے کو منظور کر لیا جائے اور پارلیمنٹ کی رائے کے مطابق کلیسا کی اصلاح کی اجازت دی جائے۔ ظاہر ہے کہ چارلس نے انکار کیا اور ۱۵ جون کو یارک سے ایک جوابی اعلان بھی شائع کیا گیا جس کی عبارت آرائی میں بڑی ہوشیاری سے کام لیا تھا اور بادشاہ کے حامیوں کی طرف سے درج تھا کہ چارلس، پارلیمنٹ سے لڑائی کا خواہاں نہیں ہے اور اس کی ساری کوشش یہ ہے کہ سچا پروٹسٹنٹ مذہب پارلیمنٹ کے واقعی حقوق، رعایا کی آزادی، امن و قانون اور ملک کی سود بہبود کے مسائل واضح اور محکم طور پر طے ہو جائیں۔ اب تک چارلس کو خیرخواہ جتنے ہیں سب سے بڑی رکاوٹ یہ تھی کہ وہ برابر اپنے ملک کے خلاف بیرونی مدد بہم پہنچانے کی کوشش کرتا رہا تھا۔ لہذا یہ اس کی خوش قسمتی تھی کہ یہ سب کوششیں ناکام رہیں اور اس نے تو داہل انگلستان

کی وفاداری سے مدد لینے کا تہیہ کرلیا اور اسی ارادے کا پہلا ثمر مذکورۂ بالا اعلان تھا۔ اس کامیابی سے ہمت مضبوط ہوئی تو چارلس نے دوسرے دن ''پروانہ ہائے صف بندی'' جاری کئے جن میں اپنے خیرخواہوں کو اجازت دی گئی تھی کہ فوج کے لئے قواعد داں دستے مہیا کریں۔ اور اگرچہ جنوب مشرقی اضلاع کے باشندے پارلیمنٹی سپہ سالاروں کے ساتھ رہے لیکن شمال اور مغرب میں پروانہ داروں کی ہدایات پر عمل ہوا۔ بادشاہ کو ایک اور دقت روپے کی پیش آتی رہی تھی مگر اس نازک وقت میں کیتھولک فرقے کا امیر ورسٹر اور اس کا بیٹا لارڈ ہربرٹ کام آئے اور اپنی ضمانت پر ۹۵ ہزار پاونڈ کی رقم خطیر جمع کردی۔ ملکہ بھی شاہی زیورات رہن رکھ کر مزید رقم بہم پہنچانے میں کامیاب ہوئی۔

جنگ کی طرف ڈھلکنا

اب فریقین برابر جنگ کی طرف ڈھلک رہے تھے۔ ۴ جولائی کو ایک مجلسِ تحفظ مقرر ہوئی جس کے سربرآوردہ ارکان یہ تھے: اسیکس۔ سائے۔ سیل (اُمرا سے) اور پم ہیمڈن فینیز۔ ہولیز۔ اور سر ولیم والر۔ اور چند روز بعد طے ہوا کہ جنگی خدمت کی غرض سے دس ہزار جوان بھرتی کئے جائیں۔ ۱۱ جولائی کو دار العوام نے اعلان کیا کہ چارلس جنگ کا آغاز کرچکا ہے۔ ۱۲ کو اسیکس سپہ سالار مقرر ہوا۔ ۱۵ کے دن سب سے پہلا کشت و خون مینچسٹر کے قریب لارڈ اسٹرینج (جو آگے چل کے امیر ڈاربی ہوا) اور بعض شہر والوں کے مقابلے سے واقع ہوا جب کہ یہ شہری پارلیمنٹ کے حکم نامۂ فوج بے قاعدہ پر عمل کرانے کی کوشش میں مصروف تھے۔ ۱۷ جولائی کو چارلس کی موجودگی میں ہل کی فصیلوں کے سامنے لڑائی ہوئی۔ اگست میں پارلیمنٹ نے آئرستانی جنگ کی منظور شدہ رقم میں سے ایک لاکھ پاونڈ قرضہ لیا۔ اسی ماہ کی درمیانہ تاریخ بادشاہ کے رفیقوں کو پارلیمنٹ میں غدار قرار دیا اور ۲۲ کو چارلس نے نوٹنگھم میں شاہی پرچم کھولا۔ یہ کارروائیاں تھیں جن سے اہل انگلستان کو معلوم ہونے لگا کہ وہ دو گروہوں میں تقسیم ہوگئے ہیں۔ ہر گروہ جنگ کے لئے آمادہ تھا اگرچہ اپنی ناخوشی کا اظہار اور فریق مقابل کو کشت و خون کا اصلی ذمہ دار بناتا تھا۔ چارلس نے لڑائی کا جھنڈا بلند کرنے کے بعد بھی صلح کی دو کوششیں اور کیں اور آخر میں ۶ ستمبر کو فاک لینڈ کو اجازت

دی کہ پارلیمنٹ کے سرگروہوں سے جا کے زبانی کہہ دے کہ بادشاہ اب بھی ہر معقول تجویز کو سننے کے لئے تیار ہے اور خصوصیت کے ساتھ وہ مذہب کی کامل اصلاح پر رضامند ہوگا۔" افسوس ہے کہ یہ پیام صیغۂ راز میں بھیجا گیا اور اعلان صرف اس آمادگی کا ہوا کہ اگر غداری کے الزامات کو جو دونوں طرف سے فریق مقابل کے افراد پر لگائے گئے تھے، کالعدم کر دیا جائے، تو بادشاہ جنگ سے رُک جائے گا۔ جواب میں پارلیمنٹ نے مطالبہ کیا کہ تیاریوں میں جو روپیہ خرچ ہوا ہے وہ اُن لوگوں کی اراضی سے وصول کیا جائے جنھیں پارلیمنٹ "درخاطی" قرار دے۔ یہ وہی روش تھی جو آئرستان میں انگریز حکام نے باغیوں کے خلاف اختیار کی تھی اور یہاں بھی اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دس ہزار لڑنے والے بادشاہ کے علم کے نیچے جمع ہو گئے۔ بلکہ پہلے تو محض وفاداری کے خیالی جذبے یا اسقفیت کی بقا کے لئے لڑنے مرنے میں تذبذب تھا، اور اب جو بہتوں کو اپنی جاگیریں خطرے میں نظر آئیں، تو کوئی تامل باقی نہ رہا اور چارلس کے گرد چند ہی روز میں پرجوش سپاہیوں کا لشکر جمع ہو گیا۔

فریقین کا ساتھ دینے والے کسی جغرافی حدود میں محدود نہ تھے۔ ہر پرگنے میں بعض لوگ بادشاہ کے اور بعض پارلیمنٹ کے طرفدار تھے۔ علمائے کلیسا نے بلا استثنیٰ بادشاہ کا ساتھ دیا۔ اور علیٰ ہذا کیتھولک فرقے نے، جو خوب جانتا تھا کہ پیوری ٹن گروہ کی فتح ہوئی تو پھر کیتھولکوں کی خیر نہ ہوگی۔ اہل انحراف اور اسقفیت کے مخالف، ظاہر ہے کہ پارلیمنٹ کی طرف تھے اور پکے پیوری ٹن جو اپنے مذہب کو اصلاح کلیسا کا بہترین ثمرہ سمجھتے تھے ان کے نزدیک بادشاہ سے لڑنا گویا مذہبی جہاد کرنا تھا۔ جن لوگوں کے مذہبی عقائد پختہ نہ تھے وہ دونوں طرف بٹے ہوئے رہے۔ شاہی امتیازات کو کم کرنے کی ضرورت پر زور دینے والے پِم کے مؤید تھے اور قدیم وفاداری کے شیفتہ، چارلس کے زیر علم آ گئے۔ اکثر عیش دوست اشخاص کا دل گواہی دیتا تھا کہ پیوری ٹن مذہب کی حکومت ہوئی تو اپنی طرز معاشرت کا نباہ غیر ممکن ہو جائے گا، لہٰذا اس کی مزاحمت کرنا فرض عین ہے یہ بھی بادشاہ کے پیرو ہو گئے۔ لنس فرڈ جیسے شراب خوار تلوریئے بھی اسی طرف آملے جس سے فاک لینڈ وغیرہ عالی خیال حضرات کو پریشانی بھی پیدا ہوئی۔ آبادی کے مختلف طبقات پر نظر ڈالی جائے تو

معلوم ہوگا کہ پارلیمنٹ کی فوج میں بیشتر شہری، خصوصاً لندن والے بھرتی ہوئے اگرچہ ان کے سردار اُمرا یا زمینداروں کی جماعت سے لیے گئے تھے تاہم متوسط طبقے کے شرفا یا زمینداروں نے عموماً بادشاہ کا پہلو لیا اور خود ادھر آئے تو اپنے کسانوں کو بھی ساتھ لے آئے۔ امیر گھرانوں کے بے غرض افراد دونوں طرف موجود تھے اور ہر چند مہذب صاحبانِ ذوق کو پیوریٹن مذہب کے خشک و سخت اصول و دُور باش کھٹتے نظر آتے تھے، پھر بھی پارلیمنٹ کے طرفداروں میں شائستہ اور نفیس مزاج لوگوں کی کمی نہ تھی۔ مثال کے طور پر اسی لشکر میں ایک کرنل ہچنسن ہی تھا جس کی بیوی کا بیان ہے کہ "وہ بہت عمدہ رقص کرسکتا تھا اگرچہ جوانی یا کہولت میں اس کی کوئی مشق اُس نے نہیں کی۔ تلوار کھیلنے میں اسے مہارت حاصل تھی جیسی کہ شرفا کو ہونی چاہیے وہ موسیقی کا دلدادہ تھا اور اکثر رباب سے دل بہلاتا جسے بجانے میں اسے کمال حاصل تھا نقاشی، کندہ کاری اور بت تراشی اور جملہ فنون ذوقی میں اس کی نظر بہت اچھی تھی اور طرح طرح کے بیش قیمت نوادر بھی اس نے جمع کئے تھے"

مگر تفہیم کی غرض سے اگر ہل سے گلوسٹر ہوتا ہوا اِلم تک خط کھینچا جائے تو یہ فریقین میں حدِ فاصل ہوگا کہ اس کے جنوب اور مشرق کے باشندے یا کم سے کم ان کا کارکن گروہ تو عموماً پارلیمنٹ کا مدد و معاون تھا اور شمال و مغرب میں اکثریت بادشاہ کے ساتھ تھی۔ (دیکھو نقشہ آغاز باب ہذا) اس تقسیم میں بعض مستثنیات بھی تھیں۔ مثلاً آکسفرڈ کے دارالعلوم نے بادشاہ کا پہلو لیا۔ یہی روش کیمبرج کی تھی مگر کروم ویل نے اُسے بہت جلد مدد دینے کے قابل ہی نہ رہنے دیا۔ یارک شر کے علاقۂ ویسٹ رائڈنگ اور نیز سمرسٹ کے پارچہ ساز قصبات پارلیمنٹ کے ہمنوا تھے۔ اندرونی دیہات کی نسبت ساحلی بستیاں عموماً پارلیمنٹی تھیں۔ اس تقسیم میں جنگ لنسسٹرین و لنسٹرین کے زمانے کی بھی مماثلت پائی جاتی ہے کہ شہر اور دولت مند اضلاع اس موقع پر پارلیمنٹ کی طرف رہے جیسے انھوں نے پہلے خاندان یارک کا ساتھ دیا تھا اور مفلس ویس ماندہ علاقوں نے بادشاہ کی وفاداری کا حق ادا کیا۔ پارلیمنٹ کے لئے سب سے بڑی بات یہ تھی کہ امیر وارک کے ماتحت سارا بیڑا اُسی کی طرف تھا اور اسی واسطے بادشاہ کو تو باہر سے سامان رسد منگانے میں

باب سوم

کمال دقت پیش آتی رہی اور پارلیمنٹ والے نہ صرف اپنی فوجوں کو سمندر کے راستے اِدھر اُدھر بھیج سکے بلکہ بیڑے کی مدد سے ساحلی شہروں کو چارلس کی بڑی فوج کا خوب مقابلہ کرنے میں نہایت مفید مدد دے سکے۔ پارلیمنٹ نے جنگ کرنے میں اپنی جان لگادی تھی۔ سائے آکسفرڈ آیا کہ جامعہ کو مرعوب کرے۔ ولیم والر نے پورٹس متھ

آغازِ جنگ

پر چڑھائی کی اور ۷ ستمبر کو گورنگ نے مجبور ہو کر شہر حوالہ کر دیا۔ کمبولٹن (جو اب امیر منچسٹر ہوگیا تھا) ہمپڈن، فینیز، ہولیز وغیرہم نے اپنے ذاتی خرچ سے فوجیں مرتب کیں۔ لندن والوں نے آٹھ ہزار سپاہی فراہم کیے اور تھوڑی ہی مدت میں بیس ہزار جوان پارلیمنٹی نشان یعنی نارنجی ٹپکا باندھے نظر آنے لگے۔ اس اجتماع کے ساتھ ساتھ شاہ پسندوں اور کیتھولکوں کے مکان کے مکانات لوٹ لیے گئے اور پیوریٹن فرقے کے مخالف گرجوں کی آرائش اور ممبروں کے کٹہرے توڑ ڈالے گئے۔ ۹ ستمبر کو ایسکس باضابطہ پارلیمنٹ کے دونوں شعبوں سے رخصت ہوا۔ اور عزم مصمم کے ثبوت میں تابوت و کفن ساتھ لے کر نارتھمپٹن کی طرف کوچ کیا جہاں سے وہ بلاتاخیر ناٹنگھم پر فوج کشی کا قصد رکھتا تھا۔ لیکن نارتھمپٹن پہنچنے پر معلوم ہوا کہ چارلس ناٹنگھم کو پہلے ہی چھوڑ چکا ہے۔ اصل میں وہاں اسلحہ کی فراہمی دشوار تھی اور اسی لیے جنگی تیاریوں میں رکاوٹ ہوئی تو وہ دانائی سے شروزبری میں منتقل ہوگیا جہاں ویلز اور شمال کی فوجیں آسانی سے جمع ہو سکتی تھیں۔ راستے میں اس نے سپاہیوں کو یہ اعلان کرکے دوبارہ مطمئن کیا کہ اس پارلیمنٹ کے جن قوانین کو میں منظوری دے چکا ہوں، وہ برقرار رہیں گے اسی کے ساتھ اپنے آدمیوں کے مذہبی جذبات کو یہ کہہ کہہ کر ابھارا کہ مقابلے میں جو لوگ آئیں گے وہ دجالی، دہریے، زندیق ہونگے۔ چارلس کی فوج میں سب سے پرجوش جنگ جو یقیناً اس کا بھانجا روپرٹ (شہزادہ پیلے ٹی نیٹ) تھا جس کی عمر صرف تیئس سال کی تھی مگر سپاہ گری کی بہترین صلاحیت رکھتا تھا اور تلا ہوا تھا کہ جس طرح ممکن ہو غلبہ حاصل کیا جائے۔ چنانچہ رسد فراہم کرنے میں زبردستیوں کی بدولت پارلیمنٹی فریق نے بطریق سجع اس کا نام "پرنس روبر" (= شہزادہ ڈاکو) رکھ دیا تھا اس شہزادے کو چارلس نے سواروں کا سپہ سالار مقرر کیا اور کئی کئی سپہ سالار نامزد ہوئے لیکن درحقیقت اصلی انتظامات خود بادشاہ کے ہاتھ میں تھے۔

وُرسٹر

خانہ جنگی کا پہلا قابل ذکر معرکہ ورسٹر میں پڑا۔ سر جان بائرن آکسفرڈ کے کلیات سے مال متاع لے کر بادشاہ کے پاس آرہا تھا کہ فینیز کے ایک سوار دستے نے آگھیرا۔ رُوپرٹ نے بائرن کو عقبی حملے سے بچانے کے سلسلے میں اس دستے کو بھگا دیا اور سامان رسد جس کی بڑی ضرورت تھی دشمن کے ہاتھ سے بچا لایا۔ اس معرکے کا ایک خاص اثر یہ ہوا کہ شاہ پسندوں کی نگاہ میں پیوری ٹن رسالے کی کوئی وقعت نہ رہی۔ خود ایک پارلیمنٹی سردار کرومویل بھی اس رائے میں ان کا شریک تھا چنانچہ اپنے عم زاد بھائی ہیمڈن سے اس نے اپنی طرف کے سواروں کی مذمت کی اور کہا کہ "تمہارے ساتھی زیادہ تر بڈھے ملازمین یا قالین باف وغیرہ ہیں اور اُن کی فوج اشراف زادوں اور ذی وجاہت لوگوں پر مشتمل ہے۔ کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ ایسے رذیل اور ادنیٰ افراد شرفا کا مقابلہ کرسکیں گے۔ جن میں ہمت، استقامت اور شرافت کے جوہر ہیں"۔ ہیمڈن بھی اس بات کو مانتا تھا۔ مگر تردد یہ تھا کہ اس کے علاوہ اور کیا کیا جاسکتا ہے۔ تاہم کرومویل اپنی عملی طرز کے مطابق فوراً اپنا الگ رسالہ تیار کرنے میں مصروف ہوگیا جسے وہ بالکل جداگانہ قسم کی فوج بنانا چاہتا تھا۔

چارلس کے شروزبری جانے کے جواب میں ایسکس نے وارک وغیرہ مناسب مقامات میں فوجیں متعین کردیں اور خود ورسٹر پہنچ گیا۔

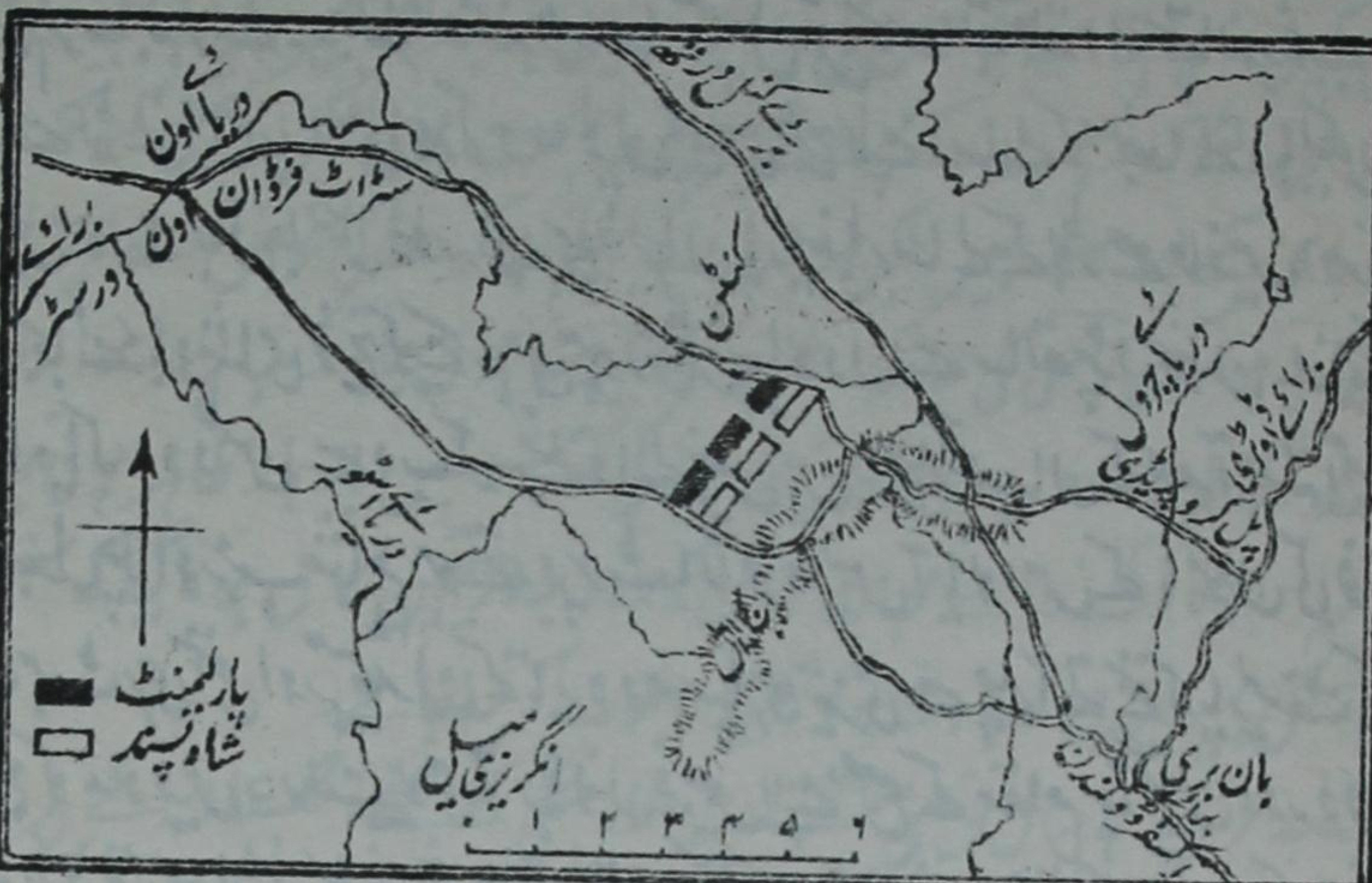
چارلس کی پیش قدمی لندن پر

۱۲ اکتوبر کو چارلس نے شروزبری سے کوچ کیا اور ہوشیاری سے ان قصبوں کو بچا کے جہاں فوجیں موجود تھیں، سیدھا لندن کا رُخ کیا۔ ایسکس تعاقب میں چلا۔ ۲۲ اکتوبر کو چارلس بانچ کوٹ میں اور حریف چند میل کے فاصلے سے کنیٹن میں مقیم تھے اور دونوں کے راستے آگے چل کے بین بری پر مل جاتے تھے۔ چارلس کا لشکر کچھ آگے بڑھا ہوا تھا لیکن ایسکس کے قریب آنے کی خبر سن کر وہ اپنا راستہ چھوڑ کے ایج ہل پر ہٹ آیا اور بہت محفوظ مقام پر خیمے ڈال دئیے۔ یہ بلند زمین کا وہ سلسلہ تھا جس کے نیچے ایون کی سطح وادی واقع ہے۔ ایسکس کا راستہ انھی بلندیوں سے گزرتا تھا۔ شاہی فوج کی تعداد چودہ ہزار تھی اور ایسکس کے تحت میں دس ہزار سے زیادہ سپاہی نہ ہونگے تاہم ہیمڈن ایک مختصر لشکر کے ساتھ دو منزل پر موجود تھا۔

معرکۂ ایج ہل

مدافعت کے لئے چارلس کا مقام بہت مضبوط تھا لیکن وہ انتظار میں نہ رہ سکتا تھا کیونکہ سامان رسد ختم ہو رہا تھا اور علاقہ ایسے دشمنوں کا تھا کہ وہاں کے لوہاروں نے گھوڑوں کے نعل بنانے تک سے انکار کردیا اور عقب میں بین بری کا قصبہ انگلستان بھر میں سب سے بڑھ کر

پارلیمنٹ کا طرفدار موجود تھا۔ مزید برآں شاہی لشکر میں بہت کم لوگ ہوں گے جنھیں آسانی سے فتح



جنگ ایج ہل ۲۳ اکتوبر ۱۶۴۲ء

پانے میں کوئی شک ہو۔ لہٰذا دوسرے دن (اتوار) ۲۳ر اکتوبر کی سہ پہر کو بادشاہی فوج ٹیکرے سے اتری اور اسیکس پر حملہ کر دیا۔

اس زمانے کے معمول کے مطابق دونوں لشکروں کے سوار بازوؤں پر اور پیادے وسط میں تھے فریقین کے اسلحہ یکساں تھے یعنی ہر ایک دستہ فوج قلب میں نیزہ برداروں اور پہلوؤں پر بندوقچیوں سے مرتب تھا۔ صفوں میں آگے پیچھے دس سپاہیوں کی قطار ہوتی تھی کہ سامنے کا بندوقچی بندوق چلا کر پیچھے ہٹ آئے اور نوبت بہ نوبت نو ساتھی بندوق چلا چکیں تو وہ اس وقفے میں دوبارہ بندوق بھر کر تیار ہو جائے اس طرح برابر گولی چلتی رہتی تھی۔ سوار حملہ کرتے تو بندوقچی نیزہ برداروں کی پناہ میں آجاتے اور وہ برچھے چھنیا کے حملہ آوروں کے سامنے آکھڑے ہوتے تھے۔ حملے کا عام طریقہ یہ تھا کہ پیادہ و سوار اکھٹے بڑھتے اور قریب پہنچ کر سوار یورش کرتے اور پیادے ایک دوسرے پر گولیاں چلاتے حتیٰ کہ ایک فریق پیچھا دکھائے ورنہ بھڑ کر دست بدست لڑائی کی کوشش بھی کی جاتی تھی۔ القصہ ۳ بجے کے قریب معرکہ شروع ہوا کہ شام ہونے میں دو گھنٹے سے کچھ ہی زیادہ وقت باقی ہوگا۔ چند سال سے رسالے کے سوار صرف طپنچے چلاتے رہتے اور شاذ و نادر دشمن کی صفوں تک پہنچتے تھے لیکن روپرٹ اپنے سواروں سے عین دشمن کی صفوں پر جا پڑا اور اس نئی تدبیر سے حریف کو پامال کرتا چلا گیا چنانچہ میمنے کی طرف تو اس کے سواروں نے دشمن کو کنیٹن تک بھگا دیا اور پھر مال اسباب پر ٹوٹ پڑے اور

باب سوم

بالکل قابو سے باہر ہوگئے اور بائیں طرف بھی ول مٹ کو ایسی ہی کامیابی ہوئی کہ صرف بیلفر کے دو رسالے جم کر مقابلہ کر سکے۔ یہ بیلفر قلعہ لندن اور اسٹیپل ٹن کا سابقہ قلعہ دار تھا اور اب پارلیمنٹ کی طرف سے لڑنے آیا تھا۔ اوّلی ورکرومویل بھی کسی طرح اپنے رسالے کو سنبھالے رہا لیکن پیادوں کی جنگ میں صورت حال بالکل دوسری رہی۔ یہاں پارلیمنٹی رسالے کے بوڑھے ملازمین اور قابلین بانوں کی بجائے، بادشاہی فوج کو پیچھے ہٹنے مذہبی ہیوریٹن پیادوں سے سابقہ پڑا جنھوں نے جم کر جنگ کی اور بتا دیا کہ وہ دشمن سے دب کر رہنے والے نہیں ہیں۔ پہلے گھمسان کے بعد آہستہ آہستہ لڑائی کا رنگ بدل چلا اور جب شام ہوتے روپرٹ بالآخر واپس آیا تو اس کے ماموں کی فوج ٹیکرے کی طرف ہٹ رہی تھی اور ہیمپڈن کے تازہ دم سپاہی تیزی سے چلے آتے تھے کہ پارلیمنٹ کی تھکی ہوئی فوج کو مدد دیں۔ رات ہوئی تو دونوں فوجیں اپنے صبح کے مقام پر آگئیں اور دوسرے دن بھی کوئی فریق پھر لڑنے کا خواہش مند نہ تھا اسیکس کا بڑا مقصد یہ تھا کہ چارلس کے پہنچنے سے قبل خود لندن پہنچ جائے لہذا وہ نارتھمپٹن کی طرف چکر دے کے روانہ ہوگیا اور چارلس نے سیدھی آکسفرڈ کی راہ لی۔

ٹرن ہم گرین

آکسفرڈ سے لندن پر پیش قدمی جاری رہی لیکن بادشاہ کی آہستہ روی کی بدولت اسیکس کو موقع مل گیا کہ چکر کھا کے چارلس سے پہلے آجائے اور شاہی فوج کنگسٹن پہنچی تو ایج ہل کے حریف پھر ان کا راستہ روکے پڑے تھے۔ اسیکس کو کمک بھی کافی پہنچ گئی تھی۔ کیونکہ لندن کو خطرے میں سن کر اور خصوصاً روپرٹ کے سواروں کی غارتگری کی خبروں نے شہر والوں کو خوفزدہ کرنے کی بجائے اور زیادہ مقابلے پر تیار کر دیا۔ مرد، عورت اور لڑکے تک دمدمے بنانے میں دن رات ایک کئے دیتے تھے اور یہ کچی فصیل جلدی میں شہر کے سامنے تیار کی گئی تھی۔ اسی طرح سدھے ہوئے جوق، اسکی بن کی سرگروہی میں آناً فاناً جمع ہوگئے کہ اپنے ناموس اور دین کی حفاظت کریں۔ کنگسٹن سے چارلس کا لشکر برنیٹ فرڈ پر بڑھا اور شدید جنگ کے بعد اس مقام پر قابض ہوگیا مگر ٹرن ہم گرین پر شہری سپاہ کے دل بادل جمے ہوئے دیکھ کر شاہی سوار ٹھٹک گئے اور بے کار گولہ باری کرنے کے بعد چارلس واپس آکسفرڈ چلا آیا۔

تلوار سے فیصلے میں تاخیر ہوئی تو خواہی نخواہی نامہ و پیام جاری ہوئے لیکن

مصالحت کی یہ اور بعد کی کوششیں کچھ تو اس لئے ناکام رہیں کہ بادشاہ ایسے حریف سے صلح کرنی نہ چاہتا تھا جو اُس کی دانست میں جلد بزور شمشیر مغلوب ہونے والا تھا اور کچھ اس لئے کہ مذہب کے معاملے میں مصالحت ہونی ممکن نہ تھی کیونکہ ہر فریق اپنی آزادی کے واسطے نہیں بلکہ دوسرے کو مغلوب کرلینے کی غرض سے لڑ رہا تھا۔ اور ایک سبب یہ ہوا کہ چارلس کی ممالکِ خارجہ کے بادشاہوں یا آئرستان سے امداد طلبی اور یا پارلیمنٹ کے طرفداروں میں نفاق ڈالنے کی کوششیں بار بار ظاہر ہوتی رہیں جس سے مصمم ارادہ رکھنے والے محبانِ وطن کو روز بروز یقین کامل ہوتا گیا کہ مستقل امن وصلح کی شکل ہی یہ ہے کہ بادشاہ کو کلیتہً مغلوب کرلیا جائے۔

سنہ ۱۶۴۳ع کی لڑائیاں

سال نو یعنی ۱۶۴۳ء میں خانہ جنگی کے شعلے انگلستان کے ہر حصے میں پھیل گئے۔ آکسفرڈ سے لندن آنے والی سڑک پر تو اسیکس اور چارلس کا لشکر ایک دوسرے کے مقابل خیمہ زن تھا۔ مغرب میں سر ریلف ہوپ ٹن کارنول کے جوانوں کو لیکر سمرسٹ شر کی پارچہ باف بستیوں کے پارلیمنٹی گروہ پر بڑھا جو امیر اسٹیمفرڈ کے ماتحت تھا۔ سیورن کی وادی میں سر ولیم والر نے ویلز سے بادشاہ کی کمک آنے کا راستہ روکا۔ مل ڈرم اور کروم ول مشرقی پرگنوں کو قابو میں لاچکے تھے اور اب نیوارک پر حملہ کررہے تھے کہ شمالی سڑک اُن کی زد میں آجائے۔ شمال میں لارڈ فیرفیکس، اس کا فرزند اور فرڈی نینڈ وغیرہم نے پارلیمنٹ کی طرف سے اپنے کاشتکاروں اور جلاہوں کے ساتھ نیوکاسل پر پیش قدمی کی جہاں شمالی اضلاع سے اکثر کیتھولک بھرتی ہوئے اور یارک شر کو بادشاہ کا مطیع بنالینے کی کوشش میں تھے۔ موسم بہار میں پارلیمنٹ والوں کا پلہ بھاری رہا۔ خصوصاً ولیم والر نے وہ کارنمایاں دکھائے کہ ولیم فاتح کے نام سے مشہور ہوگیا۔ اسی طرح ٹامس فیرفیکس نے لیڈز پر کامیاب یورش کی اور کروم ول نے گرین تھم کے قریب پہلی مرتبہ شاہی رسالے کو مار بھگایا۔ لیکن گرمیوں میں تقدیر بادشاہ کی مساعد ہوگئی۔ ۱۸ جون کو آکسفرڈ کی ایک جمعیت شہزادہ روپرٹ کے ماتحت چھاپہ مارنے چلی۔ شریف النفس ہیمڈن نے اسے میدان چیلگرو پر کاٹ دینے کی کوشش کی تھی مگر خود مہلک زخم کھایا۔ امیر اسٹیمفرڈ کو کارنول میں شاہی سرداروں کے مقابلے میں

باب سوم

سخت شکست نصیب ہوئی اور ولیم والر انھیں بڑھنے سے روکنے کے لئے سامنے آیا تو پہلے باتھ کے قریب لینس ڈاون میں زک ہوی اور پھر ۱۰ر جولائی کو ڈیوائزیس کے قریب راونڈ وے ڈاون میں سخت شکست کھاکر بھاگا۔ البتہ پہلے معرکے میں شاہی سردار گرین ول مارا گیا۔ مذکورۂ بالا شکست کے دو ہفتے بعد ہی شہزادہ روپرٹ نے فینیز سے برسٹل میں ہتیار رکھوا لئے اور یہ شہر پارلیمنٹ کے ہاتھ سے چھن گیا۔ لیکن اس لڑائی میں روپرٹ کے پانچ سو بے نظیر پیادے مارے گئے اور یہاں پارلیمنٹ کے طرفداروں کو جس بے دردی سے لوٹا گیا، اس نے دوسری جگہ کے باشندوں کو اور زیادہ مایوسانہ مزاحمت پر آمادہ کردیا۔ شمال میں، پارلیمنٹی بیڑے کی کوشش کے باوجود، ملکہ ماریہ مقام برڈلنگٹن پر لنگر انداز ہوی جس سے امیر نیوکاسل کو اور زیادہ جانفشانی دکھانے کی تحریک ہوی اور اڈھرٹن مُور[1] کے میدان میں فیر فیکسوں کو بتاریخ ۳۰ر جولائی شکست کھاکر ہل میں پناہ لینی پڑی۔ یہ شہر بھی ہوتھموں کی غداری سے شاہ پسندوں کے ہاتھ پڑنے والا تھا مگر شہر والوں کی ہوشیاری نے اسے بچالیا۔ غرض مشرقی اضلاع کے سوا اور کہیں پارلیمنٹ والوں کو کامیابی نہ ہوی۔ البتہ مشرقی علاقے میں وہ ہر جگہ غالب رہے اور گینیز برو کی ۲۸ جولائی کی فتح سے کروم ول کی فوج کی کارکردگی کا مزید ثبوت بہم پہنچا۔

اگر یہ عام قسم کی جنگ ہوتی تو شاہ پسندوں کی شمال اور مغرب میں فتوحات کے ساتھ ہی لندن پر فوجیں بڑھنے لگتیں۔ لیکن دونوں علاقوں میں مقامی جذبات اتنے قوی تھے کہ لوگ ان پرگنوں سے باہر جانے پر آمادہ نہ ہوتے تھے اور نہ انھیں یہ خیال تھا کہ اپنے علاقے کی مدافعت پر پورے فریق کی کامیابی کو مقدم سمجھنا چاہئے۔ چارلس کے حق میں ایک اور دشواری یہ تھی کہ بہت سے قلعہ بند شہر ہنوز پارلیمنٹوں کے قبضے میں تھے اور ان سے آس پاس کے شاہ پسندوں کے دیہات کو ہر وقت کا خطرہ رہتا تھا۔ یہی وجوہ تھیں کہ جب چارلس نے عام پیش قدمی کا ارادہ کیا تو یارک شر والوں نے جب تک ہل فتح نہ ہوجائے، آگے چلنے سے انکار کیا اسی طرح

[1] اس لفظ کے ہجے یوں کئے جاتے ہیں۔ Adwalton Moor

کارن وال اور ڈیون کے باشندوں نے پہلے ایکزیٹر و پلی متھ کو فتح کرنے کی خواہش کی اور گلوسٹر کے نامفتوح رہنے تک اہل ویلز نے سیورن کو عبور کرنا پسند نہ کیا۔ ناچار چارلس کو کئی کئی محاصرے کرنے پڑے۔ خود گلوسٹر کا محاصرہ کیا۔ نیوکاسل کو ہل بھیجا اور روپرٹ کے بھائی شہزادہ مورنیس، ایکزیٹر اور پلی متھ کی طرف روانہ ہوا کہ اسی شہزادے کو چارلس نے مغربی اضلاع کا سپہ سالار مقرر کر دیا تھا۔ پارلیمنٹ والوں کو بھی اسی قسم کی مشکلات پیش آئیں مگر انھوں نے مشترکہ پرگنوں کی تدبیر سے ان کا حل کرلیا وارک شر اور اسٹے فرڈ شر سب سے پہلے متحد ہوئے۔ افسوس ہے کہ ان کا سرگروہ لارڈ بروک لیچ فیلڈ کے محاصرے میں فوت ہوا جس سے پارلیمنٹ کے فریق کو ایک لائق سردار اور انگلستان کو نہایت بُرد بار و بلند خیال شہری کا نقصان اٹھانا پڑا۔ مذکورہ علاقوں کی دیکھا دیکھی دلدلی علاقے کے پرگنے بھی مل گئے اور ایک اعلیٰ درجے کی پیادہ فوج مرتب کرلی جس کا سپہ سالار تو امیر مینچسٹر لیکن روح و روان اولی ورکروم ویل تھا۔ پارلیمنٹ کے لئے بہت غنیمت یہ ہوا کہ لندن کے قواعد داں دستے ہر جگہ جانے اور لڑنے کے واسطے آمادہ ہو گئے۔ چنانچہ ہم نے گلوسٹر کو محاصرے سے چھڑانے کی غرض سے لندن ہی کی فوج سے کام لیا۔ ادھر ایک واضح مقصد نظر کے سامنے آگیا تو لوگوں کی سہل انگاری بھی غائب ہو گئی جس کی اسیکس کو شکایت تھی۔ اور اب وہ ایسے پندرہ ہزار شہری سپاہیوں کو لے کر گلوسٹر چلا، جو کیل کانٹے سے پورے لیس تھے اور پختہ عقیدہ رکھتے تھے کہ انھیں خدائے تعالےٰ نے کام لینے کے لئے طلب کیا ہے۔ روپرٹ کا رسالہ اسیکس کو راستے میں نہ روک سکا اور وہ عین وقت پر جب کہ شہر میں صرف تین پیپے باروت کے رہ گئے تھے، قریب آپہنچا اور چارلس نے ایسی لڑائی لڑنی پسند نہ کی جس میں غیر مسخر شہر عقب سے حملہ کر سکے، لہٰذا محاصرہ چھوڑ دیا اور اسیکس کو بلا مزاحمت گلوسٹر میں داخل ہو جانے دیا۔ اُس کی آمد امداد غیب سمجھی گئی۔ دیندار شہریوں نے ایک پھاٹک پر یہ الفاظ کندہ کرائے "وہ ایک شہر جس پر آدمی نے حملہ کیا اور خدا نے اُسے بچایا"

معرکۂ نیوبری	اب چارلس کا مقصد یہ ہو گیا کہ اسیکس کے واپس لندن جاتے وقت راستہ رد کے اور اب کے نیوبری میں بھی اُس نے وہی جنگی تدبیر اختیار کی

جو تجربہ ہل میں کی تھی۔ لیکن یہاں اُس نے اسیکس کو حملہ کرنے پر مجبور کیا۔ بہت سخت جنگ واقع ہوئی اور پارلیمنٹی سپاہی جو حلقے باندھ کر لڑتے تھے، قطعاً جمے رہے اور شاہی سواروں خصوصاً سرداروں کا اتنا نقصان ہوا کہ چارلس کو دوبارہ لڑائی جاری رکھنے کی جرات نہ ہوئی اور ہٹ کر آکسفرڈ چلا آیا اور اسیکس کی لندن کی واپسی کا راستہ چھوڑ دیا۔

فاک لینڈ

نیوبری کے معرکے میں لارڈ فاک لینڈ کام آیا۔ غالباً اپنے معاصرین میں اس سے بڑھ کر منصف مزاج اور رواداری پسند آدمی دوسرا نہ ہوگا۔ مذہب سے محبت وخلوص کی بدولت اس نے اپنی خدمات بادشاہ کے روبرو پیش کیں مگر شاہی لشکر کے چند ہی روز کے تجربے سے اسے یقین ہوگیا کہ وہاں کے اوباش مزاج سپاہیوں اور خود غرض عیش پرستوں کے ساتھ نباہ نہ ہوسکے گا۔ سخت مزاج اور تنگ نظر پیوریٹن فرقہ بھی، جو فریق مقابل میں اکثریت رکھتا تھا، اسے بھی فاک لینڈ کی طبیعت سے کوئی مناسبت نہ تھی۔ انھی خیالات کی بنا پر موت کو وجہ اطمینان وتشفی سمجھ کر وہ ایسی کھلی جگہ میں گھوڑا بڑھا لایا جہاں سب سے زیادہ گولیاں برس رہی تھیں اور اس طرح جان دی۔ اگر وہ الزبیتھ کے عہد میں ہوتا تو بڑی خوشی اور آزادی کی زندگی گزارتا۔ عہد انقلاب کے ارباب سیاست میں اس کی سیرت نہایت سبق آموز شے ہوئی لیکن تقدیر نے جس زمانے میں اسے پیدا کیا، وہاں اس کا کوئی اثر، کوئی قدر ومنزلت نہ ہوئی۔ اور وہ ایسے خلاف مزاج ماحول میں رہا کہ جلد سے جلد چھٹکارا پانے کے سوا اسے راحت کی اور کوئی شکل نظر نہ آئی۔

نیوبری کی لڑائی ۲۰ ستمبر کو ہوئی اور اسی نے جنگ کا رُخ پھیر دیا۔ ایکزیٹر چند روز قبل شاہ پسندوں کے ہاتھ مفتوح ہوگیا تھا لیکن ہل منھ پڑے کی مدد سے ناقابل تسخیر ثابت ہوا۔ اور جبر وغداری دونوں اسے مسخر کرنے میں ناکام رہے۔ ۱۱ر اکتوبر کو کرومویل نے ونس بی پر دوبارہ شاہی رسالے کو شکست دی اور جس وقت شاہ پسند لنکن شر کی جھاڑیوں میں بھگانے لئے جارہے تھے، اسی وقت شہر ہل سے توپوں کی دنادن سنائی دی جو اصل میں محصور شہر والوں کے نکل کر حملہ کرنے کی تمہید میں چلی تھیں۔

اسی حملے کا نتیجہ تھا کہ دوسرے دن نیوکاسل محاصرہ چھوڑ کر ہٹ گیا۔ غرض سال ختم ہوا تو نشیب و فراز پیش آنے کے باوجود مجموعی طور پر پارلیمنٹی فریق کا پلہ خاصی طرح جھکا ہوا تھا۔ ۱۶۴۳ء کے معرکوں سے یہ بات عیاں ہوگئی کہ قطعی غلبہ کسی فریق کو بھی حاصل نہیں ہے۔ لہذا ختم سال سے قبل ہی چارلس تو اہل آئرستان سے اور پارلیمنٹ اسکاٹ لینڈ والوں سے مدد کے لیے نامہ و پیام کرنے لگے۔

آئرستان کی بغاوت

آئرستان کی جس بغاوت کا ۱۶۴۱ء میں آغاز ہوا وہ انگلستان کی خانہ جنگی کے زمانے میں عام ملکی تحریک بن گئی کہ تاریخ میں پہلی مرتبہ قدیم قلطی باشندوں کے ساتھ انگلستانی نارمن آبادکاروں کی اولاد بھی انگریزوں کے خلاف شریک بغاوت ہوئی "اور حلیفوں" کے نام سے ان کے متحدہ گروہ نے انگریز سپہ سالار اور منڈ کا مقابلہ کیا جس کے ساتھ منرو کی سرداری میں ایک اسکوٹی امدادی دستہ بھی موجود تھا۔ مجموعی طور پر لڑائی میں غلبہ باغیوں کو حاصل ہوا اور آئندہ دو سال میں وہ بتدریج سارے آئرستان پر قابض ہوگئے بجز ڈبلن کے قریب یا بیلفاسٹ کی تنگ ساحلی پٹیوں کی جو آخر تک انگریزوں کے قبضے میں رہیں۔ بغاوت کے آغاز سے چارلس آئرستانی حلیفوں سے مخفی نامہ و پیام کرتا رہا تھا اور اب اس نے اورمنڈ کو حکم بھیجا کہ ایک قرارداد کے ذریعے جسے "متارکہ" کہتے ہیں لڑائی روک دے۔ مطلب یہ تھا کہ اورمنڈ کے سپاہی انگلستان میں کام دے سکیں اور حلیفوں کی دس ہزار امدادی فوج کے بھی مل جانے کی امید تھی۔ چنانچہ اورمنڈ کے جوان ڈیون شر و ویلز میں لنگر انداز ہوئے اور ہوپٹن کے لشکر میں یا ایک نئی فوج میں شامل ہوگئے جو سر جان (لارڈ بائرن) کے ماتحت ویلز کی سرحد پر مرتب کی گئی تھی۔

پارلیمنٹ اور اسکوٹی امداد

اسکاٹ لینڈ والوں سے نامہ و پیام کے لئے پارلیمنٹ نے ایک ذیلی مجلس بنائی جس کا سب سے سرگرم رکن سر ہیری وین تھا اسکاٹ لینڈ والے پارلیمنٹ کو مدد دینے پر تیار تھے مگر شرائط اتحاد میں یہ شرط بھی لکھوانی چاہتے تھے کہ کلیسائے انگلستان بھی اسکاٹ لینڈ کا پریسبی ٹری طریقہ اختیار کرلے گا۔ مگر وین اس فرقے کی تنگ دلی سے گھبراتا تھا، وہ ایسی شرط

کرنے پر رضامند نہ ہوا اور آخر میں صرف یہ قرار پایا کہ کلیسائے انگلستان کی بہترین اصلاح یافتہ کلیساؤں کے طرز پر درستی کی جائے گی اور "کلام الٰہی کے مطابق" جس کی تعبیر کرنے میں بہت کچھ گنجائش تھی۔ اسکوٹوں نے بیس ہزار سپاہی فراہم کرنے کا اقرار کیا، جن کے مصارف پارلیمنٹ کے ذمے رکھے گئے۔ اس معاہدے کو "عہد واثق" اور اقرار نامہ کہتے ہیں مگر اسے خود اسکاٹ لینڈ والوں کے اقرار نامے سے جس کا گذشتہ باب میں ذکر آیا، مخلوط نہ کرنا چاہیئے اس پر ۲۵ ستمبر ۱۶۴۳ء کو دستخط ہوئے اور پارلیمنٹ کے ہر رکن نے قسم کھا کر اس کی تصدیق کی۔

پم کی وفات

یہ معاہدہ پم کی حکمت عملی کا آخری کارنامہ تھا ۸ دسمبر ۱۶۴۳ء کے دن وہ فوت ہو گیا۔ اس کا بڑا کام یہ تھا کہ اہل وطن کو مذہب کی اہمیت پر متوجہ کر دیا خود مذہب کی خاطر نہیں بلکہ اس حیثیت سے کہ وہ سیاسیات کا جزو تھا۔ ایک مرتبہ اُس نے کہا کہ "ہماری سب سے بڑی آزادی، ہمارا مذہب ہے" ملکی آئین کے متعلق اس کا تخیل یہ تھا کہ بادشاہ اور پارلیمنٹ مل کر کام کریں اور یہ جملہ کہ "احکام شاہی، جن کی تعبیر پارلیمنٹ کے دونوں ایوان کریں" پم کے منشا کی صحیح تفسیر ہے۔ اس کے مرنے کے بعد جانشینوں میں سے کسی کو دارالعوام میں اتنا اقتدار میسر نہ ہوا جتنا پم کو حاصل تھا۔ ملکی معاملات میں غالباً سب سے ممتاز سینٹ جان، ہولیز اور سر ہیری وین تھے اور عسکریوں میں والر و کرومویل کو اولیت حاصل تھی ان میں بھی ہولیز تو اس گروہ کا رہنما تھا جو نامہ و پیام سے جنگ ختم کرنا چاہتے تھے اور وین، اُن لوگوں کا جن کے نزدیک میدان میں کامل فتح پائے بغیر دیرپا صلح نہ ہو سکتی تھی۔ اسی اختلاف آرا کے باعث اب جنگ کے انتظامات ایک مشترکہ جماعت کے ہاتھ میں دے دئے گئے جن میں انگریزوں کے ممتاز ارکان، مذکورۂ بالا چار کے علاوہ اسیکس اور مینچیسٹر تھے اور اسکاٹ لینڈ والوں میں میٹ لینڈ اور جانسٹن قابل ذکر ہیں۔ یہ میٹ لینڈ وہی شخص ہے جو آگے چل کے امیر لاڈرڈیل کے نام سے کافی بدنام ہوا۔

اگلے جاڑوں میں چارلس نے ہائڈ کے مشورے سے اپنے طرفدار امرا اور عوام کا آکسفرڈ میں جلسہ منعقد کیا (جنوری ۱۶۴۴ء)۔ اسے آکسفرڈ پارلیمنٹ کہتے ہیں

اور اس میں امرائے سلطنت کی بڑی اکثریت کے علاوہ دارالعوام کے بھی ایک تہائی کے قریب ارکان شریک تھے۔ لیکن ان کا کوئی صدر نشیں (اسپیکر)، یا رسمی ساز و ساماں مہیا نہ تھا اور بادشاہ پسند بھی اسے بہ شکل باضابطہ پارلیمنٹ سمجھتے ہونگے۔ اسے کوئی اہمیت حاصل ہوئی تو وہ اس قرارداد کرنے کی بنا پر کہ اسکوٹوں کو ملک میں بلانا سراسر نامناسب تھا۔ نیز اہل جلسہ کو جو اعتراضات تھے کہ بادشاہ نے کیتھولک فرقے کے لوگوں کو نوکر رکھا ہے، ان کا بھی اس پارلیمنٹ میں اظہار ہوا۔

پارلیمنٹ کے حق میں ۱۶۴۴ء کا آغاز خاصی طرح ساز گار ہوا کہ جنوری میں ٹامس فیرفیکس نے لنکن شر سے بہ سرعت بڑھ کر بائرن کو نینٹ وچ میں شکست دی اور اس کے اکثر سپاہیوں کو ہتھیار ڈال دینے پر مجبور کیا طرفہ تر یہ کہ ان میں سے بہت سے آئرستانی سپاہی خود فاتح کی نوکری قبول کرنے پر تیار ہوگئے۔ اپریل میں ہوپٹن کو بھی چری ٹن کے مقام پر والر کے ہاتھوں ایسی ہی سخت شکست نصیب ہوئی۔ پارلیمنٹ کے فوجی سرداروں میں اب والر سب سے اچھا "مقام شناس" سمجھا جانے لگا تھا اور اس کی اور فیرفیکس کی ان کامیابیوں نے چارلس کی ساری امیدیں جو اورمنڈ کے لشکر سے وابستہ تھیں، برباد کردیں اور وہ پھر کل کینی کے آئرستانی "حلیفوں" ہی سے مدد کے لئے خط کتابت کرنے پر مجبور ہوا۔

اسکوٹوں کی آمد

بیرونی امداد کے معاملے میں بھی پارلیمنٹ زیادہ کامیاب رہی۔ ۱۹؍ جنوری کو لیون، ہیلی اور ڈیوڈ لزلی کے ماتحت اسکاٹ لینڈ کی فوج ٹوئیڈ کے پار اتر آئی اور نیوکاسل یارک میں سلبی کو پہرے پر چھوڑ کر خود مقابلے کے لئے بڑھا۔ لیکن اپریل میں فیرفیکس نے سلبی پر حملہ کردیا جس کی وجہ سے نیوکاسل کو واپس یارک آنا پڑا اور اب اسکوٹی فوج اس کے عقب میں بڑھنے لگی۔ مینچسٹر و کروم ویل بھی اپنے دستے لے کر یارک شر پہنچ گئے اور اپریل کے اخیر تک تین پارلیمنٹی فوجوں نے شہر یارک کو باقاعدہ گھیر لیا۔ چارلس جانتا تھا کہ اسے بچانا ضروری ہے لہذا روپرٹ کو حکم دیا کہ اس کا محاصرہ اٹھانے کی غرض سے فوج فراہم کرے۔ ادھر خود چارلس کو بھی آکسفرڈ میں گھر جانے کا اندیشہ ہوگیا تھا کیونکہ اسیکس اپنا لشکر اور والر لنڈن اور وطنی پیگنوں کی تازہ جمعیت لے کر آکسفرڈ پر بڑھ رہے تھے۔ لیکن چارلس چالاکی

باب سوم

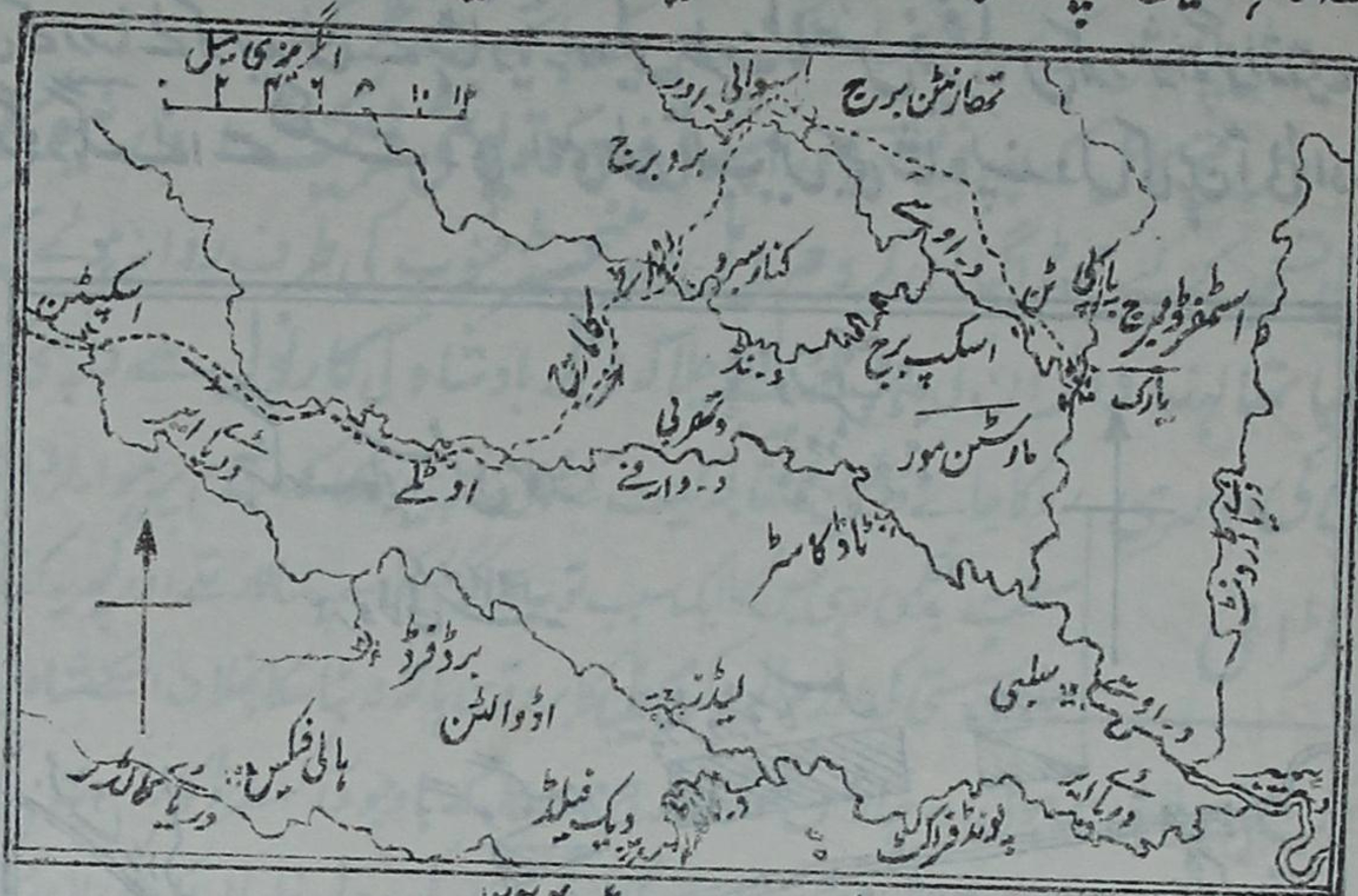
سے ان دونوں کے بیچ میں سے نکل کے ورسٹر شہر پہنچ گیا اور پارلیمنٹی سرداروں کو یہ خبر ہوئی تو انھوں نے فیصلہ کیا کہ والر تو آکسفرڈ کا محاصرہ کرے اور اسیکس مغربی پرگنوں میں جاکے قلعۂ لیم کو نجات دلائے، پلی متھ پر قبضہ کرے اور ممکن ہو تو شہزادہ موریس کو شکست دے۔

کروپرے ڈی برج اور لوسٹ وتھیل کے معرکے۔

مگر پارلیمنٹی افواج کی اس تقسیم سے چارلس کو علحدہ علحدہ ان کے ہر گروہ پر صریحی غلبہ حاصل ہوگیا اور وہ والر پر پلٹ پڑا۔ کروپرے ڈی برج پر جو لڑائی ہوئی اس میں پارلیمنٹ کے شہری سپاہی شکست کھا کر ایسے بے حواس ہوئے کہ سیدھے اپنے گھروں کو بھاگ آئے اور یوں بھی شاہی افواج کی باقاعدہ اور تیز نقل و حرکت دیکھ کر والر کو یقین ہوگیا کہ جب تک قواعد داں تنخواہ دار فوج مہیا نہ کی جائے گی، پارلیمنٹ کی فتح ہونی محال ہے۔ ادھر والر کا قضیہ چکا کے چارلس بہ سرعت اسیکس کے تعاقب میں روانہ ہوا کیونکہ وہ مغربی اضلاع میں برابر فتح پاتا ہوا بڑھ رہا تھا اور اس نے ملکۂ ہنریتا ماریہ کو پھر فرانس بھاگ جانے پر مجبور کر دیا تھا۔ مگر کارنول کی مدد کے دھوکے میں اسیکس اتنی دور تک بڑھ گیا کہ واپسی محال ہوگئی اور چارلس نے ستمبر میں بمقام لوسٹ وتھیل اتنی بڑی فوج سے اُسے آگھیرا کہ پیادوں نے تو ہتھیار ڈال دئے سوار بمشکل لڑتے بھڑتے بھاگ کر پلی متھ پہنچے اور خود اسیکس سمندر کی راہ سے جان بچا کر لندن آگیا۔ اس طرح کچھ روز تو ایسا معلوم ہوا کہ مغرب میں پارلیمنٹ کے طرفداروں کا بالکل خاتمہ ہوگیا۔ لیکن پلی متھ اور (رابرٹ بلیک کے تحت میں) ٹانٹن اڑے رہے اور امید تھی کہ جب تک یہ مسخر نہ ہوں، شاہ پسندوں کو مغرب میں رُکا رہنا پڑے گا۔

مگر جنوب کی اس شاہی کامیابی کا بدل شمال کی مصیبت سے ہوگیا۔ آکسفرڈ سے روانہ ہونے کے بعد چارلس روپرٹ کو قطعی احکام دے آیا تھا کہ یارک کو محاصرے سے نجات دلائی جائے۔ پھر ایک خط بھی بھیجا جس کی عبارت مبہم تھی مگر روپرٹ نے اس کے یہی معنی سمجھے کہ اسکوٹوں سے جنگ کی جائے۔ چنانچہ نیوارک میں امدادی کمک چھوڑ کر روپرٹ لینکاشائر میں داخل ہوگیا اور لیتھم ہاوس کو جہاں ڈاربی کی بیگم بادشاہ کی طرف برابر ڈٹی رہی تھی، محاصرے سے چھڑا لیا۔ پھر پہاڑیاں اتر کے اسکپٹن اور

وہارف کی ندیوں سے گزرتا ہوا وہ ۳۰ جون کو نیرس برو پہنچ گیا جو نڈ ندی پر واقع تھا اتحادیوں کو روپرٹ کے آنے کی خبر ملی تو یارک کا محاصرہ چھوڑ کر وہ مارسٹن مور پر مقابلہ کرنے آ گئے اور یہ مقام نڈ کے اس پل (اسکپ برج) کے مقابل تھا جس پر سے نیرس برو کا عام راستہ یارک آتا ہے۔ لیکن روپرٹ بھلاوا دے کے شمال میں بڑھا اور یور ندی کی برو برج اور سوئیل کو



مارسٹن مور ۲ جولائی ۱۶۴۴ء

تھارن ٹن برج پر عبور کر کے اوز ندی کے بائیں کنارے پر آ نکلا اور اس طرح یارک کو محاصرے سے چھڑا لیا۔ اب اتحادی جنوب میں ہٹے کہ روپرٹ کی واپسی کا راستہ وہارف کے خط پر روک دیں۔ امیر نیوکاسل چاہتا تھا کہ تازہ کمک آنے تک لڑائی نہ لڑی جائے مگر روپرٹ چارلس کے خط کی بنا پر مصر ہوا چنانچہ نیوکاسل کے آدمی یارک سے باہر بھیجے گئے اور روپرٹ کی فوج اوز کو کشتیوں کے پل سے اتر کے مارسٹن مور میں ان سے آملی۔ یہ کیفیت سن کر اتحادی اور بھی پیچھے ہٹے اور ٹونگ مارسٹن اور ٹوک وتھ نام کے دو گاؤں کے درمیان، ایک اونچی جگہ اپنی صفیں باندھیں جو اس دلدلی علاقے کا جنوبی کنارہ تھی۔ لزلی اور کروم ویل، اسکوٹی اور اتحادی رسالے کے ساتھ میسرے پر تھے۔ لیون، مینچسٹر، لارڈ فیرفیکس پیادوں کے ساتھ قلب میں اور باقی سواروں کو ٹامس فیرفیکس میمنے پر لئے کھڑا تھا

مارسٹن مور کی لڑائی

ادھر شہزادہ روپرٹ کو امید تھی کہ اتحادیوں کی صف بندی سے پہلے ان پر جا پڑے گا اور اسی لئے وہ ایک نالی تک جس کے آگے دلدل کا بلند کنارہ شروع ہوتا تھا اپنے لشکر کو اتحادیوں کے بالکل قریب تک لے آیا۔ مگر اتحادی تو بہت جلد تیار ہو گئے اور اس کی فوج کو جمنے

باب سوم

میں شام کے سات بج گئے۔ اس میں خود روپرٹ میمنے پر، گورنگ قلب میں اور نیوکاسل میسرے کا
سردار تھا۔ شام ہونے کی وجہ سے شاہ پسندوں نے حملہ دوسرے دن پر ملتوی کیا اور بیٹھ کر کچھ کھانے
پینے لگے۔ اتحادیوں کو یہ خداداد موقع ملا اور ڈھلان کی مدد سے وہ اور بھی تیز دوڑ کر پوری جمعیت
سے شاہی لشکر کے بے خبر سپاہیوں پر آپڑے۔ اپنے بائیں پر سخت کشمکش کے بعد انھوں نے روپرٹ
اور اس کے رسالے کو میدان سے ہٹا دیا۔ دائیں طرف ٹامس فیرفیکس کو دشوار گزار زمین طے کرنی
پڑی اور گورنگ نے اسے شکست دی۔ اسی طرح قلب میں بھی شاہ پسندوں کی بن آئی اور بہت



جلد اسکوئی فوج بھاگ نکلی۔ حسن اتفاق سے ٹامس فیرفیکس کا دستہ بے خبری میں دوسری طرف
آنکلا اور کروم ویل کے جوانوں کو ہاتھ میں دیکھ کر اُن سمیت شاہ پسندوں کے عقب پر حملہ آور ہوا
اور گورنگ کو پلٹتے میں شکست دی۔ پھر اتحادی رسالے نے پیادہ فوج کے ساتھ مل کر دشمن کے قلب پر
باقاعدہ حملہ کیا۔ نیوکاسل کے سپاہی بے سہارا رہ گئے تھے۔ پھر بھی کمال جواں مردی سے لڑے
اور بعض دستوں کا ایک آدمی بھی زندہ نہ بچا۔ لیکن کوئی سعی کارگر نہ ہو سکتی تھی اور جب
تاریکی ہوئی تو اتحادی پوری طرح فتحمند ہو گئے۔ ساتھ ہی شہر یارک مسخر ہو گیا۔ نیوکاسل بھاگ کر

ممالک یورپ میں چلا گیا۔ روپرٹ رسالہ لے کر جکر کھاتا ہوا وادئی سیورن میں ہٹ آیا۔ حالانکہ اگر اس لڑائی کا نتیجہ وہ ہوتا جو روپرٹ نے بجا طور پر سوچا تھا، تو پارلیمنٹی فریق کو شمال اور جنوب میں ایسا صدمہ پہنچ جاتا جس کی بظاہر کوئی تلافی نہ ہو سکتی تھی۔ بخلاف ان امیدوں کے اب بادشاہ کے اقتدار پر شمال میں کاری ضرب لگی اور وادئی سیورن، ویلز جنوب مغربی پرگنوں یا آکسفرڈ کے مغرب کے وسطی پرگنوں کے سوا عملاً سارا ملک اس کے ہاتھ سے نکل گیا

اس فتح کامل کے بعد فیرفیکس اور اسکوٹی فوج کو تو یونٹی فریکٹ اور نیو کاسل (لب ٹائین) کی تسخیر کے لیے چھوڑ آگیا اور کروم ویل اور مینچسٹر جنوب کی طرف روانہ ہوئے ایسکس علیل ہو گیا تھا لہذا والران کی مدد کے لیے چلا کہ مل کر بادشاہ کی کارنول سے واپسی کا راستہ روکا جائے

نیوبری کی دوسری لڑائی

فریقین کا مقابلہ کینٹ کے شمالی جانب نیوبری کے مقام پر ہوا۔ لڑائی میں سخت بدنظمی رہی جس کا ایک سبب تو یہ تھا کہ کئی کئی سپہ سالار تھے اور کچھ یہ کہ مینچسٹر نے حملے میں سستی کی اور والر و کروم ویل کا بروقت ہاتھ نہ بٹا سکا بخلاف اسکے شاہ پسندوں کی نقل و حرکت بہت خوبی سے ہوئی اور چارلس تھوڑی فوج ہونے کے باوجود آکسفرڈ کا راستہ پا گیا۔

اس ناکامی نے پارلیمنٹی فریق کے زیادہ گرم جوش افراد کی بددلی نمایاں کردی ان کا سرگروہ اولیور کروم ویل تھا۔ یہ نامور شخص اب سرعت سے پیش پیش ہوتا جاتا تھا۔ اس نے ابتدا سے جان لیا تھا کہ شاہ پسندوں کی وفاداری اور شرافت کے جذبات کا جواب صرف مذہبی جوش سے ہو سکتا ہے۔ دوسرے گو پارلیمنٹ نے پیادہ فوج تو حریف کے مثل فراہم کرلی تھی، لیکن اسکا رسالہ شاہ پسندوں سے بہت ادنیٰ درجے کا تھا اور ان دنوں سواری فوج کا نسبتہً سب سے کارگر جزو ہوتے تھے۔ کروم ویل نے اس نقص کی اصلاح کا بیڑا اٹھایا اور مشرقی پرگنوں میں اسے کسان اور چھوٹے زمیندار بھی ایسے مل گئے جو اپنے مذہب کا انتہائی جوش رکھتے تھے اور شرفا کی طرح سواری بھی بخوبی کر سکتے تھے۔ انھی سے کروم ویل نے ایک مخلوط رسالہ مرتب کیا اور ایسے ایسا قواعد داں بنایا کہ اس وقت تک دنیا نے جو بہترین رسالے دیکھے تھے اس کا ان میں شمار کیا جا سکتا تھا[ل] خود کروم ویل رسالے کا بہت عمدہ سردار تھا اور مارسٹن کے میدان میں اس کی قوت دیکھ کر شہزادہ روپرٹ نے اس پر فولادی پہلو کی پھبتی کہی تھی جو بعد میں اس کے سارے دستے کا لقب ہو گیا۔ کروم ویل کے رسالے کا جب کبھی شاہ پسندوں سے مقابلہ ہوا کامیابی اسی نے پائی اور اسکے سوار یہ سمجھنے لگے کہ کروم ویل کی قیادت میں وہ جنگ کا بہت جلد فاتحانہ اختتام کر سکتے ہیں۔ ذی ہوش مبصروں کی رائے یہ تھی کہ پارلیمنٹ کی پیادہ فوج اگرچہ بہت اچھی نکلی

لہ۔ فاضل مصنف کی دنیا بہت محدود معلوم ہوتی ہے۔ "مترجم"

باب سوم

تاہم جب تک پارلیمنٹ کے پاس باقاعدہ سپاہی نہ ہوگئے جنھیں مستقل طور پر کام پر لگایا جا سکے اور جو اپنے پرگنوں سے باہر جانے میں نہ گھبرائیں اور نہ ایک لڑائی لڑتے ہی اپنی دکانوں پر جانے کی جلدی کریں اس وقت تک بادشاہ کو صحیح معنی میں شکست دینا ممکن نہ ہوگا۔ سب سے پہلے والر نے یہ بات سمجھائی تھی اور کروم ویل جیسے آرزومند شخص کو شخصی اغراض اور مقامی مصالح فائدۂ عام کے تحت میں رکھے جائیں، اس رائے میں دل سے مؤید تھا، بخلاف اس کے اسیکس لڑائی کو زور شور سے جاری رکھنے کی ضرورت میں تو کوئی شک شبہ نہ رکھتا تھا لیکن اسے کامیاب بنانے کی کوئی خاص قابلیت اس میں نہ تھی۔ اور منچسٹر طبعاً سست و سہولت پسند تھا۔ وہ نہ صرف چارلس کے ساتھ صلح کی گفتگو کا خواہاں تھا بلکہ یہ رنگ دیکھ کر بھی جل رہا تھا کہ جنگ قدیم امرا کو پس پشت ڈالے دیتی ہے اور متوسط درجے کے لوگ پیش پیش ہوئے جاتے ہیں۔ ہولیز اور صلح پسند فرقہ منچسٹر کے بہت کچھ ہم آہنگ تھے اور ان لوگوں کی تائید جنگ جاری رکھنے کے لئے اسی وقت حاصل ہو سکتی تھی جب کہ صلح کے نامہ و پیام کا بیکار ہونا قطعی ثابت ہو جائے۔ یہی اسباب تھے کہ نیوبری کی لڑائی کے بعد ایک طرف تو فوج کی تنظیم جدید کا بیڑا اٹھایا گیا اور دوسری طرف بادشاہ سے پھر صلح کے نامہ پیام شروع ہوئے۔

فوجی تنظیم کا سب سے قوی محرک یہ تھا کہ وین اور کروم ویل قطعی یقین رکھتے تھے کہ اگر جنگ میں جلدی کامیابی نہ ہوئی تو رائے عامہ کے دباؤ سے پارلیمنٹ کو ذلت آمیز صلح کرنی پڑے گی۔ انھیں یہ بھی علم تھا کہ عام طور پر لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ پارلیمنٹی سردار و سپہ سالار محض اپنے عہدوں پر زیادہ دن رہنے کی غرض سے جنگ کو طول دے رہے ہیں۔ کروم ویل کی نظر میں ایسا خیال تک سخت قابل نفرت تھا اور اس نے فائدہ عام کی خاطر ایثار کرنے کی صاف صاف وکالت کی اور اسی لحاظ سے ایک ''حکم نامہ ایثار'' پارلیمنٹ میں پیش ہوا جس میں دونوں ایوانوں کے ارکان کو زمانۂ جنگ میں فوجی یا دیوانی عہدے اختیار کرنے سے باز رکھا گیا تھا۔ اس پر امرا بہت جھلائے۔ تحریک نامنظور ہوئی مگر آخر میں ایک دوسرا حکم نامہ منظور ہوا کہ موجودہ عہدہ دار چالیس دن کے اندر مستعفی ہو جائیں گے اگرچہ انھیں دوبارہ مقرر کرنے میں کوئی امر مانع نہ ہوگا۔ چنانچہ منچسٹر، وارک، اسیکس اور والر اسی وقت عہدے سے دستکش ہوگئے اور ان کی خدمات کا شکریہ ادا کیا گیا۔ ایک اور حکم نامے کے ذریعے پارلیمنٹ نے چودہ ہزار پیادہ، ایک ہزار گھڑ چڑھے (پیادہ) اور ٦ ہزار سوار کی فوج مرتب کی۔ ان میں سے ساڑھے بارہ ہزار تو اسیکس، منچسٹر اور والر کے لشکروں سے لئے گئے اور باقی زور دے کے بھرتی کئے گئے ابتدا میں نئے جوان قدرے سست تھے مگر

حکم نامہ ایثار

نمونۂ جدید زیادہ دن نہ گزرے تھے کہ دیرینہ سال سپاہیوں کی مستعدی ان میں بھی سرایت کر گئی اور دو افواج "نمونۂ جدید"، جیسا کہ انھیں عام طور پر کہا جانے لگا تھا، کارگزاری اور مستعدی میں ہر طرح قابل ستائش سمجھی جانے لگیں سر ٹامس فیرفیکس حملہ کرنے میں جیسا باہمت اور زبردست ثابت ہوا تھا، ویسا ہی مدافعت میں ضابطہ و مستقل مزاج تھا، اسے نئی فوج کا سپہ سالار اور اسکی پن کو نائب سالار (میجر جنرل) بنایا گیا۔ معین سالار کا عہدہ، جس سے رسالے کی قیادت متعلق تھی، خالی رہنے دیا چالیس دن گزر لنے پر کروموِل جزیرۂ ایلی چلا آیا جس کی مدافعت اس کے تفویض ہوئی تھی۔ بیڑے کا امیر لبے ٹن مقرر ہوا جو ۱۶۴۲ء سے وارک کے ماتحت نائب امیر البحر تھا۔ مذہب کے اعتبار سے نمونۂ جدید میں ہر عقیدے کے آدمی شامل تھے اور سپاہیوں سے پارلیمنٹ کی مذہبی قرارداد یا میثاق پر کبھی کوئی دستخط نہیں لئے گئے تھے۔ فوج کے سردار عموماً آزاد خیال اور وسیع مشرب پیوری ٹن تھے جنھیں جنگ کے عملی تجربے نے کم سے کم یہ سبق ضرور دے دیا تھا کہ سپاہی کی مذہبی پختگی اور خاندانی نسب سے بڑھ کر کارکردگی قابل قدر ہے۔ چنانچہ کروموِل کا قول تھا کہ میں تو ایسے سردار کو جو جنگ کا مقصد سمجھتا ہے اور جتنا کچھ جانتا ہے، اسی کا دلدادہ ہے، خواہ گاڑھے گزی کے لباس میں ہو، ایسے شریف زادے پر ترجیح دونگا، جس کے پاس نسب کے سوا کچھ نہیں ہے۔ البتہ جو صحیح معنی میں شریف ہے۔ اس کی میں دل سے عزت کروں گا۔"

نئی فوج کے تیار ہونے تک، یہ بھی اچھی طرح ظاہر ہو گیا کہ صلح کے نامہ و پیام سے کچھ کام نہ چلے گا۔ غالباً کروموِل اور وین تو نامہ و پیام پر آمادہ ہی اس لئے ہوئے تھے کہ اسکوٹی حلیفوں کو اس کا بے سود ہونا معلوم ہو جائے۔ صلح کی گفتگو میں کبھی جو شاہی سفرا سے اکس برج میں ۳۰ جنوری کو ہوئی، زیادہ حصہ ہنڈرسن اور لارڈ ڈیل، نامی اسکوٹی نمایندوں ہی نے لیا۔ تین خاص مسئلوں، یعنی مذہب، فوج بے قاعدہ اور آئرستان پر گفتگو کے لئے تین ہفتے مقرر ہوئے تھے۔ بادشاہ کی طرف سے ہائڈ نے وکالت کی اور چونکہ وہ اسقفیت کا کھلا ہوا حامی تھا اور اسکوٹی نمایندے پرس بی ٹیری اصول کے، لہذا شروع ہی سے کسی تصفیے کی امید نہ تھی۔ بادشاہ کی حمایت میں سب سے قوی پہلو یہ تھا کہ وہ اسقفیت کے قیام کے ساتھ دوسرے فرقوں کی آزادی کی تجویز بھی پیش کرتا تھا۔ لیکن اول تو یہ بات پرس بی ٹیری عقائد کے خلاف تھی، دوسرے بادشاہ کی صداقت پر سخت شبہات تھے لہذا اس وقت کسی نے اس پر کان نہ دھرا باین ہمہ یہ عام رواداری کی پہلی باضابطہ تحریک تھی اور اسی لئے انگلستان کی مذہبی تاریخ

باب سوم

میں ایک نئے باب کا آغاز سمجھی جاسکتی ہے۔

تجدید جنگ

القصہ جب تین ہفتے کی گفت و شنید ختم ہوئی، تو پارلیمنٹ نے فیرفیکس کو حکم دیا کہ فوج کے دو حصے کر دے۔ ایک سے آکسفرڈ کا محاصرہ کرے، اور دوسرے کو ٹاؤنٹن کے چھڑانے کی غرض سے بھیجے۔ جواب میں چارلس نے گورنگ کو مغرب کی طرف بھیجا اور خود شمال میں اسکوٹوں سے لڑنے کے خیال سے چلا تھا۔ مگر پھر ارادہ بدل کے مشرقی پرگنوں پر حملہ کرنے ملک طے کرتا ہوا چلا اور لیسٹر کو یورش کر کے چھین لیا۔ تب فیرفیکس کو شمال کی طرف جانے اور لڑائی پر مجبور کرنے کا حکم ملا۔ لڑائی بالکل سر پر آپہنچی تو سپاہی اور سردار سب کو احساس ہوا کہ ایسے موقع پر کروم ویل کا سواروں کی قیادت پر مقرر نہ کیا جانا، سراسر بے عقلی ہے لہذا سرداروں کی طرف سے ایک عرضی پارلیمنٹ میں پیش ہوئی دارالعوام نے اسے منظور کرلیا اور اُمرا کی تصدیق آنے سے قبل ہی وہ بہ عجلت فیرفیکس سے ڈیون ٹری میں جاملا۔ بعد میں اس کی خدمت کی وقتاً فوقتاً تصدیق ہوتی رہی اور چونکہ دوسرے سردار بھی یا پارلیمنٹ کے مبعوث تھے یا اس میں شریک تھے، لہذا فوج اور پارلیمنٹ کے درمیان تعلق کبھی پوری طرح منقطع ہونے کی نوبت نہ آئی۔

معرکۂ نیزبی

کروم ویل ۱۳ر جون کو فیرفیکس کے پاس پہنچا اور دوسرے دن نیزبی (علاقہ نارتھمپٹن شر) کی فیصلہ کن جنگ ہوئی۔ فیرفیکس کی فوج کا شمار چودہ ہزار تھا اور چارلس و روپرٹ کے سپاہیوں کی مجموعی تعداد صرف ساڑھے سات ہزار تھی۔ اس کمئی تعداد کے باوجود حملے کا آغاز خود روپرٹ نے کیا اور پارلیمنٹ کے میسرے کو جس کا سردار آئرٹن تھا، شکست بھی دی مگر دائیں طرف کروم ویل اپنے بدمقابل سرمارماڈیوک لینگ ڈیل کے مقابلے میں فاتحانہ بڑھتا چلا گیا اور پھر فیرفیکس کے ساتھ مل کر چارلس کی کم تعداد پیادہ سپاہ کے قلب کو مغلوب کرنے میں بھی کچھ دقت پیش نہ آئی۔ فوجی ہزیمت سے بڑھ کو بادشاہ کی شہرت کو سخت نقصان اس لیے پہنچا کہ لڑائی میں اُس کا ایک صندوق پکڑا گیا جس میں ملکہ کے نام کے خطوط اور مسودے تھے۔ ان سے صاف معلوم ہو گیا کہ چارلس اپنی من مانی

شرطوں پر صلح کرنے کے سوا اور کسی امن و آشتی کی نیت نہیں رکھتا۔ اور بناوٹ سے نامہ و پیام کرنے کے زمانے میں بھی برابر ممالک غیر یا آئرستانی کیتھولک فریق سے مدد کے لیے ریشہ دوانیاں کر رہا ہے۔ نیز یہ کہ اُسے اپنی انگلستانی رعایا کو قابو میں لانے کے لیے ہر قسم کی امداد خواہ وہ رائے عامہ کے کسی قدر خلاف کیوں نہ ہو، منظور ہے۔ چند ماہ کے بعد ڈگبی کی خط کتابت پکڑی گئی اور چارلس کے آئرستانی حلیفوں کے ساتھ معاہدے کی نقل بھی پارلیمنٹ کے ہاتھ آ گئی تو ان سب باتوں کی تصدیق مزید ہو گئی۔ اس دو طرفہ ضرب سے وہ علاقے بھی جہاں بادشاہ کا سب سے بڑھ کر اثر تھا، جیسے جنوبی ویلز وغیرہ، اس کے خلاف یا اپنی وفاداری میں سُست ہو گئے اور دوسرے روپرٹ جیسے زبردست سپاہیوں کو بھی کامل یقین ہو گیا کہ صلح کے بغیر چارہ کار نہیں ہے۔

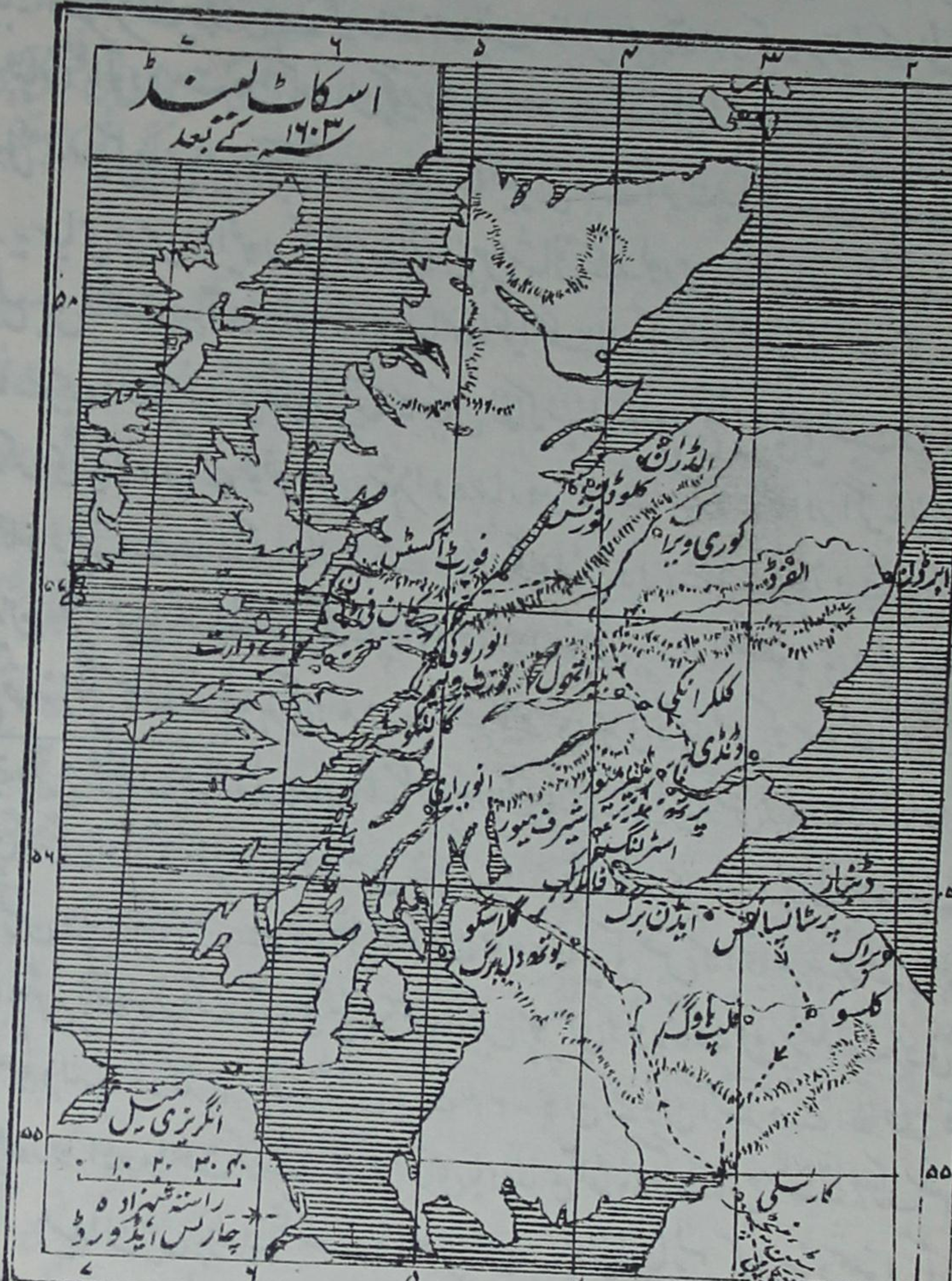
معرکۂ نیزبی کے بعد شاہ پسندوں کی منتشر افواج اور قلعوں کو مفتوح کرنے میں صرف وقت کا سوال رہ گیا تھا۔ لیکن اسکاٹ لینڈ میں ابھی دلوں ایک سپہ سالار ایسا نمودار ہوا کہ شمال میں بادشاہ کی سیادت کے دوبارہ جم جانے کی امید تازہ ہو گئی۔

مونٹ روز

یہ مارکوئس مونٹ روز تھا جس نے بہت منت سماجت کے بعد اسکاٹ لینڈ کی نظامت قبول کی اور اسے پورا اختیار دیا گیا کہ اسکاٹ لینڈ کے میثاقیوں (Convenanters) کے خلاف جو چاہے تدبیر عمل میں لائے اور جو فوجیں انگلستان بھیجی گئی تھیں انھیں واپس آنے پر مجبور کرے۔ اس امیر کی بے غرض وفاداری، اسے اپنے عہد کی شرافت کے بہترین نمونوں میں ممتاز کرتی ہے۔ بتیس برس کی عمر تھی اور نہایت باہمت اور مستعد تھا۔ اور جس کام کا بیڑا اٹھایا تھا، اس کے بجا لانے میں دل و جان سے منہمک ہو گیا۔ سیاسیات میں محض خیالی ہونے کے باوجود جنگی معاملات میں کافی صائب الرائے تھا اور اپنے وسائل کے مطابق

تدابیر میں رد و بدل کی ایسی قابلیت رکھتا تھا جو ماہرین سپہ گری کی خصوصیت ہوتی ہے۔ اسے اپنی کامیابی کی بہت کچھ امید ابرڈین اور پہاڑی علاقوں کے قبائل کے باہمی نفاق میں نظر آتی تھی کہ حوالئی ابرڈین میں تو قبیلۂ گورڈن کی شہر کے میثاقیوں سے ان بن تھی اور پہاڑی قبائل میں خاندان کیمپ بیل کی سب سے خصوصاً میکڈانلڈ برادری سے لڑائی ٹھنی رہتی تھی۔ مارسٹن موار کی لڑائی کے بعد مونٹ روز یارک سے سائیس کے بھیس میں روانہ ہوا۔ نشیبی اقطاع طے کر کے بلیر انھول میں وہ میک ڈانلڈ برادری کی ایک آئرستانی جماعت کا سرگروہ بنکر آگے بڑھا۔ یہ جماعت السٹر میک ڈانلڈ کی سرداری میں آئرستان سے آئی تھی کہ اپنی اسکوٹی برادری کی مدد کرے اور کیمپ بیلوں سے لڑنے کی بڑی آرزو مند تھی۔ اب مونٹ روز کا مقابلہ کرنے کی غرض سے الچو، آرجائل اور برلی کے بیلفر کے ماتحت تین جمعیتیں تیار ہوئیں مگر اس کی نقل و حرکت کی سُرعت حریفوں کو بدحواس کئے دیتی تھی اور اس کی عمدہ تدابیر کے آگے میدان جنگ میں کسی کی پیش نہ جاتی تھی یکم ستمبر کو اس نے الچو کو ٹپر میور میں اور بیلفر کو ابرڈین کے میدان میں شکست دی۔ ان کامیابیوں سے مشرقی پہاڑیوں کا علاقہ صاف ہوگیا اور گورڈن قبیلے کی مدد حاصل ہوگئی۔ پھر کلاں تر سپاہ کے ساتھ وہ آرجائل کے خلاف بڑھا۔ اوائل فروری میں ان ورلوچی پر کیمپ بیلوں کو سخت شکست دی اور آرجائل جس کی ذاتی شجاعت بہت کچھ مشتبہ تھی۔ ایک کشتی میں محفوظ بیٹھا اپنے قبیلہ والوں کا کشت و خوں دیکھتا رہا۔ اس ہزیمت نے اسکوٹوں کو مجبور کیا کہ اپنی انگلستانی فوج سے بیلی اور ہری دو بہترین سرداروں کو بلائیں لیکن دیر تک کاوے دینے کے بعد مونٹ روز نے ہری کو آلڈرن کے مقام پر (بتاریخ ۹ مئی) اور بیلی کو ایلفرڈ پر (بتاریخ ۲ جولائی) شکست دی اور اس کی تکمیل کل سیتھ کے خوف ناک میدان میں ہوئی جہاں بیلی کی سپاہ کے رہے سہے جوان کام آئے۔ ان فتوحات نے نشیبی اقطاع کا راستہ صاف کردیا تھا جہاں مونٹ روز کی تمنا تھی کہ چارلس اس سے آملے۔ مگر جیسا کہ پہاڑیوں کی جنگ کا دستور تھا، اس کے رفیق مُصر ہوئے کہ انھیں اموال غنیمت کے ساتھ گھر جانے کی اجازت دی جائے اور ستمبر میں مونٹ روز کے پاس صرف مٹھی بھر سپاہی باقی رہ گئے اسی حالت میں اس پر ڈیوڈ لزلی نے فلپ ہا کے مقام پر حملہ کیا

جو انگلستان سے ایک زبردست لشکر لے کر بارامار آگیا تھا اور فلپ ہا کے اسی معرکے نے شاہ پسندوں کے سبب سے منچلے شہ سوار کی قوت خاک میں ملادی۔ چند ماہ کے بعد مونٹ روز بھیس بدل کے براعظم کی طرف نکل گیا۔



دوسرے ٹھکانوں سے چارلس نے مدد لینے کی جو کوششیں کیں، ان کا بھی نتیجہ ایسا ہی خلاف مراد برآمد ہوا۔ اورمنڈ کو دو میدانوں میں شکست ہوئی۔ اس پر بھی چارلس آئرستانی حلیفوں سے کبھی اپنے باضابطہ ڈالی اور منڈ کے ذریعے اور کبھی ایک کیتھولک ایڈورڈ امیر سمرسٹ نامی کی وساطت سے (جو آگے چل کے ورسٹر کا مارکوئیس بنایا گیا) اور ایک بار اسی امیر کو اورمنڈ کی اطلاع کے بغیر اس نے دس ہزار آئرستانی فلطیوں کا سپہ سالار بھی مقرر کر دیا تھا جن کے انگلستان میں آنے کی توقع تھی۔ مگر

نامہ و پیام میں بہت دیر لگی۔ اور منڈ بہت کاہل، اور پکا پروٹسٹنٹ ہونے کی وجہ سے ایسے کام میں دل سے شرکت کرنے میں متامل تھا، جس سے آئرستان میں پھر کیتھولک مذہب قائم ہو جائے۔ اس لئے آئرستان کو عملاً خود مختار بنا دیا۔ ادھر سمرسٹ پرجوش ہونے کے ساتھ ناعاقبت اندیش بھی تھا اور ایک مرتبہ لینکا شر کے ساحل پر اس کا جہاز ٹوٹا تو وہ بہت دن تک ان تجویزوں میں حصہ لینے کے قابل نہ رہا۔ اسی طرح براعظم میں چارلس کو ناکامی ہوئی۔ اس کی بیوی امیر لورین کو دس ہزار ساتھیوں سمیت اُجرت پر انگلستان بھیجنے کی ساز باز کرتی رہی اور یہ سپاہی جرمن لڑائیوں کی جملہ سفاکیوں میں مشاق تھے۔ لورین بے حساب مال غنیمت اور لوٹ مار کی طمع میں انگلستان آنے پر آمادہ بھی ہو گیا تھا مگر انگلستان کی خوش نصیبی کہ اس کے سپاہیوں کو سمندر پار لانے میں دقت پیش آئی ملکہ ہنریتا کا خیال تھا کہ شہزادہ اورینج کی بیٹی کی نسبت ولی عہد انگلستان سے کر دی گئی تو اس کے عوض میں یہ شہزادہ جہازوں کا انتظام کر دے گا اور اگر یہ نہ ہوا تو مازارین بندرگاہ ڈیپ سے جانے کی اجازت دے دیگا۔ مگر ولندیزوں نے اپنے جہاز دینے سے انکار کر دیا اور مازارین انگریزی پارلیمنٹ کو ناخوش کرنے پر آمادہ نہ ہوا۔ غرض یہ سارا منصوبہ ہی درہم برہم ہو گیا۔

پہلی خانہ جنگی کا خاتمہ باہر کی امداد سے مایوسی ہوئی تو چارلس کو سوائے اس کے چارہ نہ رہا کہ اپنے انگریز رفیقوں ہی کے بل جہاں تک ممکن ہو لڑائی جاری رکھے مگر یہ کوشش زیادہ نہ چلی اور معرکہ نیزبی کے ایک ماہ بعد ہی گورنگ اور اسکی مغربی سپاہ کو فیرفیکس نے لینگ پورٹ پر شکست دی ۱۰ ستمبر کو برسٹل پر جبراً قبضہ کر لیا گیا ۲۴ ہویں تاریخ چارلس نے چیسٹر کی فصیل سے وہ نقل و حرکت خود معائنہ کی جس کا انجام یہ ہوا کہ رہی سہی بادشاہی فوج راوٹن ہیتھ پر پراگندہ کر دی گئی موسم بہار میں ہوپٹن کو ٹورنگ ٹن پر شکست ہوئی ایسٹ لی نے اسٹو (لب ؤ ولڈ) پر ہتیار ڈال دئیے ۲۴ جون کے دن آکسفرڈ نے اطاعت قبول کر لی۔ چند قلعے کچھ روز اور مدافعت کرتے رہے مگر آخری بادشاہی قلعہ ہارلگ مارچ سنہ ۱۶۴۷ء تک مفتوح ہو گیا۔

میدان میں ہر طرف شکست و ناکامی نصیب ہوئی تو چارلس کو اپنے دشمنوں کی باہمی نااتفاقی سے فائدہ اٹھانے کی سوجھی اگرچہ ابھی تک فرانس یا آئرستان سے بھی مدد مل جانے کی امید باقی تھی۔ دشمنوں کو ایک دوسرے سے لڑانے کا موقع یہ پیدا ہوا کہ پارلیمنٹی فریق اسقفیت کو توڑنے میں متفق مگر اس بارے میں مختلف الرائے تھا کہ اُس کی بجائے کیا انتظام کیا جائے۔ اسکوٹی گروہ چاہتا تھا کہ اُن کے ملک کا سا پرس بی ٹری نظام قائم کیا جائے جس میں اصلی قوت مقامی پادریوں کے ہاتھ میں رہے۔ مگر اسی عقیدے کے انگریز میثاقی ہونے کے باوجود اس حد تک رد و بدل کے حامی تھے کہ پادریوں کی بجائے انتظامی معاملات میں غلبہ غیر کلیسائیوں

کو حاصل رہے۔ ''آزاد'' جماعت کی رائے تھی کہ کسی یکساں انتظام کی ضرورت نہیں بلکہ ہر جگہ کے مصلی اپنے اپنے گرجا کا بطور خود انتظام کر لیا کریں۔ اس بات میں سب متفق تھے کہ اسقفیت پسندوں یا کیتھولکوں کو کلیسا میں ہرگز (انگلستان یا آئرستان میں) گھسنے نہ دیا جائے۔ اور پرسبی ٹری فرقے والے تو آزاد خیالوں پر جبا و بول دبنا چاہتے تھے۔ ''آزاد'' گروہ کی، بقول ملٹن، رائے یہ تھی کہ یہ پرسبی ٹری بھی وہی پرانے پیر پادری ہیں اسی بنا پر وہ ان کا اقتدار دیکھنے کی بجائے ترجیح دینے لگے تھے کہ اسقفیت کو مناسب ترمیم کے ساتھ قائم رہنے دیا جائے۔

لاڈ کا قتل

بہر حال چارلس کے صدر اسقف لاڈ کے نظام کو توڑنے کی ضرورت پر سب فریق ہمرائے تھے اور لاڈ کی زندگی سے تو کوئی واقعی خطرہ نہ تھا، بلکہ اس کے نظام کلیسا سے شدید نفرت ہی کی بنا پر ۱۶۴۴ء کی سردیوں میں پریِن کی ترغیب اور دونوں مذہبی فرقوں کی تائید سے صدر اسقف لاڈ پر ''حرابی خون'' کا قانون نافذ کیا گیا۔ غداری وغیرہ کا کوئی الزام اس پر عائد نہ ہو سکتا تھا اور اسے مارنا حقیقت میں قتل ناحق سے کم نہ تھا۔ بایں ہمہ اس سن رسیدہ پیشوائے مذہب کا جنوری ۱۶۴۵ء میں سر قلم کر دیا گیا۔ اس کارروائی کا مطلب یہ تھا کہ ایسی اسقفیت کے ساتھ، جیسی چارلس کے نزدیک ضروری تھی، کوئی مصالحت نہیں ہو سکتی۔ جولائی ۱۶۴۳ء سے ایک ذیلی مجلس کلیسا کے لئے نئے آئین پر غور کر رہی تھی اور اسے ویسٹ منسٹر میں قومی مذہب کا مسئلہ طے کرنے کی غرض سے منعقد کیا گیا تھا۔ اس میں ایک سو بیس کلیسائی اور تیس پارلیمنٹ کے مبعوث شامل تھے اور پرسبی ٹری فرقے والوں کی اتنی اکثریت تھی کہ ''آزاد'' گروہ کے صرف پانچ حامی تھے جن میں فلپ نائی اور جان گوڈون سربرآوردہ تھے۔ انھیں ''اختلافی بھائیوں'' کے نام سے یاد کیا جاتا تھا انھوں نے اصلاحات کا ایک نقشہ بھی پیش کیا جس میں لاڈ کے نظام کی بجائے اسقفوں کی ایک جدید مجلس بنانے کی تجویز تھی اور دلی اختلاف رکھنے والوں کے ساتھ رواداری کی سفارش کی گئی تھی۔ مگر اسے کوئی وقعت نہ دی گئی۔ انگلستانی وضع کا پرسبی ٹری نظام اصولاً قبول کر لیا گیا اور عملاً بھی کسی حد تک اس کے مطابق کام ہونے لگا۔ الزبتھ کے عہد میں گرجا کی عبادات وغیرہ کے متعلق کارٹ رائٹ اور ٹریورس نے ایک دستور العمل (ڈائرکٹری) لکھی تھی، اب اسی کو اختیار کیا گیا اور نئی کتاب الصلوٰۃ کے استعمال کی ممانعت کر دی۔ پارلیمنٹ میں بھی جہاں پرسبی ٹری عنصر برابر بڑھتا چلا جاتا تھا، ان تجاویز کی توثیق ہو گئی لیکن ملک میں اس پر کافی قیل و قال ہوئی۔ عساکر نمونۂ جدید میں اب تک رواداری کا رواج تھا۔ ان جدید اصلاحات سے سپاہیوں میں سخت اور دلی ناراضی کے جذبات پیدا ہوئے۔

چارلس، اسکوٹی لشکر میں

چارلس نے ارادہ کیا کہ پارلیمنٹ کے ان اختلافات سے پورا فائدہ اٹھائے۔ اسے امید تھی کہ اہل اختلاف باہمی نفاق کی وجہ سے شاہ پسندوں کی تائید پر تیار ہو جائیں گے اور اسی خیال سے اس نے پرس بی ٹری، "آزاد"، اسکوٹی اور فوجی، ہر فریق کے سرگروہوں سے خفیہ خط کتابت شروع کی۔ مگر سب پر اچھی طرح روشن تھا جب تک بادشاہ صاف صاف شرطیں نہ کرے، اس کے عہد سے پھر جانے میں کوئی شئے مانع نہیں آسکتی۔ اور ادھر چارلس تلا ہوا تھا کہ جو کچھ ہو، وہ اسقفیت کے دوبارہ قائم کرنے کی امید کو ہاتھ سے نہ دے گا۔ لہذا اس نامہ و پیام کا کوئی نتیجہ نہ نکلا اور آخر یہ سمجھ کر کہ بہترین صورت اسکوٹی اور انگلستانی باشندوں کے باہمی رشک سے فائدہ اٹھانا ہوگی، وہ مئی ۱۶۴۶ء میں اسکوٹی لشکر میں چلا آیا اور پوری امید رکھتا تھا کہ چندہی روز میں اسکوٹی اور شاہ پسندوں کی سپاہ اس کے حکم سے پارلیمنٹ کے خلاف جنگ کرتی نظر آئے گی، مگر چندہی روز گزرے تھے کہ اسے معلوم ہوگیا کہ جب تک وہ پرس بی ٹری نظام کو انگلستان میں قائم کرنے کا قطعی وعدہ نہ کرے اسے اسکوٹوں سے کوئی مدد نہ مل سکے گی اور یہ کہ اب وہ مہمان بھی نہیں بلکہ عملاً ان کے ہاتھ میں قیدی بن گیا ہے۔ بایں ہمہ اسے انگلستان بھیجدینے سے پہلے اسکوٹی فوج نے ایک اور موقع دیا کہ چارلس انگلستان کی پارلیمنٹ سے صلح کرلے اور اسی غرض سے نوکاسل لے کر آئے جہاں پارلیمنٹ کے بعض نمایندوں سے گفتگو شروع ہوئی۔ چارلس سے جو مطالبات کئے گئے ان میں قابل ذکر یہ ہیں:- (۱) اسقفیت کا خاتمہ اور پرس بی ٹری اصول کے مطابق کلیسا کی اصلاح (۲) کیتھولک فرقے کے خلاف مزید تعزیری قوانین۔ اور (۳) آئندہ بیس سال تک فوج بے قاعدہ اور بیڑے پر پارلیمنٹ کی نگرانی۔ دوسری طرف اسکوٹوں نے اقرار کیا کہ اگر چارلس اکسن برج کی پیش کردہ شرطیں ماننے کا وعدہ کرلے تو اس کے بحال کرانے کے لئے جنگ کریں گے لیکن ملکہ اور اپنے تمام خیرخواہوں کی صلاح کے باوجود بادشاہ نہ پارلیمنٹ سے صلح پر آمادہ ہوا نہ اسکوٹوں کو رفیق بنانے کی غرض سے بعض عقائد سے دست بردار ہوا۔ اصل میں وہ اسے لازمۂ عزت سمجھتا تھا کہ منصب شاہی کے امتیازات میں فرق گوارا کئے بغیر انھیں اپنے وارثوں تک بجنسہ پہنچادے اور اسی طرح اسقفیت کو قائم رکھنا ایمان کا جزو جانتا تھا۔ اس بارے میں چارلس کی رائے بالکل صاف اور قطعی تھی مگر دوسروں کو یہ بدگمانی ہوئی کہ وہ حیلے حوالے کررہا ہے اور اسکاٹ لینڈ والے اس کی بیجا ضد سے جھنجھلا گئے اور ارادہ کرلیا کہ ان جھگڑوں میں کوئی دخل نہ دیں اور چارلس کو انگریز قائم مقاموں کے حوالے کرکے اپنے گھر کا راستہ لیں۔ اس تجویز کو پارلیمنٹ نے خوشی سے قبول کیا اور اسکوٹوں کی مراجعت میں سہولت پیدا کرنے کی ہر ممکن

کوشش کی۔ ان کے مصارف کا تخمینہ چار لاکھ پاونڈ ہوا تھا۔ پارلیمنٹ نے دو لاکھ کی پہلی قسط اسی وقت منظور کر دی۔ چارلس کے ساتھ بھی نئے پہرہ داروں کا سلوک بہت اعزاز کا رہا اور وہ ابتدا میں پارلیمنٹ کے حکم سے ہولمبی ہاؤس نارتھمپٹن شائر میں رکھا گیا۔

فوج کا مسئلہ

اسکوٹوں کی رخصت کے ساتھ لامحالہ انگریزی فوج کے متعلق سوال پیدا ہوا کہ وہ آئندہ کیا کرے گی اور کس حال میں رکھی جائے گی۔ پارلیمنٹ اسے فسخ کرنا چاہتی تھی۔ کیونکہ اول تو پرس بی ٹری اکثریت کو اہل فوج کی آزاد خیالی پسند نہ تھی دوسرے محاصل کا ادا کرنا لوگوں کو اتنا ناگوار تھا کہ کئی ضلعے محض اسی وجہ سے شاہ پسندوں کی طرف مائل ہو گئے تھے۔ اُدھر خود فوج کے لوگ ڈرتے تھے کہ اگر فوج فسخ ہو گئی تو پرس بی ٹری اکثریت بالکل مطلق العنان ہو جائیگی اور مذہبی مسائل کا تصفیہ ایسے انداز میں ہوگا کہ اہل اختلاف یا آزاد فرقے کی کلیسا میں گنجائش ہی نہ رہے حالانکہ اکثر سپاہی انھی فرقوں کے پیرو تھے۔ جب تک پارلیمنٹ کی توجہ جنگ کے انتظام پر مرکوز رہی، اس وقت تک آزاد فرقے والے پیش پیش رہے اور انھیں غلبۂ آرا کا بھی یقین رہا۔ لیکن لڑائی کے ختم ہوتے ہی پرس بی ٹری کو پھر غلبہ حاصل ہو گیا اور اس نے فوج کی برطرفی پر غور و بحث شروع کی۔ تجویز پیش ہوئی کہ انگلستان میں پیادہ فوج مطلق نہ رکھی جائے بلکہ ۶۶۰۰ سوار، اور آئرستان میں ۴۲۰۰ سوار اور ۸۴۰۰ پیادے رہنے دیئے جائیں فیرفیکس کے جوانوں کے واسطے جو نوکری کرنی چاہیں یا انھیں جگہ مل سکتی ہو، انھی افواج میں داخل کرنے کی قرارداد ہوئی اور اس طرح صرف ۶ ہزار پیادوں کی برطرفی کی ضرورت رہ گئی۔ برطرفی کے علاوہ تنخواہ کا مسئلہ بھی چکانا تھا کہ پیادوں کی آٹھ ہفتے کی اور سواروں کی ۴۳ ہفتے کی بقایا چڑھی ہوئی تھی۔ یہ کل حساب تقریباً تین لاکھ پاونڈ کا ہوتا تھا اور اتنی بڑی رقم کا مہیا کرنا کچھ آسان کام نہ تھا۔ سوئے اتفاق سے پرس بی ٹری اکثریت نے بڑی نادانی یہ کی کہ سپاہیوں کو ان کے مواجب میں سے صرف ایک سُدس ادا کرنے کی منظوری دی اور اس حرکت سے مذہبی آزادی اور تنخواہ دونوں کے طلبگار متفق ہو گئے۔ سپاہیوں نے مل کر جمے رہنے کا ارادہ کیا اور ہر جمعیت سے وکیل یا نمائندے منتخب کئے کہ سرداران فوج کی مجلس کے ساتھ مل کر فوج کے مفاد کے کام میں شریک رہیں۔ سب سے بڑی غرض یہ تھی کہ پارلیمنٹ

بقایا تنخواہ ادا کرے اور جنگ کے زمانے میں جو بدعنوانیاں ہوئی ہوں، ان کی معافی کا حکمنامہ جاری کردے۔ فیرفیکس اور کروم ویل دونوں اپنے سپاہیوں کے جائز مطالبات کے دل سے موید تھے اور چونکہ کروم ویل خوب سمجھتا تھا کہ اگر فوج ایک دفعہ پارلیمنٹ پر غلبہ پاگئی تو پھر طرح طرح کی خرابیاں پیدا ہوں گی، لہذا فوجی سردار اور پارلیمنٹ کے رکن ہونے کی حیثیت سے وہ پوری کوشش کرتا رہا کہ صلح و آشتی کے ساتھ معاملہ طے ہو جائے۔ مگر یہ کوشش ناکام ہوئی اور اب وہ پوری قوت سے اپنے سپاہیوں کا طرفدار ہو گیا۔ اس نازک موقع پر سپاہیوں کو طبعاً اندیشہ ہوا کہ کہیں چارلس کسی نئی پرس بی ٹڑی سپاہ کا سرخیل نہ بن جائے یا اُسے بھاگ جانے کا موقع نہ دے دیا جائے۔ لہذا کروم ویل نے کورنیٹ جوئس کو حکم دیا کہ ہولمبی جاکے چارلس کو اپنی حراست میں لے لے۔ جوئس نے اس پر عمل کیا اور مخالفوں کے چھڑالے جانے کے خوف سے اسے نیو مارکیٹ میں منتقل کر دیا جہاں سے فوج کا پڑاؤ قریب تھا۔

فوج کا اعلان اور دوسری خانہ جنگی

بادشاہ قبضے میں آگیا تو فوج والے ٹرپ لو ہیتھ میں جمع ہوئے اور ایک اعلان کی صورت میں اپنے مطالبات مرتب کئے جن میں یہ جدید اضافہ کر لیا گیا کہ موجودہ پارلیمنٹ کے تکلیف دہ ارکان خارج کردئے جائیں اور آئندہ پارلیمنٹ صرف دو سال کے واسطے منتخب ہوا کرے۔ ان مطالبات کو منوانے کی غرض سے پوری فوج آہستہ آہستہ منزل بہ منزل لندن روانہ ہوئی۔ بادشاہ کو اپنے ساتھ رکھا اور آخر میں ہیمپٹن کورٹ میں ٹھہرا دیا۔ اس جنگی مظاہرے کو دیکھ کر پارلیمنٹ دب گئی اور گیارہ پرس بی ٹڑی ارکان جن میں ہولیز اور ولیم والر سب سے ممتاز تھے، ملک چھوڑ کر براعظم چلے گئے۔ اسی وقت سے کہنا چاہیے کہ معاملات کی اصلی باگ فوج کے قبضے میں آگئی۔ ساتھ ہی فوج نے جو در اصل پارلیمنٹ سے بڑھ کر ملک کی سچی نائب و ترجمان ہونے کی مدعی تھی، بادشاہ سے نامہ و پیام شروع کئے۔ اس کی تجاویز پارلیمنٹ کی بہ نسبت زیادہ فیاضانہ تھیں کیونکہ کروم ویل اور اس کا داماد آئرٹن اسقفیت کی بحالی پر بھی رضامند تھے بشرطیکہ دوسرے فرقوں کے لئے کامل رواداری برتی جائے اور یہ دونوں سردار فوج کے سیاسی خیالات کی فیرفیکس سے بھی بہتر نیابت کرتے تھے۔ اپنی صداقت کے ثبوت میں انھوں نے چارلس

باب سوم

کو خود اپنے اماموں سے کلیسائے انگلستان کے مطابق نماز پڑھانے کی بھی اجازت دیدی حالانکہ اسکاٹ لینڈ یا پارلیمنٹ والوں نے اسے مطلق جائز نہ رکھا تھا۔ فوجی تجاویز آئرٹن نے قلمبند کی تھیں اور ان میں اصلاح پارلیمنٹ و دو سالہ انتخابات، جنگ و صلح کا فیصلہ اور فوج بے قاعدہ کا انتظام کرنے کی غرض سے ایک شاہی مجلس کے قیام کا مطالبہ تھا۔ پانچ سربرآوردہ شاہ پسندوں کو سزا دینے کی بھی شرط تھی۔ مجموعی طور پر یہ "مدات تجاویز" اسی مذہبی تصفیے کا خاکہ تھیں جو آئندہ ۱۶۸۹ء میں اختیار کیا گیا اور نیز اسی قسم کی پارلیمنٹی حکومت کا جو بہت کچھ زمانہ حال میں زیر عمل ہے لیکن چارلس سے انھیں منظور کرانا غیر ممکن تھا کیونکہ اسے اب پورا یقین ہو گیا تھا کہ پریس بی ٹری اور آزاد فرقے میں تلوار چلے بغیر نہ رہے گی اور ایک نہ ایک فریق لامحالہ شاہ پسندوں سے امداد خریدنی چاہے گا۔ نظر برایں اس نے ارادہ کر لیا کہ بھاگ کر جزیرۂ وائٹ میں چلا جائے۔ بدنصیبی سے وہاں کا پارلیمنٹی حاکم، ہیمنڈ، اس کے وہاں آنے پر تو رضامند ہو گیا لیکن اپنے مقرر کرنے والوں کی وفاداری میں اس بات کی پوری نگرانی رکھی کہ بادشاہ وہاں قصر کیرس بروک سے نکلنے نہ پائے۔ چارلس فوج سے گفت و شنید منقطع ہو جانے کو فال نیک سمجھتا تھا حالانکہ اسی سے فوج والوں کی یہ رائے ہو گئی کہ بادشاہ سے نامہ و پیام کرنا بیکار ہے اور بہ حیثیت بادشاہ بھی وہ اعتماد کے لائق آدمی نہیں ہے۔ البتہ چارلس کا یہ خیال صحیح نکلا کہ ۱۶۴۸ء میں دوبارہ خانہ جنگی برپا ہو گئی۔ لندن اور جنوب مشرقی پرگنوں میں سپاہیوں کی تنخواہ کا بار اٹھاتے اٹھاتے سخت بددلی پیدا ہو گئی تھی۔ اہل اختلاف کو غیر معمولی اہمیت حاصل ہوئی تو پریس بی ٹری عقائد کے لوگ بگڑے اور زیادہ تر انھی دو اسباب نے اہل ملک کو پارلیمنٹ سے بدعقیدہ اور بادشاہی کی طرف دوبارہ مائل کر دیا۔ جنوب میں شاہ پسندوں کے خروج کے ساتھ چارلس کو مارکوئس ہیملٹن کے حملہ کر دینے کی بھی توقع تھی۔ جو کچھ مدت کے لئے آرجائل کے رسوخ و اثر پر غالب آ گیا اور بادشاہ سے "قول قرار" کرنے میں لاڈر ڈیل کا شریک ہو گیا تھا۔ اس قول و قرار کا منشا یہ تھا کہ چارلس تین سال تک پریس بی ٹری انتظام قائم کر دے گا اور غیر اصطباغی (انابیپ ٹسٹ) انقطاعی (سے پے رے ٹسٹ) آزاد اور ملاحدہ وغیرہ ہم تمام دوسرے فرقوں کا بالکل قلع قمع کر دے گا۔ اس کے عوض میں اسکاٹ لینڈ والے آمادہ تھے کہ انگلستان پر فوج

باب سوم

سے حملہ کریں اور موجودہ پارلیمنٹ کا خاتمہ کر کے ایک بڑی اور آزاد پارلیمنٹ کی مدد سے دیرپا صلح کرادیں۔ مگر ہیملٹن اور اس کے دوستوں کو ان انتظامات میں دیر لگی اور اس عرصے میں کینٹ اور جنوبی ویلز کے شاہ پسندوں نے جنگ کا علم بلند کر دیا۔ اس سرکشی کے مقابلے میں پارلیمنٹ اور فوج والے متفق ہو گئے اور پارلیمنٹ تو بد دل لندن والوں کو خوش کرنے کی کوشش کرنے لگی اور فیرفیکس و کروم ویل نے میدان جنگ میں شاہ پسندوں کا قضیہ چکا دیا۔ یعنی چالاکی سے کینٹ والوں اور ان کے لندنی ہمدردوں کے بیچ میں آکر فیرفیکس نے سرکشوں کی بڑی جمعیت کو تو ۲ جولائی کے دن میڈ اسٹون

معرکۂ میڈ اسٹون

میں شکست دی اور جو باقی بچے انھیں ٹیمز کے پار بھاگنے پر مجبور کیا یہ کول چسٹر پہنچ کر قلعہ بند ہو گئے تھے کہ اسکاٹ لینڈ کی فوج یا بر اعظم کی کوئی مدد انھیں محاصرے سے نجات دلانے پہنچ جائے گی لیکن فیرفیکس نے انتہائی قوت سے کام لیا اور لارڈ ہالینڈ کی جس کی مدد نوجوان امیر کبیر بکنگھم بھی کر رہا تھا، یہ کوشش نہ چل سکی کہ ایک اور بغاوت پارلیمنٹ کے خلاف برپا ہو جائے۔ ان کی جمعیت منتشر کر دی گئی۔ ہالینڈ گرفتار ہوا اور اگست کے ختم ہونے سے قبل کول چسٹر کو جانبازانہ مدافعت کے بعد ہتھیار ڈال دینے پڑے۔ قوانین جنگ سے بڑی درشتی کے ساتھ کام لیا گیا کہ دو شاہ پسند سردار، سر چارلس لیوکس اور سر جارج لزلی، جنگی مجلس میں مجرم قرار پائے اور گولی سے اُڑا دیے گئے۔ دو اور سردار، یعنی لارڈ کیپل اور امیر نارویج (جو شاہی سپہ سالار گورنگ کا باپ تھا) آئندہ فیصلے کے لئے قید میں رکھے گئے۔

پرسٹن کی لڑائیاں

اس عرصے میں ہارٹن نے ویلزیوں کو سینٹ فیگن میں شکست دی۔ کروم ویل نے پیم بروک اور ٹین بی کے قلعے فتح کر لئے اور جولائی تک اسکوٹوں کے مقابلے کے لئے فارغ ہو گیا۔ اور اچھا ہی ہوا کہ عین وقت پر اسے فرصت مل گئی کیونکہ ہیملٹن اپنے اعتدال پسند پرس بی ٹیریوں کو لے کر سرحد عبور کر چکا تھا اور پارلیمنٹی سردار لیمبرٹ اسے روکنے کی طاقت نہ رکھتا تھا۔ اسکوٹی سردار کینڈل وہارن بی کے راستے پرسٹن تک بڑھ آیا۔ اس کے لشکر میں ساڑھے تین ہزار سے زیادہ انگریز شاہ پسند تھے جن کا قائد سر مارماڈیوک لینگ ڈیل تھا اور کم سے کم دو ہزار اسکوٹی سپاہی تھے لیکن یہ اچھے قواعد دان نہ تھے اور نہ ساز و سامان اچھا تھا

دوسرے خود ہیملٹن شجاعتِ ذاتی کے باوصف جنگی قابلیت سے معرا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کروم ویل نے یہ سمجھ کر اپنا منصوبہ بنایا تھا کہ ہیملٹن، پونٹے فریکٹ جائے گا جو اسی زمانے میں شاہ پسندوں کے ہاتھ آگیا تھا۔ اسی خیال سے وہ ۸ ہزار سپاہی لے کر وادی ربل میں لڑنے کے ارادے سے داخل ہوا اور حسن اتفاق سے ۱۷ اگست کو اس کی پرسٹن کے حملہ آوروں سے مٹ بھیڑ ہوگئی۔ اسکوٹی لشکر نے اسی وقت ندی کو عبور کیا تھا اور لینگ ڈیل کی انگریزی فوج ابھی شمالی کنارے پر تھی کہ کروم ویل نے اُسے آدبایا۔ شاہ پسند بڑی دلیری سے لڑے لیکن آخرکار مغلوب کر لئے گئے اور پھر کروم ویل اسکوٹوں کی طرف پلٹ پڑا۔ اس نے رات ہوتے ہوتے ربل اور ڈارون کے پلوں پر جبراً قبضہ کر لیا جس سے اسکوٹوں کو واپسی کی بھی امید باقی نہ رہی اور دوسرے دن اس نے اطمینان سے دشمن کا تعاقب کیا۔ موسم خراب اور اسکوٹوں کے پاس گولہ بارود کی کمی تھی نیز سردار اچھے نہ ملے لہٰذا ان کی ترتیب بالکل بگڑ گئی اور وگن اور ونیاک میں کامل شکست ہوئی۔ صرف بیلی نے کچھ ہنر اور استقامت دکھائی لیکن نمونۂ جدید کے سپاہیوں کی بہادری اور قواعد دانی کے سامنے کچھ پیش نہ جا سکی پیادوں نے وارنگٹن میں اور سواروں نے اٹک زیٹر میں ہتھیار ڈال دئے۔ پھر ہیملٹن کی خبر لینے کے لئے لیمبرٹ کو چھوڑ کر خود کروم ویل اسکاٹ لینڈ میں داخل ہوا اور اکتوبر تک وہیں رہا۔ کچھ مدت میں ہیملٹن اور لینگ ڈیل بھی پکڑ لئے گئے اور لیمبرٹ دوبارہ کروم ویل سے آملا۔

نازک موقع کول چسٹر اور پرسٹن کی کامیابیوں سے ایک ایسے نازک موقع کا خاتمہ ہوا کہ چارلس کے ٹرن ہم گرین سے پسپا ہونے کے بعد سے پارلیمنٹ کو پیش نہ آیا تھا۔ حقیقت میں اگر فیرفیکس، میڈ اسٹون میں یا کروم ویل پرسٹن میں غالب نہ آتا تو بلا تاخیر ملک میں بادشاہ کی طرفداری کا ہنگامہ پیدا ہو جاتا۔ پھر کینٹ اور اسیکس کی ان بغاوتوں سے بھی بڑھ کر خطرناک بات یہ تھی کہ بیڑا جو اب تک بیرونی امداد کے آنے میں مانع رہا اور سمندر کا پہرا دے کر پارلیمنٹ کی قابل ستائش خدمت انجام دیتا رہا، اب اس کے تیور بدل گئے بلکہ نو جہاز تو ولی عہد انگلستان کے پاس ہالینڈ چلے گئے اور اگر ہوا مخالف نہ ہو جاتی تو ڈیشم کے سامنے پارلیمنٹی جہازوں سے ۲۸ اگست کو

ان کی لڑائی ہو جاتی۔ اور چونکہ ملاح، سپاہیوں سے بھی بڑھ کر پرسبی ٹیرین خیال کے تھے، اس لئے امید نہ تھی کہ وہ دل سے پارلیمنٹ کی طرف سے لڑائی کریں گے۔ آخر میں ولی عہد کے جہاز ہالینڈ واپس ہوئے اور شہزادہ روپرٹ کے ماتحت کر دئے گئے بہرحال فوج والوں کو یقین تھا کہ یہ سب خطرناک صورتیں محض چارلس کی ضد کا نتیجہ ہیں اور اسی واسطے جب وہ شاہ پسندوں سے لڑنے چلے تو اعلان کیا کہ اگر خدا نے دوبارہ امن سے بہرہ مند کیا تو ہمارا فرض ہوگا کہ اس خونی آدمی سے، جسے چارلس اسٹوارٹ کہتے ہیں، خونریزی اور ان غریب قوموں نیز خدائی مقصد کے خلاف فتنہ انگیزی کرنے کا مواخذہ کیا جائے۔ اسی قسم کے جذبات تھے جن کی وجہ سے فیرفیکس کا دل سخت ہوا اور کول چیسٹر کے قتل عمل میں آئے۔

پارلیمنٹ کی کارگزاریاں

فوج تو مصروفِ جنگ تھی اور ادھر پرسبی ٹیرین پارلیمنٹ میں من مانی کارروائیاں کر رہے تھے۔ اپنے غلبۂ آرا کے زور پر انھوں نے ایک حکم نامہ جاری کرایا کہ جو لوگ مسیح کی الوہیت، اور قبر سے زندہ اٹھنے کے اور اسی طرح خاص خاص مسیحی عقائد کے منکر تھے، وہ سزائے موت کے مستوجب اور اسی طرح جو لوگ بچوں کے اصطباغ، دوزخ کے وجود وغیرہ عقیدوں کو مانتے تھے یا سبت کی فرضیت ہیں، جو ری ٹن فرقے سے قیل و قال کرتے تھے، وہ سزائے قید کے قابل ہونگے۔ ایسا حکم نامہ سپاہیوں کی کثیر جماعتوں میں سراسر نامطبوع تھا اور پارلیمنٹ نے بادشاہ سے جو گفتگو شروع کی اسے بھی فوجی ناپسند کرتے تھے۔

معاہدۂ نیوپورٹ

بایں ہمہ نیوپورٹ میں بادشاہ نے اصالتاً اور پارلیمنٹ کی طرف سے چند وکلا نے جن میں سایے، ہولیز اور وین سربرآوردہ تھے، ایک قرارداد طے کرنی چاہی جسے اُس وقت "معاہدے" کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔ لیکن چارلس نے دل سے گفتگو نہیں کی کیونکہ ابھی تک بیرونی امداد کی بہت کچھ امیدیں تھیں کہ یا تو براعظم سے کمک آئے گی جہاں سی سالہ جنگ اسی زمانے میں ختم ہو رہی تھی، اور یا آئرستان سے جہاں اورمنڈ پھر ایک شاہ پسند جمعیت مرتب کر رہا تھا۔ اگر ان میں سے کچھ نہ ہو تو بھی بادشاہ بھاگ کر نکل جانے کا یقین رکھتا تھا۔ غرض اور تو سب شرطیں وہ قریب قریب پوری طرح ماننے کے واسطے آمادہ ہوا لیکن

اسقفیت کو کسی نہ کسی شکل میں قائم رکھنے پر جما رہا اور اس بات کو عوام نے قبول نہ کیا۔ لہذا یہ سب گفتگو رائیگاں ثابت ہوئی۔

اس عرصے میں اسکاٹ لینڈ کا سیاسی اقتدار بھی آرجائل کے ہاتھ میں آگیا اور مغربی میدانوں کے پیچے پرس بی ٹری اور کیمبل برادری کے لوگ اس کے مددگار تھے۔ پھر بھی پارلیمنٹ کے حکم سے کروم ویل اڈنبرو گیا اگرچہ آرجائل سے صلاح مشورہ کرنے کے سوا اور کسی کام کی ضرورت نہ پیش آئی۔ پھر لیمبرٹ اور کھوڑے سے سپاہیوں کو اس غرض سے وہاں چھوڑ دیا کہ چارلس کے حمایتیوں ("Engagers" یا اقرار نامہ کرنے والوں) کے مقابلے میں نئی حکومت کی پشت پناہی کریں۔ واپسی میں کچھ وقت اسکاربرو اور پونٹے فریکٹ کے محاصرے کی دیکھ بھال میں صرف ہوا اور وہ ۶ دسمبر سے قبل لندن واپس نہ پہنچ سکا۔

اہل فوج کا احتجاج کروم ویل کی غیر حاضری میں اس کے داماد ہنری آئرٹن کا جو اس کے ساتھ یک جان و دو قالب بن گیا تھا، رسوخ و اثر بہت رہا۔ کیونکہ گو فوجی مجلس میں صدارت کی کرسی پر ہمیشہ فیرفیکس اجلاس کرتا تھا لیکن سیاسی معاملات میں وہ کوئی سوجھ بوجھ نہ رکھتا تھا۔ سپاہیوں کے جذبات کا آئرٹن نے ایک تحریر میں اظہار کیا جو "احتجاج اہل فوج" کہلائی۔ اس میں چارلس کو دوسری جنگ کرانے کا ذمہ دار اور اس کے ساتھ مزید ربط ضبط رکھنا مذموم قرار دیا تھا کیونکہ وہ اپنے وعدوں کا ایفا کرنا ہی لازم نہیں سمجھتا تھا اور آخر میں استدعا کی تھی کہ اس پر مقدمہ چلایا جائے۔ بایں ہمہ فیرفیکس وغیرہ بہت سے سردار ابھی وہاں تک جانے پر آمادہ نہ ہوئے اور چاہا کہ ایک بار صلح کی کوشش اور کر لی جائے۔ چنانچہ فوجی مجلس کی طرف سے دریافت کیا گیا کہ آیا بادشاہ اس بات پر تیار ہے کہ (۱) موجودہ پارلیمنٹ کو جلد برطرف کر دے اور اس کے بعد دو سالہ انتخابات منظور کرے۔ (۲) فوج بے قاعدہ کا انتظام ایک مجلس کے سپرد کر دے جسے پہلے دس سال تک پارلیمنٹ بلا واسطہ اور پھر بالواسطہ مقرر کیا کرے گی (۳) ملک کے بڑے بڑے عہدہ داروں کا تقرر بھی اسی طرح ہوا کرے۔ اس مطالبے کا منشا یہ تھا کہ آئندہ چارلس پارلیمنٹ کی رائے کے مطابق چلے جیسا کہ عملاً زمانۂ حاضرہ میں دستور ہے اور وہ پرانا عقیدہ کہ آخری حکم ہمیشہ بادشاہ کا ہونا چاہیے، جس پر اب تک وہ جما ہوا تھا، اسے ترک کر دے۔

باب سوم

یہ تجویز ۱۷ نومبر کو چارلس کے روبرو پیش ہوئی اور جیسی کہ امید تھی، اس نے اسے نامنظور کر دیا۔ دوسرے دن سرداروں نے بالاتفاق آئرٹن کے "احتجاج" کو منظور کیا اور اسے ۲۰ نومبر کو پارلیمنٹ میں پیش کیا۔ پارلیمنٹ کو فوج کی یہ دخل درمعقولات پسند نہ آئی لہذا ایک ہفتے کے لئے اس پر غور کرنا ملتوی کر دیا اور بطور خود بادشاہ سے نامہ و پیام جاری رکھا۔ اس پر فوجی سردار بہت جلے اور ان کی مجلس نے فوراً بادشاہ کو اپنی حراست میں لینے کی تدبیر کی اور اس امر پر بھی بحث ہونے لگی کہ آیا پارلیمنٹ کو جبراً توڑ دینا بہتر ہوگا یا صرف ان ارکان کو نکال دیا جائے جو فوج سے اتفاق نہیں کرتے۔

پرائیڈ کی صفائی

پہلی دسمبر کو فیرفیکس کے حکم سے چارلس کو ساحل ہیمپ شر کے قلعے ہرسٹ کاسل میں منتقل کر دیا گیا جو ایک سنسان مقام میں تھا اور جس کی آسانی سے محافظت ہو سکتی تھی۔ اور دوسری تاریخ فوج لندن میں داخل ہوئی۔ پھر جب معلوم ہوا کہ پارلیمنٹ اب بھی بادشاہ سے گفت و شنید کئے جاتی ہے اور ادھر وین وغیرہ بعض ارکان کی بھی تائید حاصل ہوئی تو آئرٹن اور چند سرداروں نے ویسٹ منسٹر کے فوجی پہرے کے سردار کرنل پرائڈ کو حکم دیا کہ سرِ بر آوردہ پرس بائٹری ارکان کو خارج کر دے۔ اسی طرح ایک سو تینتالیس مبعوث، جن میں ہولیز اور فینیز بھی شامل تھے نکالے گئے۔ اس اخراج کے بعد، جسے "پرائیڈ کی صفائی" کہتے ہیں، جو جماعت باقی رہ گئی وہ ازرہ حقارت پارلیمنٹ کی دُم کہلائی اور فوج کے ہاتھ میں محض کٹھ پتلی بن گئی اور اسے ملک کی نیابت کا دعویٰ کرنے کا کوئی حق نہیں رہا۔ اصلی اختیارات فوج کے قبضے میں آ گئے۔ اسی روز اولیور کرومویل کی سواری لندن پہنچ گئی۔

کرومویل کے خیالات

اس تاریخ تک قرینہ کہتا ہے کہ کرومویل نے بادشاہ سے معاملہ کرنے کی امید ہاتھ سے نہ دی تھی اور عجب نہیں وہ یہ سمجھتا ہو کہ چارلس کو عدالت میں لانے کی اطلاع ہوگی تو وہ مصالحت پر زیادہ آمادہ ہو جائے گا۔ لیکن یہ کرومویل کی سخت غلطی تھی کیونکہ چارلس ایک ایسے مقصد کے لئے جان دینے پر بالکل آمادہ تھا، جسے وہ نہ صرف بدامنی کے مقابلے میں عمدہ حکومت کی بنیاد بلکہ خدا کے سچے مذہب کا منشا سمجھتا تھا۔ چنانچہ اس تجویز پر کہ وہ پارلیمنٹ کے قوانین کو نامنظور کرنے کا بادشاہی حق چھوڑ دے، چارلس مطلق متوجہ نہ ہوا

اور یہ گفتگو ناکام رہی تو کروم ویل نے بھی فیصلہ کر لیا کہ اب اس معاملے میں کچھ نہیں ہو سکتا۔ پھر، جیسا کہ اس کا طرز تھا، وہ دل و جان سے ان لوگوں کا ہمنوا ہو گیا جو نہ صرف بادشاہ کی معزولی بلکہ اسے سزائے قتل دینے کے طلبگار تھے۔

کروم ویل کی تائید پا کر پارلیمنٹ کے آزاد جماعت کے ارکان دلیرانہ آگے بڑھے اور امرا کی مخالفت کے باوجود صرف عوام کی رائے سے ۴ جنوری سنہ ۱۶۴۹ء کو ایک عدالت عالیہ

بادشاہ کا مقدمہ اور موت

قائم کی گئی جس میں ۱۳۵ ناظر یا ارکان شامل تھے۔ ان میں سب سے ممتاز اشخاص یہ تھے:- فیرفیکس۔ کروم ویل۔ ہنری مارٹن آئرٹن۔ ہے ریسن لارڈ گرے اور کرنل ہچنسن ایک وکیل قانونی جان بریڈشا صدر عدالت منتخب ہوا۔ اس عدالت نے ۸ جنوری سے اجلاس شروع کیا مگر ارکان میں سے اکثر لوگ شریک نہ ہوتے تھے۔ چنانچہ فیرفیکس پہلے اجلاس کے بعد نہ آیا۔ وہیں دیہات میں چلا گیا۔ ۲۰ تاریخ کو بادشاہ ایوان ویسٹ منسٹر میں لایا گیا اور ۶۸ ارکان کے روبرو مقدمہ شروع ہوا۔ جب اس سے صفائی پیش کرنے کے لیے کہا گیا تو اس نے جواب میں سوال کیا کہ مجھے کس کے حکم سے عدالت میں لایا گیا ہے؟ بریڈشا نے کہا "انگریز قوم کے حکم سے" مگر چارلس اپنی بات پر قائم رہا اور بار بار عدالت میں لائے جانے کے باوجود اور کچھ کہنے سننے سے انکار کرتا رہا کیونکہ وہ اپنا فرض بھی سمجھتا تھا کہ ایک خلافِ آئین عدالت کا حکم تسلیم نہ کرے۔ اس نے کہا "یہ صرف میرا معاملہ نہیں ہے۔ بلکہ یہ انگلستان کے باشندوں کی آزادی اور حقوق شہری کا سوال ہے۔ اس لئے کہ اگر خلاف قانون قوت کے زور سے قانون بننے لگے اور ملک کے اساسی قوانین میں تغیر جائز رکھا گیا تو پھر میں نہیں سمجھتا کہ انگلستان میں کون شخص اپنی جان مال یا کسی چیز کا بھی اطمینان رکھ سکے گا کہ اس کی ہے" زیادہ سے زیادہ اتنی بات ماننے پر وہ آمادہ تھا کہ امرا اور عوام کے مشترکہ اجلاس میں جو رنگ محل = (Painted chamber) میں منعقد ہو، اپنا مقدمہ پیش کر دے۔ اس پر عدالت کے بعض ارکان چاہتے تھے کہ تحقیر عدالت کی بنا پر اسے فوراً سزا دے دی جائے مگر آخر میں قرار پایا کہ شہادت کی سماعت کی جائے۔ اور جب یہ ثابت ہوا کہ چارلس نے پارلیمنٹ کے خلاف فوجیں فراہم کیں، اور خانہ جنگی میں بذات خود حصہ لیا تو عدالت نے فیصلہ کیا کہ وہ "جابر، غدار، قاتل اور اس قوم کے اچھے

آدمیوں کا مسلمہ دشمن ہے" اور بدن سے سر قطع کر کے اسے موت کی سزا دی جائے۔ قتل کے حکم نامے پر ۵۹ ارکان کے دستخط تھے اور اس طرح ان کی تعداد عدالت کے کل ارکان کی آدھی بھی نہ تھی اور خود عدالت، محض پارلیمنٹ کی اقلیت کی مقرر کردہ تھی۔ مقدمہ چلنے کے زمانے میں بھی علانیہ قرائن پائے گئے کہ اس کارروائی کو لنڈن کے عوام الناس تک پسند نہیں کرتے، ملک کے جمہور کا تو ذکر ہی کیا ہے۔ مگر صاحبان لشکر کے سامنے دلیلیں چھانٹنا بیکار ہوتا ہے۔ فوج نہایت منظم، قواعد داں اور قوی تھی۔ شاہ پسند کمزور، منتشر، اور غیر منظم تھے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اس گروہ کی رہنمائی کرنے والا کوئی نہ تھا۔ فیرفیکس اور وین بادشاہ کے قتل کو ناپسند کرتے تھے لیکن فوج کے مقابلے میں سامنے آنے کا کوئی ارادہ ان سے ظاہر نہیں ہوا۔

قتل کا فیصلہ ۲۷ جنوری، ہفتے کے دن سنایا گیا اور ۳۰ وہیں تاریخ وہائٹ ہال کے سامنے عین بازار میں چوبی چبوترہ بنا کے اس پر چارلس کا سر قلم کر دیا گیا۔ اس نے مرتے وقت پر سکون وقار اور رضا برضائے الٰہی کی ایسی شان دکھائی اور ایوان عدالت میں نیز موت کے چبوترے پر اس کی وضع اور صورت ایسی رہی کہ اپنی سابقہ سازشوں سے لوگوں میں جو بدظنی پیدا کی تھی، وہ بہت کچھ دور ہو گئی۔ چند ہی روز بعد ایک کتاب "ایکن لے سی لائک" (یعنی شاہی شبیہ) شائع ہوئی جس میں ادعا کیا تھا کہ وہ خود چارلس کی تصنیف ہے اور اس کے خیالات، نیز زمانہ قید میں اس کی دینداری، صبر و شکر وغیرہ کو بہترین پیرائے میں پیش کیا گیا تھا۔ اس کتاب سے بھی بادشاہ کی طرفداری کے میلان میں ترقی ہوئی اور اس کی شہرت دیکھ کر "آزاد گروہ" نے بطور خاص ملٹن کو جواب لکھنے پر مقرر کیا چنانچہ اس نے "ایکن او کلاسٹ" (یعنی بت شکن) تحریر کی اس میں اپنی فصاحت اور سلیقۂ تحریر سے پورا کام لیا اور مقتول بادشاہ کے معائب دکھانے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی۔ باوجود اس کے یہ کہنا مشکل ہے کہ ملٹن کی کتاب اصل کتاب سے جو اثر پیدا ہوا تھا، اسے زائل کرنے میں پوری طرح کامیاب ہوئی۔

تین امیر یعنی ملٹن، ہالینڈ، اور کیمبل، دوسری خانہ جنگی کے ذمہ دار ہونے کے جرم میں اپنے آقا کے ساتھ ساتھ تلوار کے گھاٹ

اتارے گئے۔

مشہور واقعات

اسٹرے فرڈ کا قتل.................... سنہ ۱۶۴۱ء

ارکان پارلیمنٹ کو پکڑنے کی کوشش.................... سنہ ۱۶۴۲ء

پہلی خانہ جنگی.................... سنہ ۱۶۴۳ لغایت سنہ ۴۶ء

دوسری ،،.................... سنہ ۱۶۴۸ء

چارلس کا قتل.................... ۳۰ جنوری سنہ ۱۶۴۹ء

باب چہارم

دولت عامہ اور عہد محافظت

ممتاز معاصرین:- ...... فرانس .... لوئی چہاردہم

اسپین .... فلپ چہارم

"عدالت عالیہ" کو چارلس کے مجرم قرار دینے اور قتل کرانے کا اخلاقی حق حاصل ہو یا نہ ہو، اس میں تو کوئی شک نہیں کہ سیاسی اعتبار سے یہ فعل "آزاد" فرقے کی بہت بڑی غلطی تھی۔ بادشاہی اور زمانۂ قید میں چارلس نے اپنے آپ کو پوری طرح رسوا کر لیا تھا۔ لیکن

چارلس کے قتل کے اثرات

اس کے سفاکانہ قتل اور مقدمے کے زمانے میں اس کے طرز عمل سے عام ہمدردی کا اثر یہ ہوا کہ موروثی بادشاہی کے اصول کی حمایت کرنے میں جملہ معتدل خیال کے اشخاص متحد ہو گئے اور کلیسائی تھے یا پرسبی ٹری، سب کا اس معاملے میں مل جانا ممکن ہو گیا اور اتحاد کے راستے میں جو بڑی رکاوٹ تھی، وہ مذکورۂ بالا واقعات کی بدولت دور ہو گئی۔ ایڈورڈ اول کے وقت سے ہر موروثی بادشاہ اپنے عہد حکومت کا آغاز پیش رو کی وفات کی تاریخ سے کرتا تھا۔ بے شبہ پارلیمنٹ نے ایک قانون منظور کیا کہ کسی نئے بادشاہ کی بادشاہی کا اعلان نہ کیا جائے گا لیکن

چونکہ آئینی اعتبار سے خود یہ قانون ساقط الاعتبار تھا۔ لہذا چارلس کے مرتے ہی شہزادہ ولی عہد قانوناً بادشاہ ہوگیا۔ پارلیمنٹ سے پرس کی بڑی ارکان کے اخراج (۱۶۴۸ء) نے اس پورے فرقے کو پارلیمنٹ کا مخالف بنا دیا تھا لہذا "آزاد" اور اہل اختلاف گروہ جن کے ہاتھ میں اقتدار آیا، وہ قوم کی اکثریت کی نیابت کا کوئی دعویٰ نہ کرسکتے تھے البتہ جب تک فوج متحد تھی اس وقت تک حکومتِ وقت کی کوئی علانیہ مخالفت ممکن نہ تھی۔

بادشاہ کے قتل کے بعد ہی دارالعوام نے دارالامرا کو "بے کار، مخدوش اور قابل شکست" قرار دیا اور یہ اس دعوے کا منطقی نتیجہ تھا کہ "قوت جائز کا اصلی سرچشمہ خدا کے عام بندے ہیں"۔ ہینری مارٹن کی تحریک تھی کہ "مخدوش" کا لفظ نکال دیا جائے لیکن متفقہ رائے یہی ہوئی کہ اہانت بغیر کسی طعن کے کافی ہونی چاہیئے۔ قرارداد اصلی عبارت میں منظور کر لی گئی پھر قرارداد ہوئی کہ بادشاہ یا شخص واحد کی حکومت "غیر ضروری، تکلیف دہ، خطرناک اور واجب الترک ہے" اور ایک قانون نافذ ہوا جس میں انگلستان کے دولت عامہ یا آزاد مملکت ہونے کا اعلان تھا۔

نئی حکومت پرانی بساط کو اس طرح الٹ چکنے کے بعد کہ ایک مسخ شدہ دارالعوام کے سوا اور کوئی یادگار عہد قدیم کی باقی نہیں رہی، پارلیمنٹ نئے انتظام کی طرف متوجہ ہوئی۔ اسکوٹوں سے ان بن ہونے کے بعد دونوں ملکوں کی متحد ذیلی مجلس کی بجائے ڈربی ہاؤس کمیٹی کے نام سے ایک انتظامی جماعت پہلے سے قائم تھی، جواب قریب قریب مجلس شوریٰ کا کام دینے لگی۔ اس کا صدر بریڈشا اور چالیس ارکان میں تمام آزاد خیال اُمرا فیرفیکس، کروم ویل، وین، وہائٹ لوک، سن جن، مارٹن، ہیزل رگ، اسکی پن اور اسکوٹ شامل تھے مگر آئرٹن کو نہیں لیا گیا تھا۔ مجلس کے عام معاملات کی معتمدی تھرلو کو دی گئی تھی لیکن غیر السنہ کے واسطے جان ملٹن معتمد بنایا گیا۔ مہر خاص وہائٹ لوک اور دو اور اشخاص کے سپرد ہوئی وزارت بحری کا صدر وین اور بیڑے کے امراے بحر بلیک، ڈین اور پاپ ہم مقرر کئے گئے۔ فیرفیکس سپہ سالار اعلیٰ اور کروم ویل بدستور سابق نائب سپہ سالار رہے۔ مذکورۂ بالا اشخاص میں وہائٹ لوک، وین، فیرفیکس اور بلیک، سب کے سب بادشاہ کے قتل کے خلاف تھے لیکن بادشاہی کی بجائے جو نئی حکومت قائم کی گئی اس میں شرکت پر بخوشی آمادہ ہوگئے۔ عدالت عالیہ کے چھ ارکان نے نئی حکومت کی خدمت پر رضامندی ظاہر کی اور باقی عہدے

ازسرنو پُر کر لئے گئے۔ مگر نئے عہدہ دار مشکل سے اپنی خدمات پر آئے ہونگے کہ ہر طرف سے مشکلات پیدا ہونے لگیں۔

الولرز کی بغاوت

سب سے پہلے تو فوج کی ایک جماعت بگڑی اور حکومت کو بلا تاخیر اُدھر متوجہ ہونا پڑا۔ اس شورش کی بنیاد پرانی تھی اور جب سے فوج کا پڑاؤ ٹرپ لو ہیتھ میں ہوا، جان لل برن نے وہ خیالات سپاہیوں میں پھیلانے شروع کئے جن کا منشا سارے نظام معاشرت اور فوجی نظم کو درہم برہم کر دینا تھا۔ مثلاً اس نے لکھا کہ فوجی سردار درجے میں سپاہیوں سے نیچے ہیں، اور مغرور المزاج، پرجوش جوانوں میں یہ خیالات بہت ذوق شوق سے قبول کر لئے گئے۔ انھیں مخالفوں نے "لولرز" (یکساں کُن) کا خطاب دیا تھا اور وہ بہت جلد ست جنگ اور اولیا کی حکومت قائم ہونے کے خواب دیکھتے تھے۔ ان کے سیاسی عقائد ایک تحریر میں جسے "عوام کا اقرار نامہ" کہتے ہیں قلم بند کئے گئے اور جنوری (۱۶۴۹ء) میں یہ تحریر دار العوام میں پیش ہوئی۔ اس میں نشستوں کی ازسرنو تقسیم اور اس کے بعد ہی انتخاب عامہ اور ایک ایسی حکومت قائم کرنے کا مطالبہ تھا جو براہ راست دار العوام کے سامنے جواب دہ ہو۔ خود لل برن کچھ مدت سے قلعۂ لندن میں محبوس تھا لیکن آئرستان بھیجے جاتے وقت بعض سپاہیوں میں بددلی دیکھ کر اُس کے احباب کو عام فساد کرا دینے کا موقع ہاتھ آیا اور لندن، بین بری، اور سالسبری میں ہنگامے برپا ہوئے جن میں آخر الذکر زیادہ مخدوش تھا۔ مگر فیرفیکس اور کروم ویل ایک دن میں پچاس میل چل کر یکایک مفسدوں کے سر پر آدھی رات کے وقت برفرڈ (آکسفرڈ شائر) جا پہنچے اور ان کا پورا قلع قمع کر دیا۔ ان کے سرگروہوں میں سے ایک نائک اور دو دفعداروں کو گولی سے اُڑا دیا گیا۔ باقی کو معافی ملی اور سمجھا بجھا کے اپنے کام پر واپس بھیج دیا گیا۔ مگر لل برن قید سے نکل کے برابر حکومت کے خلاف شورش پھیلاتا رہا۔ اس کا قول تھا کہ فوجی اقتدار دیوانی حکومت کے مرکز اور عہدے پر قابض ہو گیا ہے اور معروضۂ حق، منشور اعظم وغیرہ جملہ اساسی آئین ہی باطل کر دئے گئے ہیں۔ اکتوبر میں اس پر فوج میں بغاوت پھیلانے کا مقدمہ بھی چلا لیکن رہائی پائی، اور حق یہ ہے کہ وہ ناراضی کے انہی جذبات کی ترجمانی کرتا تھا جو وسیع پیمانے پر لوگوں میں پھیلے ہوئے تھے۔

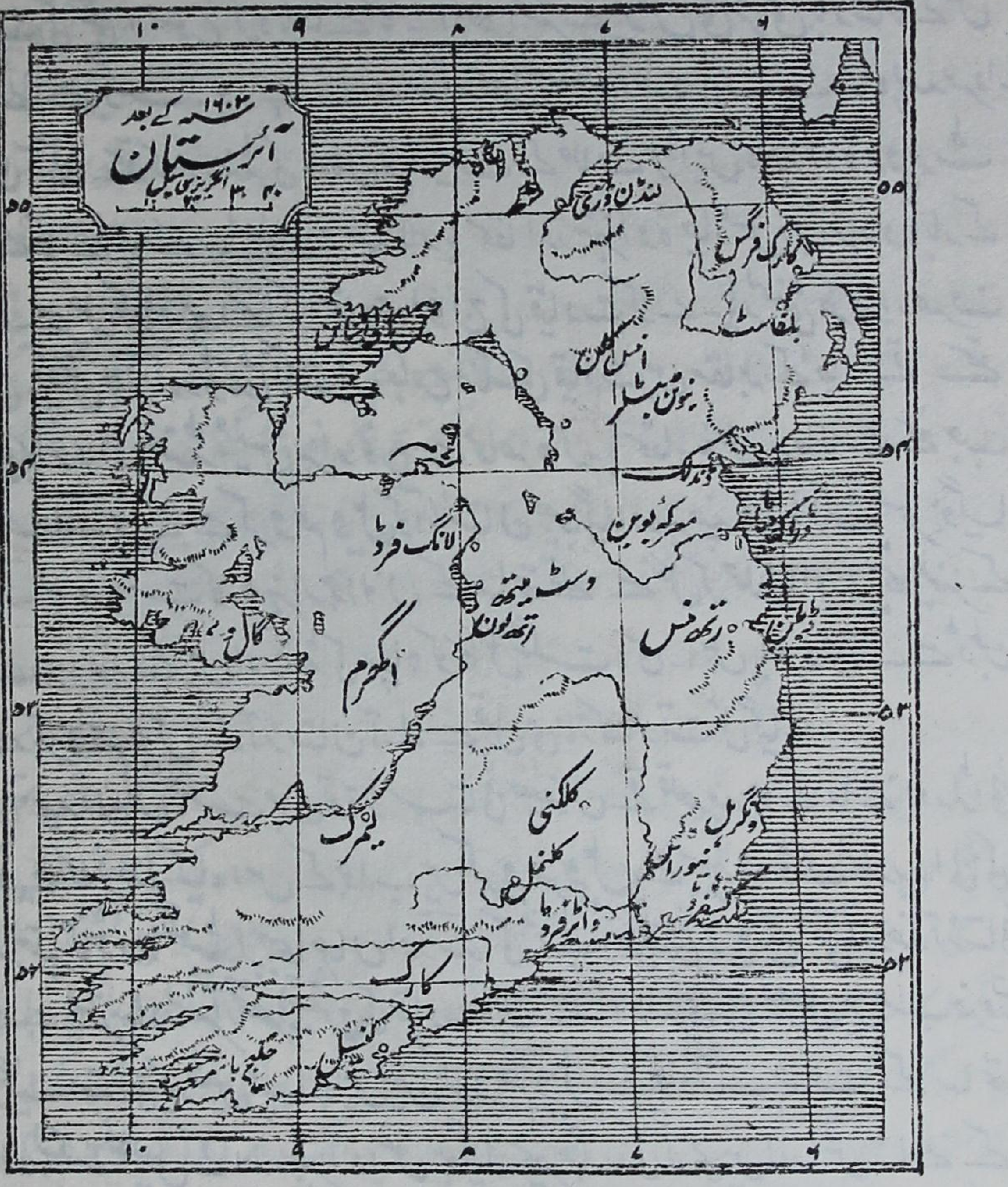
آئرستان

اس عرصے میں آئرستان کے معاملات بہت مخدوش نظر آنے لگے تھے۔

اورمنڈ نے لارڈ انچی کن سے ان شرطوں پر مصالحت کر لی تھی کہ آئرستان کے کیتھولکوں
کی تمام مذہبی اور سیاسی معذوریوں کو قطعی طور پر رفع کر دیا جائے گا، کوناٹ کے کاشتکاروں
کو بے دخل نہیں کیا جا سکے گا اور وہ قانون جس نے "گھوڑوں کی دُم پکڑ کے ہل چلوانے"
کی ممانعت کی تھی، منسوخ کر دیا جائے گا۔ اُدھر السٹر کے پرسبی ٹیری بادشاہ کے قتل
کئے جانے سے برگشتہ ہو رہے تھے اور سر آرتھر ایسٹن وغیرہ بہت سے شاہ پسند سردار
آئرستان آ گئے تھے کہ اورمنڈ کی فوجوں کو پارلیمنٹ کے خلاف لڑائیں۔ شہزادہ روپرٹ
باغی بیڑے کو لئے ہوئے ساحلوں پر منڈلا رہا تھا اور شہزادہ چارلس جزائر رود بار کے
ارادے سے چل کھڑا ہوا تھا کہ اتحادی افواج کی قیادت کرے۔ پارلیمنٹی طرفدار صرف
ڈبلن میں مائیکل جونز اور ڈنڈالک میں جارج منک کی قیادت میں مقابلہ کئے جاتے تھے
سو ڈبلن کا خود اورمنڈ اُنیس ہزار فوج سے محاصرہ کر رہا تھا۔ غرض یہ حالات تھے جب
کہ نئی حکومت کی طرف سے کرومویل کو آئرستان بھیجا گیا اور ہر چند ڈنڈالک مسخر ہو گیا
لیکن جونز نے ۲ اگست کو ۵ ہزار جوانوں کے ساتھ قلعے سے نکل کر حملہ کیا اور ریتھ مینز کے
معرکے میں اورمنڈ کی سپاہ کو کامل شکست دی۔ اس پامردی سے ڈبلن
بچ گیا اور کرومویل کے آئرستان آنے سے قبل ہی نازک وقت ٹل گیا۔

میدان میں شکست ہوئی تو آئرستانی حلیفوں نے قلعہ بند ہو کے لڑنے اور لڑائی
کو طول دینے کا فیصلہ کیا۔ اس کے جواب میں کرومویل نے بھی دو ٹوک کارروائی کی۔
وہ ۱۰ ستمبر کو ڈروگھیڈا پہنچا جہاں اورمنڈ کی منتخب انگریزی فوج جمع تھی اور چند آئرستانی
کیتھولک دستے بہادر سر آرتھر ایسٹن کی قیادت میں تھے۔ دوسری صبح فصیل میں حسب ضرورت
رخنہ پڑ گیا۔ ابتدائی یورشیں پسپا ہوئیں لیکن کرومویل نے خود ایک جماعت کے ساتھ
حملہ کیا اور شکستہ فصیل کے اندر جبراً داخل ہو گیا۔ پھر جنگ کی گرمی میں اور اُس زمانے کے
ظالمانہ قوانین کے مطابق اُس نے حکم دیا کہ تمام مسلح آدمی تلوار کے گھاٹ اتار دیئے جائیں۔
مشکل سے ایک متنفس بھی زندہ بچا ہوگا اور قلعے کے سپاہیوں کے ساتھ دو کے سوا سارے
مسیحی درویشوں کے بھی سر پھوڑ دیئے گئے۔ معلوم ہوتا ہے اس جلد بازی کی حرکت کا خود
کرومویل کو قلق ہوا اور پارلیمنٹ کے مراسلے میں امید ظاہر کرتا ہے کہ "بہرحال اس سے
آئندہ خونریزی کا سلسلہ غالباً رک جائے گا"۔ بظاہر یہ قیاس غلط نہ تھا اور دوسرے

قلعوں میں اگر پہلے نہیں، تو فصیل میں رخنہ پڑتے ہی فوج والوں نے اطاعت قبول کرلی اور صرف ویکس فرڈ
کل کینی اور کلان مل میں سخت معرکے پیش آئے۔ افسوس ہے کہ ویکس فرڈ میں حملہ آوروں کے فصیل توڑ کر داخل
ہو جانے کے بعد بھی بعض سپاہیوں نے منڈی میں مقابلہ کیا جس سے دوبارہ قتل عام کی نوبت آئی۔ غرض



متعدد بستیوں سے جھگڑا پڑا اور لڑائی میں اتنی طوالت ہوئی کہ مارچ ۱۶۵۰ء میں پارلیمنٹ نے کرومویل کو بتعجیل
وطن طلب کیا تو فتح کی محض تکمیل باقی رہ گئی تھی اور وہ اس کام کو آئرٹن کے تفویض کرکے انگلستان چلا آیا۔
جن بستیوں نے از خود اطاعت قبول کرلی، وہاں سپاہیوں کو بھی امان دے دی گئی۔ انگریز سردار
جو پہلے کسی وقت بھی پارلیمنٹ کی طرف سے لڑے تھے، انھیں سولی پر چڑھایا یا گولی سے مار دیا گیا۔ آئرستانی

سرداروں کو جہاں چاہیں جانے کی اجازت دے دی گئی۔ چنانچہ ان میں سے اکثر ممالک خارجہ میں جاکر نوکر ہو گئے اور اپنے ساتھ ۴۵ ہزار آئرستانی سپاہیوں کو بھی لے گئے انگریز سپاہیوں میں سے اکثر نے پارلیمنٹ کی نوکری قبول کر لی۔ سمندر میں بلیک بڑی خوبی سے کرومویل کو مدد دیتا رہا۔ اور شہزادہ روپرٹ بھی یہ دیکھ کر کہ اورمنڈ کی کامیابی غیر ممکن ہو گئی ہے پرتگال کو فرار ہو گیا اور تھوڑے فاصلے سے بلیک اس کے تعقب میں رہا اور منڈ اور رانچی کن بر اعظم کو نکل گئے اور اوئن رو اونیل قضائے الٰہی سے مر گیا۔ انگریزی سپاہ کو بھی کھلے میدانوں میں رہنے اور ایک وبائی بخار سے سخت نقصان اٹھانے پڑے۔ چنانچہ ریتھ مینز کا فاتح جونز اور سینٹ فیگنز کا فاتح ہارٹن اسی بخار کی بھینٹ چڑھے آئرٹن ۱۶۵۱ء تک سپہ سالاری کرتا رہا اور پھر وہ بھی بخار کی نذر ہوا۔ سپاہ سالاری کی خدمت عارضی طور پر لڈلو کے تفویض ہوئی جس نے اپنے سوانح (”میموائرز“) لکھے ہیں اور جو دراصل جونز کی بجائے نائب سپہ سالار مقرر ہوا تھا یا آخر فلیٹ ووڈ جس نے آئرٹن کی بیوہ سے نکاح کیا تھا مستقل سپہ سالار ہو کر آیا اور اس نے لڈلو سے فوج کا جائزہ لے لیا۔

اسکاٹ لینڈ کرومویل کو بہ عجلت طلب کرنے کا سبب اسکاٹ لینڈ کی تہدید آمیز روش تھی۔ ہیملٹنیوں کی ہزیمت کے بعد آرجائل کی جماعت کو غلبہ حاصل ہو گیا تھا مگر چارلس کے قتل سے وہاں کے باشندے خوش نہ ہوئے اور حکومت نے ایک قطعی کارروائی یہ کی کہ شہزادہ ولی عہد کی خدمت میں چارلس دوم کے نام سے تاج پیش کیا۔ مگر بادشاہی کے ساتھ کلیسائی قرارداد کے تسلیم کرنے کی شرط عائد کر دی گئی تھی اور شہزادے کو اس بارے میں تامل تھا۔ چنانچہ اس نے مونٹ روز کو روانہ کیا کہ اسکاٹ لینڈ جا کر معاینہ کرے کہ آیا قدیم شاہ پسند فرقے کے دوبارہ زندہ کرنے کی بھی کوئی امید ہے یا نہیں؟ اسے خیال تھا کہ اگر مونٹ روز ناکام رہا تو پھر آرجائل سے اتحاد کر لوں گا مونٹ روز کی مہم کو سخت ناکامی نصیب ہوئی اور جب وہ کیتھ نیس میں لنگر انداز ہوا، تو ہوا خواہوں کو جمع کر سکنے سے قبل اس پر کلیسائی ”قرارداد“ آپڑے اور سدر لینڈ و راس کی سرحد پر بمقام کاربس ڈیل کامل شکست دی مونٹ روز کسان کے بھیس میں بھاگا تھا مگر پکڑ لیا گیا اور اسی لباس میں ایڈنبرو بھیجا گیا جہاں ہر طرح کی ذلت و خواری کے بعد اسے گراس مارکیٹ میں سولی دے دی گئی۔ آخر تک اس کی امیرانہ اور بے خوف صورت نے دشمنوں تک سے خراج تحسین وصول کیا لیکن اس کے آئرستانی اور پہاڑی سپاہیوں کے مظالم سیدانیوں کو فراموش نہ ہوئے تھے کہ اس کے حق میں رحم و کرم کا برتاؤ جائز رکھا جاتا۔

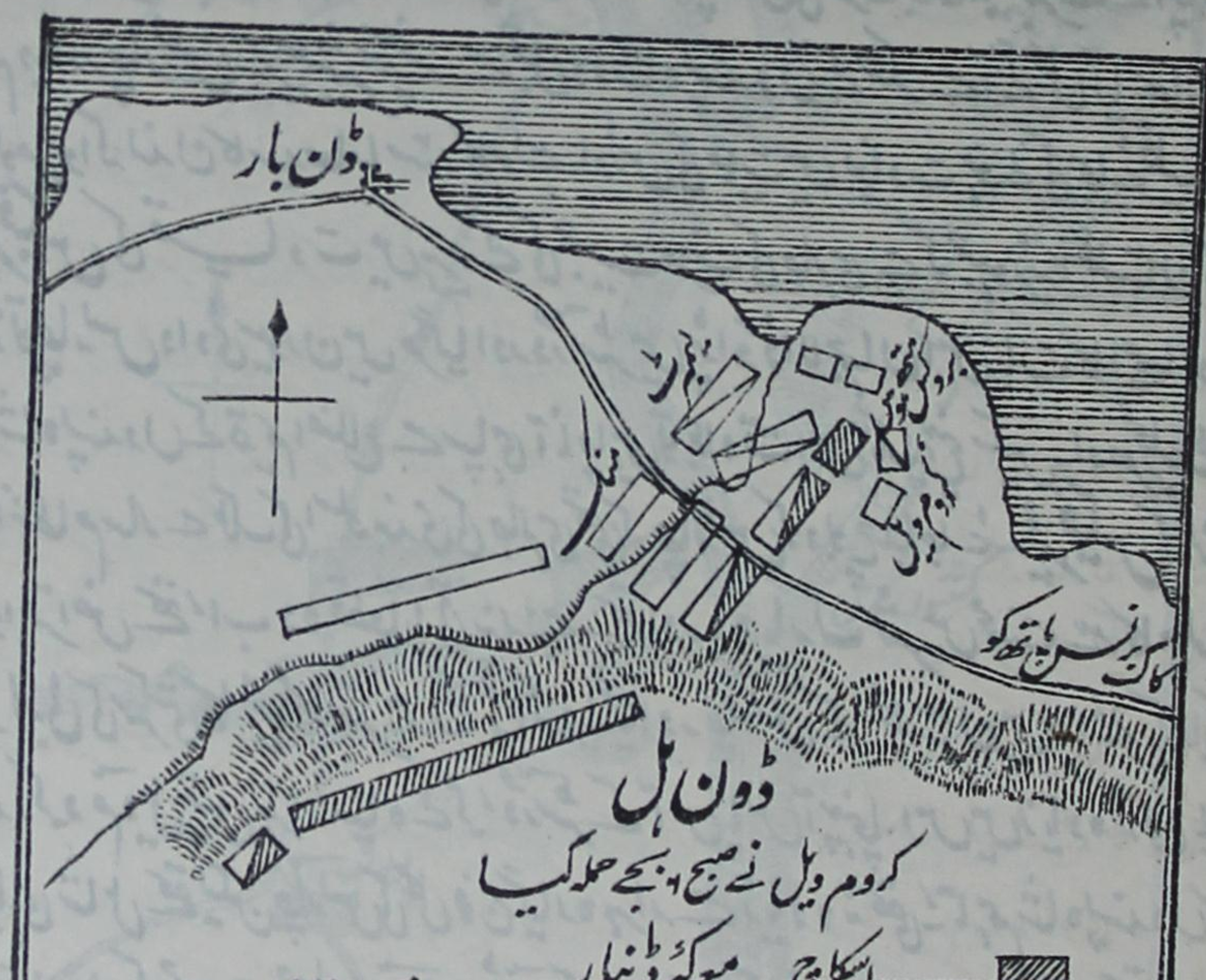
اب چارلس دوم کو حکومت ہی سے نامہ و پیام کرنے پڑے مونٹ روز کو خود بھیجنے سے وہ صاف

ٹکر گیا اور آرجائل کی شرطوں پر رضامندی ظاہر کرکے جہاز میں اسکاٹ لینڈ روانہ ہوا۔ ان حالات میں انگلستان کی مجلس شوریٰ کو محسوس ہوا کہ جنگ کئے بغیر چارہ نہ ہوگا کیونکہ چارلس محض تخت اسکاٹ لینڈ لے کر قانع نہ ہوسکتا تھا۔ پس یہاں سے فوراً کرومویل کو بلایا گیا تاکہ وہ اور فیرفیکس اسکاٹ لینڈ پر حملہ کرکے خود دشمن کے ملک میں لڑائی چھیڑ دیں مگر فیرفیکس اس حکمت عملی کے خلاف تھا اور کہتا تھا کہ محض احتمال کی بنا پر کسی ہمسایہ قوم پر حملہ کرنا جائز نہیں، خصوصاً اسکوٹی بھائیوں پر جن سے اتحاد و دوستی کے عہد و پیمان ہوچکے ہیں۔ وھاٹ لاک، ہیرسن اور لیمبرٹ کے سمجھانے بجھانے کے باوجود وہ اس رائے پر قائم رہا لہٰذا اس کا استعفیٰ قبول کرلیا گیا اور سپہ سالار اعلیٰ کی خدمت کرومویل کے تفویض ہوئی۔ فلیٹ وُڈ، لیمبرٹ اور منک اس کے سربرآوردہ سردار مقرر ہوئے اور جولائی میں انگریزی سپاہ سرحد کے پار اسکاٹ لینڈ میں داخل ہوگئی۔ اسکوٹوں نے میدانی علاقے کو اسی طرح خالی کردیا تھا جس طرح ۱۸۱۰ء میں ولنگٹن نے پرتگال میں عمل کیا۔ لہٰذا انگریزی فوج رسد رسانی کے واسطے بیڑے کی محتاج تھی جو اس موقع پر بری سپاہ کے ساتھ کردیا گیا تھا اسکوٹوں سے حملہ آوروں کا سامنا لیتھ کے قریب ہوا جہاں انھوں نے شہر کے سرے (ہولی رُوڈ ہاؤس) سے جانب جنوب مٹی کی دیوار یا دُھس بنالئے اور اس کے عقب میں صف آرا ہوگئے تھے ڈیوڈ لزلی ان کا سردار اور لیون رضاکار کے طور پر موجود تھا۔ اگست کے سارے مہینے کرومویل کوشش کرتا رہا کہ وہ دُھس کے باہر نکل کے لڑیں مگر کامیابی نہ ہوئی۔ اپنے برسرحق ہونے پر بھی وہ اُن سے بحث مباحثہ کرتا رہا لیکن لزلی کے سامنے کوئی تدبیر نہ چلی اور اس کی ہنرمندی ہر موقع پر غالب آئی۔ ادھر کھلے میدان کی پیہم صعوبت نے فوج کو تھکا دیا اور بالآخر کرومویل وہاں سے واپس بمقام ڈنبار ہٹ آیا لزلی نے پیچھا کیا اور کوہ لیمر میور کے سلسلے میں ڈُوون کے ایک پہاڑی ٹیکرے پر پڑاؤ ڈال دیا جہاں سے بستی زیر قدم نظر آتی تھی۔ پھر یہ پہاڑ جہاں ساحل سے جا ملتا ہے وہاں کے درے کاک برنس پاتھ پر قبضہ کرنے کی غرض سے ایک دستہ روانہ کیا کہ یہاں بیرک کی سڑک اتنی تنگ ہوگئی ہے۔ کہ مٹھی بھر آدمی پورے لشکر کو روک سکتے ہیں۔ غرض کرومویل کے سامنے جہازوں میں بیٹھ کر چل دینے، ہتیار ڈال دینے اور یا اسکوٹی لشکر پر حملہ کرنے کے سوا کوئی صورت باقی نہ تھی کہ اتنے میں خود اسکوٹوں کی بے جا جرأت نے اس پریشانی سے اسے نجات دلادی۔

معرکۂ ڈنبار

ڈُوون کی پہاڑی اور کرومویل کی صفوں کے درمیان بروکس برن کی چھوٹی سی ندی بہتی تھی مگر اس نے میدان میں چالیس فیٹ گہرا راستہ کاٹ دیا تھا اور پہاڑی اور ساحل کے درمیان صرف ایک مقام سے اسے آسانی سے پار اُتر سکتے تھے۔ یہیں سے ڈنبار و بیرک کی سڑکیں ندی کو عبور کرتی تھیں اور

یہ بروکس متھ ہاوس کے متصل تھا۔ لزلی کو خوف ہوا کہ انگریز فرار نہ ہو جائیں اور غالباً مجلس طبقات نے بھی اصرار کیا جس کی بنا پر وہ فوج کے بڑے حصے کو لے کر سمندر کی طرف بڑھ آیا کہ دوسرے دن انگریزوں پر حملہ کرے۔ یہ ۲ ستمبر کی تیسرے پہر کا ذکر ہے مگر کروم ویل دشمن کی اس حماقت کو فوراً تاڑ گیا اور دوسرے روز سورج نکلنے سے قبل لیمبرٹ اور منک آدھی انگریزی فوج لے کے جھپٹ پڑے کہ چلے ہوئے نیستاں کو طے کر کے دشمن کو بروکس متھ ہاوس کے قریب جالیں۔ ادھر پیادہ و سوار کی ایک چیدہ جمعیت سمندر کے قریب سے جنگل طے کر کے اسکوٹوں کے عقب میں پہنچ گئی اور بروک کا راستہ روک لیا۔ اس جماعت کو خود کروم ویل بڑھا کر لایا تھا اور اس کی پیش قدمی نے لزلی کی فوج کو ندی، پہاڑی کے سلامی دار پہلو اور نیستاں کے درمیان بھینچ لیا۔ ایک تیز و تند معرکے میں لزلی کے میمنے کو شکست ہوئی اور وہ پریشان ہو کر پیچھے ہٹ رہی تھی کہ سامنے سے ایک عام حملے نے رہی سہی ترتیب الٹ دی۔ یا تو ایک دن پہلے لزلی کروم ویل کو قریب قریب قیدی سمجھ رہا تھا اور یا روز روشن ہوتے ہی خود اس کی فوج ایڈنبرو کی طرف بھاگتی اور ہر طرف منتشر نظر آئی۔



کرومویل بھی ڈنبار سے ایڈنبرو چلا آیا۔ شہر والوں نے دروازے کھول دئے اگرچہ بالا حصار کی فوج دسمبر تک مقابلہ کرتی رہی۔ اسکوٹی لشکر پسپا ہو کے اسٹرلنگ کے قریب ایک مستحکم مقام پر خیمہ زن ہو گیا۔ ڈنبار میں پریسبی ٹری فوج کو شکست ہوئی تھی لہٰذا چارلس نے اب پھر بچے کھچے میثاقیوں اور شاہ پسندوں پر اعتماد کیا اور ان فرقوں سے تازہ فوج مرتب کی۔ یکم جنوری کو بمقام اسکون اُس کی تخت نشینی کی رسم ادا ہوئی۔ اُس پر سامنے کی طرف سے حملہ نہ ہو سکتا تھا اور سربراہی کے لئے شمال کے اضلاع جہاں کسی غارتگری کی نوبت نہیں آئی، محفوظ تھے۔ پس وہ ہر طرح مضبوط معلوم ہوتا تھا اور یہی دیکھ کر کرومویل نے ارادہ کر لیا کہ اُسے اپنے جنگی مرکز پرتھ سے جدا کر دیا جائے چنانچہ کھاڑی کے پار فوج اتار دی اگرچہ وہ خوب جانتا تھا کہ ایسا کرنے میں انگلستان کا راستہ غیر محفوظ رہ جائے گا۔

چارلس کا کوچ انگلستان میں

چارلس نے اس نقل و حرکت سے فائدہ اٹھایا اور اگست ۱۶۵۱ء میں لمبی لمبی منزلیں کرتا ہوا چلا کہ انگلستان میں داخل ہو جائے۔ کرومویل کو اس سے کچھ پریشانی نہ ہوئی۔ اس نے لیمبرٹ کو بلا تاخیر آگے بھیجا کہ چارلس کو راستے میں تا امکان اُلجھاتا رہے۔ اور منک کو اسکاٹ لینڈ میں سپہ سالار بنا کے خود اصلی لشکر کے ساتھ چارلس کی طرف بڑھا۔ لیمبرٹ نے اپنا فرض بخوبی انجام دیا اور چارلس کے چیشیر پہنچنے سے قبل وہ شاہ پسندوں کے لشکر سے آگے نکل آیا تھا۔ جب چارلس کو معلوم ہوا کہ لندن کا سیدھا راستہ رکا ہوا ہے۔ اور اس کی حمایت میں بغاوت ہونے کی بجائے فلیٹ وڈ اور فیرفیکس کی قیادت میں ہر پرگنے کی جمعیت مرتب کی جارہی ہے کہ جمہوریہ انگلستان کی مدافعت کرے تو چارلس وادی سیورن میں مڑ گیا اور ورسٹر میں پڑاؤ ڈالا جہاں اس بات کا اچھا موقع تھا کہ اگر شاہ پسندوں کے قدیم اضلاع سے سپاہی آنا چاہیں تو بلا دقت اس تک پہنچ سکیں۔ ادھر فلیٹ وڈ کے زیر انتظام سارے ملک کی اسلحہ بندی کی جارہی تھی کہ چارلس کو دبوچ لیا جائے۔ فیرفیکس کو لڑائی میں پہلے جو اعتراض تھے، اب وہ قطعاً باقی نہ رہے تھے اور وہ یارک شر میں محنت سے کام کر رہا تھا۔ امیر ڈاربی کی سرکشی کا لینکاشر میں قلع قمع کر دیا گیا اور چارلس کے انگلستان میں داخلے کے ایک ماہ کے اندر کرومویل تیس ہزار سپاہ لے کر، ورسٹر کے آس پاس آپہنچا۔ اس میں زیادہ تر فوج بے قاعدہ کے سپاہی شامل تھے لیکن چارلس کی کل فوج گیارہ ہزار سے زیادہ نہ تھی، تاہم شاہ پسندوں کا مقام برا نہ تھا۔ ان کی جمعیت اصلیہ سیورن و ٹیم کے درمیان کے زاویے میں صف آرا تھی اور دونوں ندیوں کے پل اسی کے قبضے میں تھے اور اُن کے پار ورسٹر و پاوِک کی بستیوں میں پہرے قائم تھے اپٹن

معرکہ ورسٹر

کا پل سنگم سے چند میل جنوب میں واقع تھا، اسے شاہ پسندوں نے منہدم

کر دیا۔ یہی اسباب تھے کہ کروم ویل کو وسیع تر نقشے پر فوج لڑانی پڑی لیمبرٹ کے آدمیوں نے اپٹن کے پل کی مرمت کی اور وہ فلیٹ وڈ کے ساتھ سیورن کے پار ہوا کہ پاؤ وک پر حملہ کرے۔ کروم ویل نے سیورن پر کشتیوں کا پل تیار کیا اور ورسٹر کی فصیل پر حملہ کی تیاریاں کیں کہ لیمبرٹ کو مدد ملے۔ ان تیاریوں میں چار دن صرف ہوئے اس عرصے میں ندی کے دونوں طرف برابر آویزشیں ہوتی رہیں حتی کہ ۳ ستمبر کو کروم ویل اور فلیٹ وڈ کا ایک ساتھ اسکوٹی فوج پر حملہ ہوا۔ اس میں پوری کامیابی ہوئی اور گو خود چارلس نے ورسٹر سے نکل کر پر جوش حملہ کیا جس سے شرقی کنارے کی انگریزی سپاہ عرض خطر میں پڑ گئی لیکن کروم ویل رسالے کو گھوڑے دوڑاتا ہوا پل کے پار اُتار لایا اور شاہ پسندوں کو ایک ایک جھاڑی سے لڑا کر ورسٹر میں واپس مار بھگایا۔ اسی کارنمایاں نے لڑائی کا فیصلہ کر دیا۔ اسکوٹی سپاہیوں نے ہتھیار ڈال دیے اور انگریز شاہ پسند جان بچا کے بھاگے ہیملٹن، لاؤڈر ڈیل، ڈاربی اور لزلی پکڑے گئے لیکن چارلس کسی طرح نکل بھاگا۔ اس کی فوج میں بھرتی ہو کر لڑنے پر تو بہت کم لوگ تیار ہوئے تھے لیکن اسے جلاد کے تیغے سے بچانے میں بڑے بڑے جوکھوں اٹھائے اور کئی دفعہ وہ بال بال نہ بچ سکا۔ اسی جان بچانے میں ۶ ہفتے گزار کر بالآخر وہ برائیٹن سے جہاز میں بیٹھا اور



۱۷ اکتوبر کو فیکان (Fecamp) پہنچ گیا۔ وُرسٹر پر اس کی فوج کشی جتنی ظاہری اہمیت رکھتی تھی حقیقت میں اتنی اہم نہ تھی۔ شاہ پسندوں میں شرفا عام سپاہیوں سے لڑنے میں تامل کرتے تھے اور اسی لئے چارلس کا سارا معاملہ خراب کر دیا جس طرح سو برس بعد مدعی صغیر کے معاملے میں ہوا۔ دوسرے آزاد خیال گروہ کے لوگ بادشاہ کے قتل کو پسند یا ناپسند کرتے، اسکوٹوں کے حملے سے نہایت برہم ہوئے اور کرومویل کو پوری قوت سے ضرب لگانے کا موقع مل گیا۔ جو سردار لڑائی میں گرفتار ہوئے تھے ان میں سے ہیملٹن تو زخموں سے خود مر گیا اور ڈاربی کا سر قلم کرا دیا گیا۔ لاڈر ڈیل اور لرزلی عہد بحالی تک قید میں رہے۔ لیکن دوسروں کے ساتھ پارلیمنٹ رحم و کرم سے پیش آئی۔ جنگ کے ختم ہوتے ہی کرومویل لندن واپس آگیا اور خموشی سے مختلف ذیلی مجلسوں میں جن کا رکن تھا، کام کرنے لگا جس کا منشا یہ ثابت کرنا تھا کہ جنگ ہو یا امن، وہ ملک کا کارگزار خادم ہے۔

بحری جنگ اور بلیک

جس وقت کرومویل شاہ پسندوں سے خشکی پر مصروف جنگ تھا، سمندر میں بھی حکومت قومی اور شاہ پسندوں کے بیڑے میں زور شور سے جنگ ہوتی رہی۔ شاہی جہاز شہزادہ روپرٹ کی قیادت میں آئرستان آئے تھے جیسا کہ اوپر مذکور ہوا قومی بیڑے کا سُورما اس جنگ میں بلیک ثابت ہوا جو برج واٹر کا باشندہ اور ۱۵۹۹ء میں پیدا ہوا تھا۔ دس سال آکسفرڈ کے دارالعلوم میں گزارے اور غالباً کچھ مدت تک تجارت کے سلسلے میں بحر نوردی کا بھی تجربہ حاصل کیا تھا۔ خانہ جنگی کے کئی معرکوں میں پیادہ سپاہی کی حیثیت سے شریک رہا۔ اور ہیٹن عہدے سے دستکش ہوا تو بیڑے کی قیادت عملاً اسی کے ہاتھ میں آگئی۔ ملک کے تفصیلی معاملات کے متعلق اس کی رائے جو کچھ ہو، اس کی حفاظت کے پختہ ارادے اور ادائے فرض کا احساس بلیک کی خصوصیات میں داخل تھے۔ ایک موقع پر اس نے کہا کہ ہم جہازی کا کام ملک کے معاملات میں دخل دینا نہیں ہے بلکہ پردیسیوں کو اس بات سے روکنا ہے کہ وہ ہمیں بیوقوف نہ بنا سکیں۔ اس نے ٹیگس کے دہانے تک روپرٹ کا پیچھا کیا اور اس ندی کی کچھ مدت تک ناکہ بندی بھی کئے رہا۔ پھر غرب الہند تک پیچھا کیا اور ایسی جان ضیق میں کر دی کہ روپرٹ نے اس قضیئے سے پیچھا چھڑانے کے لئے

اپنے جہاز فرانسیسی حکومت کے ہاتھ بیچ دئے جرزی اور گرن زی کو بھی مطیع کرلیا گیا اور ایس کیو کے جنگی جہاز آئے تو امریکہ کی انگریزی نوآبادیوں نے بھی نئی حکومتِ قومی کو قبول کرلیا۔ غرض ۱۶۵۲ء کے اخیر تک تمام علاقوں میں جہاں انگریزی علم نصب تھا، پارلیمنٹ کے اعلیٰ اقتدار کو تسلیم کرلیا گیا۔

لیکن اس عرصے میں خود انگلستان رفتہ رفتہ ایک اور جنگ کے میدان میں داخل ہوگیا جس نے جمہوریت کے مداخل پر انتہائی بار ڈال دیا۔ جمہوریت کے ابتدائی جوش خروش میں تو پارلیمنٹ نے اس حد تک واہی تباہی تجویز کردی تھی کہ انگریزی اور ولندیزی جمہوریتیں عملاً ایک کردی جائیں لیکن اس کا کچھ نتیجہ نہیں برآمد ہوا اور بتدریج یہ قومیں ایک دوسری سے برسر جنگ ہوگئیں۔ لڑائی کے اسباب بہت قدیم اور تجارتی رقابت پر مبنی تھے۔ شرق الہند میں انگریزوں

ولندیزوں سے لڑائی

اور ولندیزوں کے تجارتی کارخانوں میں سخت دشمنی تھی۔ ولندیزی انگریزوں کو خواہ مخواہ کا دخیل سمجھتے تھے اور ۱۶۲۳ء میں امبوینا میں کئی انگریز تاجروں اور جہازیوں کو انھوں نے جان سے مروا دیا۔ ایک جھگڑا کئی سال سے یہ چل رہا تھا کہ آیا ولندیزی جہاز رودبار انگلستان میں انگریزی جہازوں کو سلامی دیں اور ان تنگ سمندروں میں بھی انگلستان کی سیادت تسلیم کریں یا نہیں، انگلستان کے شاہ پسند فرقے کے لوگ اکثر بھاگ کر ہیگ میں پناہ لیتے اور وہاں ایک انگریز سفیر (ڈاکٹر ڈورس لاس) کو مونٹ روز کے بعض ساتھیوں نے مار بھی ڈالا تھا۔ سب سے بڑھ کر مخالفت کا سبب یہ ہوا کہ قانون جہاز رانی کی رو سے انگلستان میں چند مستثنیات کے سوائے ہر قسم کے ایسے مال کی درآمد ممنوع قرار دی گئی جو انگریزی جہازوں میں یا خود اُس ملک کے جہازوں میں جہاں کا وہ مال ہے نہ لایا گیا ہو۔ یہ قانون وین اور مارٹن نے مرتب کیا تھا اور اس کا ایک مقصد تو یہ تھا کہ انگریزی جہازوں میں اضافہ ہو کیونکہ وہ دور اندیشی سے سمجھ گئے تھے کہ ایک جزیرے کی قوم کے لئے جہازوں کا ہونا کس قدر ضروری ہے، اور دوسرا مقصد یہ تھا کہ تجارتی مال کے لانے لے جانے کا کام جس پر ولندیزوں کی دولت مندی کا بہت کچھ انحصار تھا، وہ ان کے ہاتھ سے نکال لیا جائے۔ اور یہ بات قدرتی طور پر ولندیزوں کو سخت ناگوار گزری۔ چنانچہ ابھی

باقاعدہ اعلان جنگ بھی نہ ہوا تھا کہ ان کے ملاحوں میں جابجا کشت وخون کی نوبت آئی۔ ۱۹ ر مئی ۱۶۵۲ء کو ڈوور کے سامنے بلیک اور ولندیزی امیر البحر فان ٹرومپ کے پورے دگنے (یعنی چالیس جہازوں) میں بحری معرکہ ہوا اور دو ولندیزی جہاز ضائع ہو گئے۔ جولائی میں پارلیمنٹ نے اعلان جنگ کر دیا اور بلیک نے بہت جلد بحری غنائم سے رود بار انگلستان کی بندرگاہیں بھر دیں۔ ستمبر میں اس کی دو ولندیزی امیران بحر سے جنگ ہوی مگر کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ نومبر میں اُس کی دوبارہ فان ٹرومپ سے ڈنگنیس کے سامنے لڑائی ہوئی۔ دشمن کے نوے جہازوں کے مقابلے میں بلیک کے کل جہاز صرف بیالیس تھے لیکن آٹھ گھنٹے کی لڑائی کے بعد فان ٹرومپ کو پانچ جہازوں کا نقصان اٹھا کے، رات کی تاریکی میں وہاں سے ٹل جانا ہی غنیمت ہوا۔ اب ولندیزیوں نے خود دریائے ٹیمز کی ناکہ بندی کی ٹھہری لیکائی۔ ٹرومپ مستول پر جھاڑو باندھ کے نکلا جس کا مطلب یہ تھا کہ وہ انگریزی جہازوں سے سمندر کو بالکل جھاڑ دے گا۔ لیکن انگلستان کی مجلس شوریٰ ان مصائب کو جھیلنے کی ہمت رکھتی تھی اور اس نے بلیک، ڈین اور منک کی سرداری میں ایک نیا بیڑا مہیا کر لیا ۱۸، ۱۹ اور ۲۰ فروری کو انگریزی جہاز پورٹ لینڈ بل سے کیلے کی ریتیوں تک بھاگ بھاگ کے لڑائی لڑتے رہے اور ٹرومپ کے گیارہ جنگی اور تیس تجارتی جہاز پکڑ لائے۔ اس معرکے نے انگریزوں کو دوبارہ سمندروں کا مالک بنا دیا۔ اب ولندیزیوں کے حوصلے پست ہوئے مگر مئی میں ٹرومپ دوبارہ ۱۰۸ بادبانی جہاز لے کر سمندر میں آیا اور ۲ ر جون کو منک اور ڈین نے اس پر حملہ کیا۔ ڈین توپ کے گولے سے مارا گیا مگر منک نے اپنے چغے سے یہ المناک حادثہ چھپائے رکھا اور برابر لڑتا رہا یہاں تک کہ دوسرے دن بلیک پہنچ گیا تو انگریزوں نے دشمن کے سترہ جہاز پکڑے اور کامل فتح حاصل کی۔ ۳۱ ر جولائی کو آخری معرکہ ہوا بلیک علالت کے باعث ساحل پر تھا منک نے پورے ولندیزی بیڑے سے لوٹس ٹافٹ کے سامنے جنگ کی۔ ٹرومپ مارا گیا۔ ولندیزیوں کو سخت ہزیمت نصیب ہوی اور پورے تیس جہازوں کا نقصان اٹھانا پڑا۔ تب انھوں نے مقابلہ چھوڑ کر مصالحت کی درخواست کی اور اپریل ۱۶۵۴ء میں، بہت کچھ انگلستان کے حسب مراد، صلح نامہ کر لیا گیا۔

واضح رہے کہ طویل پارلیمنٹ اس واقعے سے ایک سال پہلے ہی ختم ہو چکی تھی۔